(الاحیاء - ماہنامہ)

۲۴۹۳

(۱۳۴۸) ہجری

یعنی جبکہ نور سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود باوجود مراد لیا جاوے اور اگر دوسری تفسیر اختیار کی جاوے یعنی نور اور کتاب دونوں سے قرآن مجید ہی مراد لیا جائے تو توجیہ بدلجاوے گی اور اس صورت میں عطف کتاب کا نور پر باوجود اتحاد ذات کے تغائر حیثیت وصفت کے اعتبار سے [illegible]

احقر نے خود لکھا اور ایک عزیز سے بیان کرا دیا۔ جن کا مضمون مشترک ذکر نبوی ہے صلی اللہ علیہ وسلم اور خصوصیات متفاوت مگر متقارب۔ اول **النّور** جس میں ذکر شریف کے شرعی آداب ہیں۔ ثانی **الظّہور** جس میں ولادت شریفہ کا راز بطریق صوفیہ مثنوی مولانا رومی سے بطرز عجیب ذکر کیا گیا ہے۔ ثالث **السرور** جس میں ولادت شریفہ پر سرور اور عید میلاد النبی پر مفصل کلام کیا گیا ہے۔ رابع **الحبور** مشتمل بر دو جزو۔ جس میں ولادت شریفہ کی اصل غایت معیشت نبویہ کا ہونا اور نور مبارک کے برکات ظاہرہ و باطنہ اور تبرکات کے ساتھ معاملہ۔ اور گیارھویں کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ خامس **الشذور** جس میں حقوق حضرت نبویہ و حکمت درود شریف و حدودِ ذکر شریف اور اُس کے ضمیمہ میں **مکتوب محبوب القلوب** لکھا گیا ہے مسئلۂ ذکرِ ولادت شریفہ نبویہ۔ و فضائل مصطفویہ کے متعلق جو اختلاف و افراط و تفریط ہو رہی ہے اُس کے تحقیق کے لئے یہ مواعظ بالکل کافی ووافی ہیں۔ اور یہی سبب ہوا سلسل پانچ سال تک ان کو بیان کرنے کا۔

• ہر چند کہ جُدا جدا مطبوع ہو گئے تھے۔ لیکن ہمیشہ سے یوں دل چاہتا رہا کہ ان سب کو اگر ایک جگہ جمع کر کے شایع کیا جاتا تو شایقین کو پورا ذخیرہ ایک جگہ مل جاتا اور اب اس خواہش میں اسوجہ سے تقویت ہو گئی کہ وہ مواعظ قریب قریب نایاب ہو گئے۔ اللہ تعالی جزائے خیر دے مولوی جلال الدین احمد صاحب کو کہ انھوں نے اسکا تہیہ فرما لیا اور اپنے سلسلہ **الاحیاء** کا اس کو جزو بنا دیا۔ اور میں نے اس مجموعہ کا لقب **مجمع البحور** رکھدیا۔ اللہ تعالی اسکو مقبول ونافع فرماوے۔ ع ویرحم اللہ عبداً قال آمینا۔ فقط

کتبہ اشرف علی عشرہ اخیرہ رجب ۱۳۴۲ھ

مقام تھانہ بھون

وعظ لقب النور

اَیْنَ	مَتٰی	کَمْ	کَیْفَ	مَاذَا	لِمَ	مَنْ ضَبَطَ	اَلْمُسْتَمِعُوْنَ	اشتات
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنا ہوا	بیٹھکر یا کھڑے ہوکر	کیا مضمون تھا	سبب وعظ	کس نے لکھا	سامعین کی تعداد	متفرقات
جامع مسجد تھانہ بھون	۲۶ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ	۲ گھنٹے ۲۳ منٹ	بیٹھکر	آداب متعلقہ ذکر نبوی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم	اسال عید میلاد النبی کا جا بجا چرچا ہونا	سعید احمد تھانوی کان اللہ لہ	تقریباً ۱۵۰	ہر طبقے کے تھوڑے تھوڑے لوگ موجود تھے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔ **امابعد** فقد قال اللہ تعالےٰ قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین ؕ

یہ ایک مختصر سی آیت ہے اس میں حق سبحانہٗ تعالیٰ نے اپنی دو نعمتوں کا عطا فرمانا اور ان دونوں نعمتوں پر اپنا احسان ظاہر فرمانا بیان فرمایا ہے۔ ان دونوں نعمتوں میں ایک تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود باجود ہے اور دوسری نعمت قرآن مجید کا نزول ہے۔ ایک کو تو لفظ نور سے ذکر فرمایا ہے اور دوسرے کو کتاب کے عنوان سے ارشاد فرمایا ہے۔ اور یہ توجیہ اس آیت کی ایک تفسیر کی بنا پر ہے

[illegible]

یعنی جبکہ نور سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود باوجود مراد لیا جاوے اور اگر دوسری تفسیر اختیار کی جاوے یعنی نور اور کتاب دونوں سے قرآن مجید ہی مراد لیا جاوے تو توجیہ بدلجاوے گی اور اس صورت میں عطف کتاب کا نور پر باوجود اتحاد ذات کے تغائر حیثیت وصفت کے اعتبار سے ہوگا کہ ایسی کتاب عطا فرمائی کہ اس میں ایک صفت نوریت کی ہے۔ اور دوسری صفت کتابیت کی ہے اور اس توجیہ کی بنا پر بھی وہ تعداد نعمت فوت نہ ہوگا۔ یعنی وہ دو نعمتیں اب بھی رہیں گی لیکن ایک پر دلالت مطابقی ہوگی اور دوسری پر دلالت التزامی۔ یعنی قرآن مجید پر تو دلالت مطابقی ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ اور چونکہ قرآن مج[illegible] حضور کی برکت سے ہم کو یہ نعمت عطا ہوئی اسلئے کلام میں بطر[illegible] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود باجود پر بھی دلالت ہوگی۔ بہرحال دونوں بطریق[illegible]ت مذکور ہوں یا ایک بطریق مطابقت اور دوسری بطریق لزوم مگر ہر حال میں اس آیت [illegible] نعمتوں کا ذکر ہے۔ یہ حاصل ہے اس آیت کا۔ مگر قبل اس کے کہ اس کے متعلق کچھ بیا[illegible] جاوے اس سوال ف کا جواب دیتا ہوں کہ اس وقت اس کے بیان کرنے کی کیا ضرورت [illegible]۔ تو اول تو یہ سوال ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر مبارک ایس[illegible] کہ اس پر یہ سوال ہو سکے۔ مگر یہ سوال ہمارے کم سمجھ مدعیان محبت اخوان کی بدولت پیدا ہوا ہے اور وہ وہ لوگ ہیں جو آج کل مولد میں تخصیصات کے پابند ہیں۔ سو ان حضرات نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر کو خاص خاص ازمنہ کے ساتھ مختص کر دیا ہے۔ جیسے بعض مدعیان محبت حضرت حسین علیہ السلام نے ذکر حضرت حسینؓ کو محرم کے ساتھ خاص کر دیا ہے ایسا ہی ان مدعیان محبت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر مبارک کو ربیع الاول کے ساتھ خاص کر دیا ہے اور عجب نہیں کہ میرے اس وقت کے اس بیان سے کسی کے ذہن میں یہ بات آئی ہو کہ یہ بیان بھی شاید اسی وجہ سے ہو رہا ہے کہ یہ مہینہ اس بیان کا ہے۔ اور اس کے ذہن میں آنے سے دو قسم کے لوگوں کو دو تعجب پیدا ہوئے ہوں۔ منہمکین فی التخصیصات کو تو یہ تعجب ہے کہ یہ لوگ تو اس تخصیص پر کلام کرتے ہیں پھر خود اس کا ارتکاب کرنے کی کیا وجہ۔ کیا ان لوگوں کے قول و فعل مطابق نہیں ہوتے۔ اور مانعین تخصیصات کو یہ تعجب کہ اس نے محققین کا مسلک کیوں چھوڑا۔ بہرحال چونکہ ایک خاص جماعت نے ذکر رسول کو خاص کر رکھا ہے۔ خاص

ف [illegible]

اوقات کے ساتھ۔ اسی لئے اس وقت میرے اس بیان پر یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے۔ ورنہ یہ سوال بالکل لایعنی تھا۔ اور یہ کسی مسلمان کے دل میں پیدا ہو ہی نہیں سکتا۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر مبارک ایسی چیز ہے کہ اُس کی نسبت یہ سوال ہو سکے کہ اس وقت اس ذکر کو کیوں اختیار کیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر مبارک تو ایسی چیز ہے کہ ہر وقت ہر انسان کے رگ وپے میں ساری ہو بلکہ دوسرے اذکار بھی اسی ذکر کی طرف راجع ہو جایا کریں۔ اور اس کو ہم نے خود مشاہدہ کیا ہے کہ جس سے محبت ہوتی ہے انسان ہر ذکر سے اُسی کا ذکر نکال لیتا ہے اور ہر گفتگو کا خاتمہ اُسی کے تذکرہ اور یاد پر ہوتا ہے۔ حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کو چونکہ محبت حق اور توحید میں کمال تھا۔ اور توجہ بحق غالب تھی۔ آپ ہر بات کو توحید کی طرف منعطف فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حاضر خدمت ہو کر بعض حکام مکہ کے تشددات کا تذکرہ شروع کیا کہ یوں ظلم کرتے ہیں۔ یوں پریشان کر رکھا ہے۔ مگر وہاں تو دل میں ایک ہی بسا ہوا تھا اور یہ حالت تھی کہ ؎

خلیل آسا در ملکِ یقیں زن — نوائے لا احب الآفلیں زن

اور یہ حالت تھی کہ ؎

ہمہ شہر پر ز خوباں منم و خیالِ ماہے — چہ کنم کہ چشمِ یک بیں نہ کند بکس نگاہے

پس معاً ہی فرماتے ہیں کہ آج کل اسماء جلالیہ کا ظہور ہو رہا ہے۔ اور اس کے بعد خدا تعالیٰ کے اسماء جمالیہ و جلالیہ یعنی لطیفہ و قہریہ کی تحریک ہونے لگی۔ اور اسماء جمالیہ اور جلالیہ کے وہ معنی نہیں جن کو عاطین اسماء جلالیہ و جمالیہ کہتے ہیں اور جن میں اُن کے نزدیک گوشت چھوڑ دینا ضروری ہے وہ تو ایک مخترع اصطلاح ہے بلکہ مراد اسماء جلالیہ سے اسماء قہریہ اور اسماء جمالیہ سے اسماء لطیفہ ہیں۔ تو یہ سختی وغیرہ جو کچھ ہوتی ہے یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کا ظہور ہوتا ہے۔ اور اس میں خدا تعالیٰ کی حکمتیں ہوتی ہیں۔ ظلم و ستم اگرچہ ہمارے افعال ہونے کی حیثیت سے اور ہمارے اختیار سے معصیت ہے۔ مگر اس کی تخلیق و تکوین میں بھی خدا تعالیٰ کے مصالح اور بہت سی حکمتیں ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ میں نے اپنے استاد سے سُنا ہے کہ دُنیا میں چوری ہوتی ہے مگر اُس کا وجود بھی حکمت سے خالی نہیں ہے۔ اگرچہ یہ تو اعتقاد ہے کہ خدا کی حکمت نے چاہا کہ کوئی

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر مبارک کی فضیلت

حضرت حاجی صاحب کے استغراق فی التوحید کی حکایت

نوٹ

تحقیق اسماء جمالیہ و جلالیہ

ایسا ہو اور کوئی ایسا ہو اور اُس فعل میں گناہ بھی ہوگا۔ بوجہ اُس کے اختیاری ہونے کے مگر یہ ایسا ہے جیسے گھر میں پاخانہ ہوتا ہے کہ وہ تمام قطعات سے ارذل ہے۔ لیکن مکان بغیر اُس کے ناتمام ہے۔ ایسا ہی عالم بدون کفر کے ناتمام ہے۔ ایک مرتبہ مجھے خیال ہوا کہ بزرگوں کے برکات کا تو مقتضا یہ تھا کہ اُن کے مزارات پر خرافات نہ ہوا کرتے۔ اُسی شب خواب میں یہ شعر وارد ہوا ؎

در کارخانۂ عشق از کفر ناگزیر است   آتش کرا بسوزد گر بولہب نباشد

اسی طرح چوری کیسی بُری چیز ہے۔ مگر بہت سی حلال روزیاں اس کی بدولت ہیں۔ مَثلاً لوہاروں سے عمدہ عمدہ قفل بنوائے جاتے ہیں۔ اور یہ اسی کی بدولت بڑھئی سے مضبوط کواڑ تیار کرائے جاتے ہیں۔ پاسبانوں کو بڑی بڑی تنخواہیں دی جاتی ہیں۔ یہ سب اسی کی بدولت ہے تو اسماء جلالیہ کے ظہور کے یہ معنی ہیں۔ تو حضرت حاجی صاحب فرمانے لگے کہ آج کل اسماء جلالیہ کا ظہور ہو رہا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ غیبت وغیرہ سب بھاگ گئی۔ تو جس کے دل میں کوئی چیز بسی ہوئی ہوتی ہے اُس کو ہر چیز میں اسی کا ذکر یاد آتا ہے۔ جب ادنیٰ ادنیٰ چیزوں کی محبت کا یہ اثر ہے تو جن لوگوں کو خدا اور رسول کی محبت نصیب ہے اُن کا تو کیا ذکر ہے جو لوگ دنیا کی کسی عورت یا کسی مرد پر عاشق ہو جاتے ہیں اُن کو دیکھئے کہ ہر بات میں ہر تذکرہ میں اُن کو اُس کی یاد لگی رہتی ہے۔ ایک کنجوس کی حکایت ہے کہ اُس نے اپنے کسی دوست کو ایک مرغی دیدی تھی اب جب کبھی کسی بات کا تذکرہ آتا اُس کو فوراً وہ مرغی یاد آتی کہ زید اُس دن گیا تھا جب ہم نے تم کو مرغی دی تھی۔ فلاں واقعہ اُس دن ہوا تھا جب ہم نے تم کو مرغی دی تھی غرض جو واقعہ ہوتا۔ اُس پر یہی ذکر۔ وہ مرغی ہر واقعہ کا پتہ بتلانے میں اُس کے لئے ایسی ہو گئی جیسے ہندوستان کے لئے غدر۔ کہ غدر میں یوں ہوا تھا۔ اور غدر میں ہماری عمر نو برس کی تھی۔ تو جیسے ہندوستان کے لئے غدر تاریخ ہو گئی ہے۔ ایسے ہی اُس کے لئے مرغی تاریخ ہو گئی۔ آخر اُس دوست نے تنگ آکر مرغی خرید کر اُس کے حوالہ کی کہ بھائی تو مرغی لیلے اور اس ذکر کو چھوڑ۔ تو جس چیز کا خیال بندھ جاتا ہے وہ ہر وقت یاد آتی ہے۔ پس جس کو خدا اور رسول سے محبت ہو تو اگر ہر بات میں وہی یاد آویں تو کیا تعجب ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی یہ حالت تھی کہ بات بات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ آجاتا تھا۔ حضرت ہند ابن ابی ہالہؓ کی نسبت حدیث شریف

میں ہے کہ کان وصّافا لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ آخر ہم کو دیکھئے کہ ہم مثلاً حاجی صاحب کے سلسلہ میں ہیں تو ذرا سے بہانے سے اس سلسلہ کے بزرگوں کا ذکر شروع ہو جاتا ہے اور پھر اُس کے قطع کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ یہ محض محبت کے سبب ہے۔ اسی کو کسی نے کہا ہے ؎

دید مجنوں را یکے صحرا نورد — در بیابانِ غمش بنشستہ فرد
ریگ کاغذ بود و انگشتاں قلم — می نمود ے بہر کس نامہ رقم
گفت اے مجنون شیدا چیست ایں — می نویسی نامہ بہرِ کیست ایں
گفت مشقِ نام لیلیٰ می کنم — خاطرِ خود را تسلی می دہم

یعنی اگر مُسمّےٰ میسّر نہیں تو اسم ہی سہی۔ جب نفسانی کیفیت کی یہ حالت ہے تو خدا تعالےٰ کی محبّت کی کیا حالت ہوگی ؎

عشق مولےٰ کے کم از لیلےٰ بُود — گوئی گشتن بہرِ او اولی بُود

کیا خدا کی محبّت لیلےٰ کی محبت سے بھی کم ہے۔ اُس کے واسطے تو بہانہ کافی ہے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر شریف ہے کہ اُس کے واسطے کسی اہتمام کی کیا ضرورت ہے وہ تو ہر بات میں آجانا چاہئے۔ نیز اس کی بھی کیا ضرورت ہے کہ اگر بیان ہو تو صرف ولادت شریفہ اور معجزات ہی کا بیان ہو۔ آپ کی تو ہر ہر بات ذکر کے قابل ہے۔ نشست و برخاست اخلاق و عادات۔ مجاہدات و ریاضات۔ افعال و احکام۔ اوامر و نواہی۔ مگر بات یہ ہے کہ انسان کا نفس راحت طلب ہے۔ جس بات میں کچھ کرنا پڑتا ہے اُس سے جان چراتا ہے تو ہر ہر بات کے تذکرہ میں چونکہ احکام پر بھی عمل کرنا پڑتا اس لئے اس کو بالکل ترک کر دیا۔ کانپور میں مجھ سے ایک شخص کہنے لگے کہ لوگوں نے مولود شریف کے مٹانے کا ایک اور بھی طریقہ ایجاد کیا ہے کہ اُس میں نماز روزہ وغیرہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اللہ اکبر بتلایئے کہ جو لوگ نماز وغیرہ کے تذکرہ کو حضورؐ کے ذکر کا مٹانا کہیں کیا وہ محبِ رسول ہیں؟ صاحبو یہ سب امور بھی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا ذکر ہیں۔ حضرت مولانا فضل الرحمان صاحب علیہ الرحمۃ سے مولود کی بابتہ پوچھا گیا۔ فرمایا کہ میاں ہم تو ہر وقت ذکر مولد کرتے ہیں۔ کیونکہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتے ہیں۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا نہ ہوتے تو ہم یہ کیوں پڑھتے

ذکر ولادت و دیگر حالات حضور کے مساوی درجہ میں ہیں۔

۱ محبوب کا غصہ اور خفگی بھی محبوب ہوتی ہے

غرض آپ کا ذکر تو ہر وقت ہی ہونا چاہئے۔ پھر آپ کی ہر ادا کا ذکر ہونا چاہئے۔ حتیٰ کہ آپ کے غصہ اور خفگی کا بھی ذکر ہونا چاہئے۔ محبوب کی تو خفگی اور تیزی بھی محبوب ہوتی ہے۔ کسی نے کہا ہے ؎

تم کو آتا ہے پیار پر غصہ ۔۔۔ ہم کو غصہ پہ پیار آتا ہے

۲ حضرت ابوذر کی محبت کی حکایت

محبت وہ چیز ہے کہ واللہ العظیم اگر حضور کے غصہ اور عتاب کا بھی ذکر ہو تو مزے لے کر ذکر کریں صحابہ کرامؓ نے اس راز کو سمجھا تھا اور محبت کی یہ دولت اُن حضرات کو نصیب تھی حضرت ابو ذر غفاریؓ اکثر آزادی سے پوچھتے تھے۔ اور ان کے مزاج میں تحقیق کا مادہ تھا۔ اور وہ ذرا آزاد تھے۔ لیکن یہ اُن کا حال تھا۔ اُن پر اس سے ملامت بھی نہیں ہو سکتی۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

گفتگوئے عاشقاں در کار رب ۔۔۔ جوشش عشق است نے ترک ادب

بے ادب ترنیست زو کس در جہاں ۔۔۔ باادب ترنیست زو کس در جہان

باادب تو اس لئے کہ جان و مال سے حاضر ہے۔ اور بے ادب اس معنی کر کہ اُس کے الفاظ ذرا بے ٹھکانے ہوتے ہیں۔ غرض حضرت ابو ذر غفاریؓ ایک حدیث کے متعلق بار بار دریافت کر رہے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیسری بار میں فرمایا کہ وَاِنْ رَغِمَ اَنْفُ اَبِیْ ذَرٍّ یعنی تمہارا جی چاہے یا نہ چاہے مگر اسی طرح ہوگا۔ حدیث یہ تھی کہ جو شخص لا الٰہ الا اللہ کہہ لیگا وہ جنت میں داخل ہو جاویگا۔ اور حضرت ابوذرؓ کو اسی لئے تعجب ہوا کہ انھوں نے نفس ایمان لانے پر دخول اولی کو مرتب سمجھا تو حضرت ابو ذر غفاریؓ کی یہ حالت تھی کہ جب کہیں اس حدیث کو ذکر کرتے تھے وہیں پیار میں آ کر مزے لینے کو یہ بھی کہتے تھے کہ وَاِنْ رَغِمَ اَنْفُ اَبِیْ ذَرٍّ۔

۳ حضرت شاہ ابوالمعالی کی حکایت

حضرت شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید حج کو گئے اُنھوں نے فرمایا کہ جب مدینہ جاؤ تو روضۂ اقدس پر میرا بھی سلام عرض کرنا چنانچہ اُنھوں نے عرض کیا وہاں سے ارشاد ہوا کہ اپنے بدعتی پیر سے ہمارا بھی سلام کہنا۔ بدعتی اس لئے فرمایا کہ اُن سے بعض باتیں بصورت بدعت صادر ہوتی تھیں۔ اگرچہ واقع میں وہ بدعت نہ تھی۔ یعنی کسی معذوری کی وجہ سے اُن سے بعض افعال ظاہر سنت کے خلاف صادر ہو جاتے تھے۔ تو یہ جب واپس آئے تو حضرت شاہ ابوالمعالی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ ہمارا سلام بھی

کہا تھا۔ انھوں نے عرض کر دیا کہ میں نے عرض کر دیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ اپنے پیر سے ہمارا اسلام کہدینا۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ وہی لفظ کہو جو وہاں سے ارشاد ہوا ہے۔ مرید نے عرض کیا کہ حضرت جب آپ کو وہ لفظ معلوم ہے تو پھر میرے ہی کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ نیز میں وہ لفظ کیسے عرض کروں آپ نے فرمایا کہ گو معلوم ہے مگر سُننے میں اور ہی مزا ہے۔ اور میاں تم خود نہیں کہتے وہ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے تو گویا وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی زبان سے ادا ہو گا۔ آخر انھوں نے وہی لفظ ادا کر دیا۔ بس اُن کی یہ حالت ہوئی کہ وجد میں کھڑے ہو گئے۔ اور بے ساختہ یہ شعر زبان پر جاری تھا کہ ؎

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی جوابِ تلخ می زیبد لبِ لعلِ شکر خارا

وجد کرتے تھے اور اس شعر کو پڑھتے تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ محبت وہ چیز ہے۔ جس کے آثار کی نسبت میں نے پہلے کہا ہے ؎

تم کو آتا ہے پیار پر غصہ ہم کو غصہ پہ پیار آتا ہے

اسی لئے اگر حضور ناخوش بھی ہوتے تھے تو صحابۂ کرام اُس کا بھی ذکر لذت لے کر فرماتے تھے کیوں؟ اسی لئے کہ از محبّت تلخہا شیریں بود۔ تو اگر کسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبّت ہو تو کیا وہ ذکر مولد میں نماز و روزہ کے ذکر کو ناگوار سمجھے گا۔ ہرگز نہیں۔ صاحبو حضور کا تو اُٹھنا بیٹھنا۔ سونا۔ جاگنا حتیٰ کہ حوائج ضروریہ میں مشغول ہونا سب عبادت ہے۔ بلکہ ذکر ولادت سے بھی زیادہ برکت کی چیز ہے۔ یہ احکام اور افعال کا ذکر کرنا اس واسطے کہ حضور کی ولادت شریفہ تو محض ایک ہی حیثیت سے ایک نعمت عظیمہ ہے۔ جس پر شکر کر کے ہم اپنے درجات بڑھائیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افعال و احکام دو حیثیتوں سے نعمت ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ آپ کی بدولت ہم کو ملے تو اس عطا پر شکر کریں اور اپنے درجات بڑھا دیں۔ دوسرے اس حیثیت سے کہ ہم اُن پر عمل کریں۔ اور عمل کر کے قرب الٰہی حاصل کریں۔ نیز تمام شریعت سے غرض یہی ہے کہ ہم اُس پر عمل کریں۔ اور قرب خداوندی ہم کو حاصل ہو۔ اور یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تمام عمر میں اپنی ولادت شریفہ کا ذکر تو بہت ہی کم کیا۔ اور احکام کا ذکر بہت

محبوبیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم

افضلیت و ترجیح ذکر افعال و احکام بر ذکر ولادت

زیادہ کیا۔ یعنی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے تیئیس سال تک تبلیغ احکام فرمائی ہے۔ ان تیئیس سال میں سے اگر وہ تین سال بھی نکال دیئے جاویں جن میں وحی مؤخر رہی ہے تو تمام مدت تبلیغ بیس سال ہوتے ہیں۔ ان بیس برس میں تتبع کر کے دیکھا جاوے تو معلوم ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے اپنی ولادت شریفہ کا جتنے وقت میں ذکر فرمایا ہے اُس کی مجموعی مدت غالباً ایک ہفتہ بھی نہیں ہوگا اور اگر ایک ہفتہ بھی مان لیا جاوے تو ذکر ولادت اور ذکر احکام میں یہ نسبت ہوگی کہ ایک ہفتہ کم بیس سال تک تو احکام کی تبلیغ فرمائی اور صرف ایک ہفتہ ولادت شریفہ کا ذکر فرمایا۔ تو کیا اتباع سنت کے یہی معنی ہیں کہ جس چیز کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیس برس تک ذکر فرمایا ہے۔ اُس کو تو بیس منٹ بھی کبھی ذکر نہ کیا جاوے۔ اور جس کا ذکر تمام مدت تبلیغ میں چند مرتبہ ہی فرمایا ہے۔ اُس کو عمر بھر ذکر کیا جاوے اتباع سنت تو یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مدت العمر میں جس قدر اپنی ولادت شریفہ کا ذکر فرمایا ہے اُسی قدر تم بھی ذکر ولادت کرو اور جتنا احکام کا ذکر فرمایا ہے۔ اُسی قدر تم بھی احکام کا ذکر کرو۔ مگر بات یہ ہے کہ ذکر ولادت میں تو آسانی ہے کہ زبان سے ذکر کر لیا اور اُس میں کھڑے ہو گئے۔ اور اگر کسی متبع سنت نے اسمیں احتیاط سے کام لیا تو اُس پر ملامت کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ کہیں اُس کو وہابی کہنا شروع کر دیا۔ کہیں تکفیر کر دی۔ میں کھڑے ہونے کو فی نفسہ منع نہیں کرتا۔ لیکن یہ بھی سمجھ لو کہ اس کی حقیقت کیا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک وجد ہے اور وجد ہوتا ہے واردات پر تو بغیر کسی وارد کے وجد کی صورت بنانا نہایت درجہ تصنع ہے محققین نے یہاں تک احتیاط کی ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ کی مجلس میں ایک شخص کے مُنہ سے بآواز بلند لفظ (اللہ) نکل گیا آپ نے فرمایا کہ آہستہ کہو۔ تھوڑی دیر کے بعد اُس نے پھر اسی طرح کہا (اللہ) آپ نے فرمایا کہ اُسکو مجلس سے اُٹھا دو۔ کیونکہ آپ کو معلوم ہو گیا تھا کہ یہ شخص بدون مغلوبیت کہہ رہا ہے حضرت جنیدؒ کی مجلس میں ایک خوش آواز نے ایک شعر پڑھ دیا۔ اُس کو سنکر ایک صوفی کو وجد شروع ہوا۔ لیکن جنیدؒ اسی طرح بیٹھے رہے۔ ایک شخص نے پوچھا کہ حضرت آپ کو وجد نہیں ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ

یہاں تم سمجھتے ہو کہ ہم کو حرکت نہیں ہوئی۔ حالانکہ ہم خدا جانے کہاں سے کہاں پہونچ گئے ہیں۔ مگر وہ حرکت تم کو محسوس نہیں ہوئی۔ اور یہ کیا ضرور ہے کہ اگر کوئی وارد ہو تو اُس کو ظاہر ہی کر دیا جاوے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایکبار وعظ بیان فرمایا۔ بعضوں نے متاثر ہو کر کپڑے پھاڑ ڈالے۔ اُسی وقت وحی نازل ہوئی کہ اُن سے فرما دیجئے کہ دلوں کو پھاڑو۔ کپڑے پھاڑنے سے کیا ہوتا ہے۔ مگر اس سے سب کپڑے پھاڑنے والوں پر اعتراض مقصود نہیں۔ اس کا بھی ایک درجہ ہے۔ حضرت شیخ شیرازیؒ فرماتے ہیں ؎

مکن عیب درویش حیران و مست کہ غرق است ازاں می زند پا و دست

بہ تسلیم سر در گریباں برند چو طاقت نماند گریباں درند

کہ جب بالکل از خود رفتہ ہو جاتے ہیں تو کپڑے پھاڑ ڈالتے ہیں۔ اب یہ تھوڑا ہی جائز ہو گا کہ خواہ مخواہ کپڑے پھاڑنے شروع کر دے۔ جیسے کانپور میں ایک صاحب نے کسی کے مکان پر مولد پڑھا۔ آپ کے پاس کُرتہ پُرانا تھا جی چاہا کہ نذرانہ کے ساتھ صاحب خانہ سے ایک کُرتہ بھی وصول کریں۔ آپ نے بیان کرتے ہوئے ایک موقع پر پہونچکر نہایت زور سے ایک وجدی حالت پیدا کی اور کُرتہ پھاڑ ڈالا۔ آخر صاحب خانہ نے نذرانہ بھی دیا اور شرم کے مارے ایک نیا کُرتہ بھی بنا دیا اب بتلائیے کہ ہم اب بھی اگر منع نہ کریں تو کیا کریں ؎

اگر بینم کہ نابینا و چاہ است وگر خاموش بنشینم گناہ است

ایسے ہی لوگوں کی حالت دیکھ کر ہماری زبان کھلتی ہے اور ہم کو مجبور ہو کر منع کرنا پڑتا ہے بعض خیر خواہ کہتے ہیں کہ اس میں گفتگو کرنے سے عوام میں بدنامی ہوتی ہے۔ مگر آخر کب تک بدنامی کے خوف سے خاموش رہیں گے۔ خاموشی ہی کی بدولت تو یہ منکرات بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ اہل حق کا ملامت و بدنامی کے باب میں یہ مذہب ہونا چاہئے کہ ؎

ساقیا برخیز و در دہ جام را خاک بر سر کن غم ایام را

گرچہ بدنامی است نزد عاقلاں ما نمی خواہیم ننگ و نام را

حضرت بایزید بسطامیؒ بدنامی سے نہ ڈرے۔ حضرت منصور نہ ڈرے۔ اور بضرورت غلبہ حال کیا کیا کہا مگر سب نے اُن کے اقوال کی تاویل کی تو علماء جو بضرورت علیہ اصلاح شریعت کے موافق

کہتے ہیں۔ اُن پر کیوں ملامت ہوتی ہے اور اُن کے قول کو قبول کیوں نہیں کرتے غرض ہم نفس قیام کو منع نہیں کرتے۔ مگر قیام حرکت وجدیہ ہے اور یہ وارد پر ہوتی ہے۔ تو اگر کوئی شخص وارد کے غلبہ سے مضطر ہو جاوے تو اُس کو جائز ہے مگر یہ یاد رہے کہ وہ اضطرار کسی خاص مضمون کے ساتھ مخصوص نہ ہوگا۔ اور ابتدا قیام اس کی اس طرح ہوتی ہے کہ ایک شخص مضطر ہوکر کھڑا ہو گیا اس کی حالت کی تائید میں اور اُس حالت مستحسنہ کو باقی رکھنے کے واسطے حاضرین مجلس بھی کھڑے ہو گئے۔ اور اس کو علامہ غزالی نے لکھا ہے۔ کہ اگر ایک شخص وجد سے کھڑا ہو جاوے تو اُس کے ساتھ سب کو کھڑا ہو جانا چاہئے۔ کیونکہ اُس کی تانیس اور اسکی حالت کا ابقاء ہے۔ علیٰ ہذا حضرت شیخ گنگوہیؒ نے فرمایا ہے۔ کہ جس شخص کو کوئی کیفیت ہو وہ کیفیت خدا تعالیٰ کا مہمان ہے۔ اُس کی قدر کرو۔ اور اُس کی قدر میں یہ بھی داخل ہے کہ کوئی ایسی حرکت نہ کرو کہ جس سے اُس کا دل بجھ جاوے اور وہ کیفیت جاتی رہے۔ غرض صوفیہ نے اُس کی حالت کو محفوظ رکھنے کے لئے ایسا کیا ہے۔ لیکن مجلس بھر میں اول جو شخص کھڑا ہوگا اُس کو ہرگز جائز نہیں کہ وہ مکر کرے۔ میں قصبہ شاہجہانپور میں ایک صوفی سے ملا ہوں کہ وہ سماع سنتے تھے۔ مگر مکار و متصنع نہ تھے۔ اور اُن میں یہ بات نہایت غنیمت تھی کہ وہ مسائل کو علماء سے پوچھ لیتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ سماع سنتے تھے کہ مجلس میں ایک شخص نے کھڑے ہو کر چٹکیاں بجانی شروع کردیں۔ انھوں نے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ پھر اٹھا اور پھر چٹکیاں بجانی شروع کر دیں۔ انھوں نے پھر بٹھلا دیا۔ تیسری مرتبہ وہ پھر اُٹھا تو انھوں نے مجلس سے نکلوا دیا۔ غرض محققین صوفیہ اس کا بہت خیال کرتے تھے۔ غرض یہ قیام کی ابتدا یوں ہوئی کہ اول کسی کو وجد ہوا۔ پھر بلا وجد ہی اس کو رسم کر لیا۔ اور ہم اس رسم ہی کو منع کرتے ہیں۔ حالت کو منع نہیں کرتے۔ کیونکہ حالت تو غیر اختیاری ہے۔ اُس کو کیونکر منع کیا جا سکتا ہے۔ شیخ شیرازیؒ اُسی کو کہتے ہیں ؎

مکن عیب درویش حیران و مست — کہ غرق است ازاں میزند پا و دست

ایسے شخص پر کون اعتراض کر سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ مگر ایسے کتنے ہیں۔ آپ سو پچاس مولودیوں کو دیکھئے تو وہاں ایک بھی ایسا نہ ملیگا۔ اور اگر ہوں گے بھی تو بمشکل ایک دو۔ باقی سب

خشک۔ اور میں توسع کرکے کہتا ہوں کہ اگر یہ فعل[ف۱] صرف رسم کے مرتبہ میں رہتا تب بھی خیر ممکن تھا کہ اس پر خاموشی کی جاتی۔ مگر اب تو یہ غضب ہے کہ اس سے اعتقاد بھی خراب ہونے لگا ہے یعنی بعض لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لاتے ہیں۔ حالانکہ اس پر کوئی دلیل قائم نہیں ہے۔ اور اگر دلیل میں کسی کا کشف پیش کیا جاوے تو اول تو ممکن ہے کہ کشف صحیح نہ ہو۔ دوسرے اگر کشف صحیح بھی ہو تو اُس کا خلاصہ یہ ہوگا۔ کہ کسی مجلس خاص میں کسی صاحب کشف کو ایسا مکشوف ہُوا تو اس سے دوام پر کیونکر استدلال ہو سکتا ہے۔ اور یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ جب ایسا ہوگا تو ایسا بھی ہوگا۔ یعنی جب مولد ہوگا تشریف آوری بھی ضرور ہوگی۔ لزوم اور دوام کے لئے تو کسی مستقل دلیل کی ضرورت ہے (واذ لیس فلیس) تو یہ اعتقاد بے بنیاد اور خلاف شریعت ہُوا تو اس کی اصلاح واجب ہوئی اور بعض[ف۲] لوگوں کا یہ اعتقاد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف تو نہیں لاتے لیکن اس ذکر کے وقت جو شخص قیام نہ کرے وہ بے ادب ہے۔ لہذا قیام کرنا چاہیئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث شریف میں ہے صحابہ ارشاد فرماتے ہیں کہ كُنَّا لَا نَقُوْمُ لَهٗ لِمَا كُنَّا نَعْرِفُ مِنْ كَرَاهِيَّتِهٖ لَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تو کیا کوئی شخص ایسی جرأت کر سکتا ہے کہ صحابہ کرام کو گستاخ کہے (نعوذ باللہ) جب خود مذکور کے قرب کے وقت ترک قیام بالاذن بے ادبی نہیں تو ذکر شریف کے وقت وہ خلاف ادب کیسے ہوگا۔ نیز اگر حضور کے ذکر مبارک پر قیام نہ کرنا ترک ادب ہے تو میں دعویٰ کرتا ہوں کہ جتنے مثبتین قیام و مدعیان محبّت ہیں سب کے سب بے ادب ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ صرف اُسی مجلس خاص میں حضور کے ذکر پر قیام کرتے ہیں۔ اور دوسرے مواقع پر جو آپ کا ذکر مبارک ہوتا ہے جیسے مثلاً اب میں ذکر کر رہا ہوں تو ان میں سے ایک بھی قیام نہیں کرتا۔ غرض لوگوں نے اس میں یہ غلو کر لیا ہے۔ اسی لئے اس کی اصلاح ضروری ہے۔ یہ تحقیق تھی قیام کی باقی ذکر ولادت شریفہ کی نسبت میں عرض کر چکا ہوں کہ جب ذکر ولادت شریفہ سے زیادہ ذکر احکام موجب برکت ہے تو اُن کا ذکر کیوں نہیں کرتے۔ صاحبو یہ[ف۳] سب ذکر رسول ہی ہیں ؎

ہر چہ بینم در جہاں غیر تو نیست
یا توئی یا خوئے تو یا بوئے تو

ایک شاعر نے کہا ہے ؎

گلستاں میں جاکر ہر اک گُل کو دیکھا ۔ نہ تیری سی رنگت نہ تیری سی بو ہے

مگر اس میں ایک صاحب حال نے اصلاح دی ہے ؎

گلستاں میں جاکر ہر اک گُل کو دیکھا ۔ تری ہی سی رنگت تری ہی سی بو ہے

مُصلح کا مطلب یہ ہے کہ شاعر تو نابینا تھا اُس کو نظر نہ آیا حالانکہ وہاں ہر ایک سے تیرا ہی جلوہ نظر آرہا ہے۔ اسی کو فارسی میں کہا ہے ؎

ہر چہ بینم در جہاں غیر تُو نیست ۔ یا توئی یا خوئے تو یا بوئے تو

تو اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبّت ہے تو جیسا ذکر ولادت آپ کا ذکر ہے ایسا ہی لا تقربوا الزنیٰ انّہٗ کان فاحشۃ بھی آپ کا ذکر ہے اور قل للمومنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم بھی آپ ہی کا ذکر ہے اور اقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ بھی آپ ہی کا ذکر ہے مگر بات یہ ہے کہ ایک جگہ تو کرنے کا کام ہے وہ نفس پر گراں گذرتا ہے اور دوسری جگہ کچھ کرنا نہیں پڑتا۔ اور چلتے وقت نذرانہ ملتا ہے۔ اور بہت سا مٹھائی کا حصہ ملجاتا ہے۔ صاحبو یہ محبّت تو ایسی ہے جیسے سفر میں ایک شخص کی رفاقت تھی کہ اُس کے رفیق نے کھانا تیار کرنے کی نسبت جب کسی کام کو کہا تو اُس نے کوئی نہ کوئی عذر کر دیا۔ سب سے اخیر میں جب کھانا تیار ہو چکا تو اُس کے ساتھی نے کہا کہ یہاں آؤ کھانا تو کھالو کہنے لگا کہ مجھے انکار کرتے ہوئے بہت دیر ہو گئی ہے۔ اب ہر بات میں انکار کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ تم کہوگے کہ سخت نافرمان آدمی ہے۔ کہ کسی بات کو بھی نہیں مانتا لاؤ خیر کھانا تو کھا ہی لوں۔ بس جیسی یہ رفاقت تھی کہ مشقت میں عذر اور حظ نفس میں موافقت ایسی ہی یہ محبت ہے کہ مشقت کی چیزوں کا تو ذکر نہیں اور جس میں نفس کی خوشی تھی اُس میں سرخرو ہو گئے تو جناب اگر محبّت رسولؐ اس کا نام ہے تو ایسی محبت کو سلام ہے۔ محبت تو یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں کسی مقام پر تشریف لے گئے۔ وہاں جاکر دیکھا کہ ایک مکان قبہ دار گچ سے بنا ہوا ہے آپ نے دیکھ کر دریافت فرمایا کہ یہ کس کا مکان ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ فلاں شخص کا ہے آپ سنکر خاموش ہو رہے۔ دوسرے وقت جب اُس گھر کے مالک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری طرف رُخ پھیر لیا

تمام احکام ذکر مولود شریف میں داخل ہیں مگر لوگوں نے صرف ایک کو اختیار کر لیا ہے

اصل مولود کی محبت رسول کی مثال

آگ معمولی گھر کی بابت بھی اس کی حکایت

وہ دوسری طرف سے حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا تو آپ نے اُدھر سے بھی رُخ پھیر لیا۔ آخر اُنھوں نے دوسرے صحابہؓ سے دریافت کیا کہ آج کیا بات ہوئی۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اور تو کچھ ہم کو معلوم نہیں اتنا معلوم ہے کہ آج حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہارے مکان کو دیکھا تھا اُس وقت سے خاموش ہیں۔ گو صحابہؓ کا گمان ہی تھا۔ مگر ان بزرگ عاشق نے صرف گمان ہی پر اتنا سنتے ہی فوراً جاکر تمام مکان کو گروادیا۔ گویا بزبان حال یہ کہتے تھے ؎

ہرچہ از دوست دامانی چہ کفر آں حرف وچہ ایماں ہرچہ از یار دور افتی چہ زشت آں نقش و چہ زیبا

اور یہ کہتے تھے ؎

ہرچہ جز ذکر خدائے احسن است گر شکر خواری است آں جاں کندن است

اور عجیب تر لطف اُس محبت کا یہ دیکھئے کہ اس کو گراکر جتلایا تک نہیں۔ اور کیوں جتلائیں۔ اگر مکان گرادیا تو آپ پر کیا احسان کیا۔ آخر جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ خود ہی اُس طرف تشریف لے گئے اور وہاں مکان نہیں پایا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ وہ مکان کیا ہوا۔ اور صحابہؓ نے عرض کیا حضور فلاں شخص نے اُسی روز اسکو گروادیا تھا۔ تب آپ کو خبر ہوئی اور اُس وقت آپ نے تعمیر کے تکلفات کی مذمت بیان فرمائی۔ حضرات[1] محبت تو یہ ہے کہ انسان اپنے مال اور جان سب کو فدا کردے۔ نہ یہ کہ خالی مزہ دار حکایات بیان کرے اور بس۔ اب ربیع الاول کا مہینہ ہے۔ اسمیں بہت جگہ مولود ہوا ہوگا ان لوگوں سے کوئی پوچھے کہ تم نے اپنے حظ کو تو محفوظ رکھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسلام پر جو اسوقت سخت مصیبت آرہی ہے۔ اور وہ ڈانواڈول ہورہا ہے۔ اُس کی تم نے کیا مدد کی۔ اُس کو کیا سہارا پہنچایا۔ افسوس[2] ہے کہ امسال بجائے اس مہم امداد اسلام کے بعض مقامات پر محض عید میلاد النبی کے منانے کو مٹھائی کے واسطے چھ سو روپیہ کا چندہ ہوا۔ ایک وہ مسلمان ہیں کہ اسلام کی خدمت میں اپنی گردنیں کٹا رہے ہیں اور ایک یہ ہیں کہ ان کو مٹھائی کھانے کی سوجھ رہی ہے۔ ہماری وہ حالت ہے کہ ؎

اے ترا خارے بہ پا نشکستہ کے دانی کہ چیست حال شیرانی کہ شمشیر بلا بر سر خورند

اسی بےحسی اور بےتمیزی کی حالت کو دیکھ کر کسی نے پریشان ہوکر کہہ دیا ہے کہ ؎

[1] سچی محبت کے آثار

[2] رسم جدید عید میلاد النبی اور اُس کے مقاصد

اے بسرا پردۂ یثرب بخواب — خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

پھر غضب یہ کہ اُس چھ سو روپیہ کو مٹھائی میں بھی صرف نہیں کیا بلکہ اُس سے مسجد کو سجایا گیا جس میں بیان تھا۔ اور سجایا بھی ہندوؤں کی طرز پر۔ اس میں ایک چھتر بنایا گیا جھاڑ لٹکائے گئے۔ بہر حال اُس مسجد کو ایسا بنایا جیسا معلوم ہو کہ کسی ہندو نے اپنے گھر کو سجایا ہے۔ کیا اس کو محبت کہیں گے۔ ہاں محبت تو ہے مگر اپنے ہی نفس کی۔ اُن سے قسم دیکر پوچھا جاوے کہ اگر اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہوتے۔ اور آپ سے دریافت کیا جاتا کہ یہ چھ سو روپیہ ہم مٹھائی میں صرف کر دیں یا آپ کے جانبازوں پر لگا دیں تو کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ رائے دیتے کہ مٹھائی میں صرف کر دو۔ صاحبو کیا کسی دردمند کو ایسے وقت میں مٹھائی کا کھانا بھلا معلوم ہو سکتا ہے۔ ہائے کس مُنہ سے ایسی حالت میں بھی لوگوں سے مٹھائی کھائی جاتی ہو گی۔ کیسی بے حسی ہے۔ کتنا بڑا ظلم ہے۔ اور پھر غضب یہ ہے کہ یہ لوگ دعویٰ محبت کرتے ہیں۔ کیوں صاحب آپ نے تو مولود شریف کیا۔ اور بزرگوں نے اپنی جان لڑائی تو کون شخص محب رسولؐ ہوا آپ نے ساری محبت کا خلاصہ یہ نکالا ہے کہ سال بھر میں ایک دفعہ مولود کر لیا۔ صاحبو ف۱ ہمارے جی کو تو یہ محبت نہیں لگتی۔ بلکہ واقع میں اُن کے جی کو بھی نہیں لگتی مگر رسم اور اہل حق کی ضد نے مجبور کر رکھا ہے۔ حتیٰ کہ ایک صاحب ف۲ نے ایک اہل حق کی نسبت یہ کہا تھا۔ کہ میں اُن کا اس قدر مخالف ہوں کہ اگر یہ کسی چیز کو حلال کہیں گے تو میں اُس کو حرام کہوں گا۔ اور بالعکس اُن اہل حق نے جواب میں کہا کہ میں تو ماں سے نکاح کرنے کو حرام کہتا ہوں اب آپ اُس کو حلال کہئے۔ اور میں تو کلمہ شہادت کو حلال کہتا ہوں آپ حرام کہئے وہ مدعی صاحب تو دم بخود رہ گئے۔ مگر چند روز کے بعد اُن کے ایک شاگرد صاحب پیدا ہوئے کہ میرے استاد کے قول کا مطلب ہی نہیں سمجھے تھے۔ اُن کا مطلب یہ تھا کہ اپنی طرف سے جس کو حلال یا حرام کہیں گے۔ سبحان اللہ کون مسلمان ہے کہ وہ اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال یا حرام کہہ دیگا۔ علیٰ ہذا ایک اور قصہ ضد کا مجھے یاد آیا کہ دہلی میں ایک شخص نے حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ کی بھی دعوت کی اور بعض اُن کے مخالفین کی بھی۔ اور ہر ایک کو دوسرے کی خبر نہیں ہونے دی۔ جب سب جمع ہو گئے اور کھانا سامنے آیا تو میزبان نے کہا کہ صاحب

ف۱ اہل بدعت کو اہل حق کی ضد نے مجبور کر رکھا ہے

ف۲ اہل حق سے ایک ضد کرنے والے کی حکایت

یہ شیخ سدو کا بکرا ہیں نے پکایا ہے۔ اب جس کا جی چاہے کھائے اور جس کا جی چاہے نہ کھائے۔ شاہ اسحٰق صاحبؒ تو شیخ سدو کے بکرے کو حرام فرماتے تھے۔ انھوں نے ہاتھ کھینچ لیا۔ اور ان کے ساتھ اُن کے مخالفین نے بھی ہاتھ کھینچ لیا۔ صاحب خانہ نے اُن سے پوچھا کہ آپ تو اس کو جائز کہتے ہیں آپ نے کیوں ہاتھ روکا۔ کہنے لگے کہ بھائی ہے تو حرام ہی مگر ان کی ضد میں اس کو حلال کہدیتے ہیں۔ لیکن یہ بھی اسی زمانہ کے لوگ تھے۔ آج تو ہرگز بھی اس کا اقرار نہ کریں بلکہ حرام بھی کھا جائیں۔ اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ اُن کو حظ نہیں ہے مگر وہ اسی لئے مولود کرتے ہیں کہ سال بھر تک برکت رہیگی۔ رشوت لیں گے تو اُس کا وبال نہ ہوگا۔ حتیٰ کہ رنڈیاں تک مولود کراتی ہیں۔ جن کو کچھ بھی مناسبت دینی اعمال سے نہیں ہے۔ اور بعض لوگ محض اسی لئے مولود کراتے ہیں کہ اس کی بدولت کسی تقریب میں رونق ہوجاویگی۔ چنانچہ کانپور میں ایک صاحب نے اپنے لڑکے کی شادی کی اور اس میں ناچ کرانا چاہا لیکن چونکہ بعض احباب اُن کے ایسے بھی تھے کہ وہ ناچ میں شریک ہونا پسند نہ کرتے اس ضرورت سے رونق مجلس پوری کرنے کو انھوں نے مولود بھی کرایا۔ چنانچہ پہلے مولود ہوا اور اگلے دن اُسی جگہ رنڈی کا ناچ ہوا۔ اب بتلائیے کہ جب یہاں تک نوبت پہونچ جائے تو کیونکر خاموشی اختیار کی جاسکتی ہے۔ غرض محبت کی علامت میں نے بتلادی کہ محبوب کی ہر بات کا ذکر ہو۔ ولادت شریفہ کا بھی۔ رضاعت کا بھی۔ آپ کی سخاوت کا۔ عادات کا۔ اور عبادات کا۔ اور اس میں نہ کسی مہینہ کی تخصیص ہے نہ کسی مقام کی۔ پس میں بھی اس وقت ربیع الاول کی تخصیص سے یہ ذکر نہیں کررہا ہوں۔ گو اگر یہ تخصیص رسم لازم کے درجہ میں نہ پہونچتی تو اس تخصیص عملی کا بھی مضائقہ نہیں تھا لیکن اب تو اس عارض لزوم علمی یا عملی کی وجہ سے اس کو اصلا پسند نہیں کرتا یعنی ایسے شخص کے لئے بھی پسند نہیں کرتا جو معتقد لزوم کا نہ ہو کیونکہ نہ خود اس کے لئے یا کسی دوسرے کے لئے اُس لزوم تک مفضی ہوجاویگا۔ اور اس ناپسندیدگی اور ممانعت کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی طبیب مریض کو دو تولہ مصری کی بھی اجازت اس اندیشہ سے نہیں دیتا کہ مبادا یہ بجائے دو تولہ کے چار تولہ استعمال کرلے۔ اور پھر تکلیف اُٹھائے۔ غرض ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ بلا تخصیص لازم کے اس ماہ میں بھی جائز ہے۔ لیکن اجازت نہ دیجاویگی۔ کیونکہ

بعض لوگ مجلس ولادت سے محظوظ نہیں ہوتے بلکہ محض برکت کیلئے کرتے ہیں

بعض لوگ رونق تقریب کے لئے مولود کراتے ہیں

ہمارا مسلک اعتقاد و عمل کے بارہ میں

مطلقاً اجازت دینے سے آیندہ پھر اعتقاد کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔ بس یہ ہے ہمارا مسلک اب اس کے سن لینے کے بعد ہم پر جس کا جو جی چاہے تہمت لگائے۔ غرض اس وقت ذکر کی یہ وجہ نہیں ہے کہ تخصیص زمانہ کی مقصود ہے۔ بلکہ دو وجہ ہیں ایک یہ کہ اس وقت مختلف اطراف سے طاعون کی خبریں آرہی ہیں۔ طاعون کا ایک متبرک علاج منجملہ اور علاجوں کے ذکر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بھی ہے۔ اور یہ علاج تجربہ میں آیا ہے۔ یعنی میں نے ایک کتاب نشر الطیب لکھی ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات میں۔ اُس کے لکھنے کے زمانہ میں خود اس قصبہ میں طاعون تھا۔ تو میں نے یہ تجربہ کیا کہ جس روز اُس کا کوئی حصہ لکھا جاتا تھا۔ اُس روز کوئی حادثہ نہیں سنا جاتا تھا۔ اور جس روز وہ ناغہ ہو جاتی تھی۔ اُس روز دو چار اموات سننے میں آتی تھیں۔ ابتداء میں تو میں نے اُس کو اتفاق پر محمول کیا۔ لیکن جب کئی مرتبہ ایسا ہوا تو مجھے خیال ہوا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر مبارک کی برکت ہے۔ آخر میں نے یہ التزام کیا کہ روزانہ کچھ حصہ اُس کا ضرور لکھ لیتا تھا۔ آج کل بھی لوگوں نے مجھے طاعون ہونے کے متعلق اطراف وجوانب سے لکھا ہے تو میں نے اُن کو بھی جواب میں یہی لکھا ہے کہ نشر الطیب پڑھا کرو۔ مگر اُس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مجلس منعقد کی جاوے۔ اور اُس میں مٹھائی منگائی جاوے۔ اور ایک شخص بیٹھ کر پڑھے اور سب سنیں۔ کیونکہ ان التزامات میں تو علاوہ اور مذکورہ خرابیوں کے ایک یہ بھی کمی ہوگی کہ کبھی ہوگا کبھی نہ ہوگا۔ کیونکہ اس قدر التزامات کے ساتھ دوام مشکل ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ دوسرے وظائف کی طرح سے روزمرہ اس کا بھی وظیفہ مقرر کر لیا جائے۔ یہ نہیں کہ سال بھر میں ایک دو دفعہ مقرر تاریخوں پر کر لیا۔ اہل محرم کی طرح اور پھر سال بھر کروٹ بھی نہ لی۔ مجھے ایک حکایت یاد آئی کہ ایک شاعر حلب میں پہونچا۔ وہاں شہر کے شیعہ ماتم کر رہے تھے۔ اُس نے پوچھا آج کوئی مر گیا ہے۔ لوگوں نے کہا تو دیوانہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے تو شیعی نہیں۔ ارے یہ دن شہادت امام کا ہے۔ کہنے لگا اللہ اکبر یہاں آج اتنے دنوں کے بعد خبر پہونچی ہے۔ یا تم لوگ سوتے تھے۔ اسی طرح ہمارے ان مدعیان محبت

ے اور دوسری وجہ وعظ میں یاد نہ رہی تھی۔ گو وعظ میں اس کا بیان آگیا تھا۔ مگر اس عنوان سے نہ آیا تھا کہ دوسری وجہ یہ ہے مگر بعد وعظ کے اثنائے مضمون میں خطوط وجدانیہ میں اس کا اضافہ جامع سے کرا دیا گیا۔ چنانچہ عنقریب وہ مقام ملیگا۔ ۱۲ منہ

حضور کے ذکر کی ترغیب اور مولود وغیرہ کی غیر معتبر کتابوں سے گریز

رسول کی بھی یہی حالت ہے کہ سال بھر تک غافل رہتے ہیں۔ پھر چونکتے ہیں۔ میں تو کہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذکر ہر وقت کرو۔ اور ایسی کتاب اپنے وظائف کے ساتھ رکھو۔ مگر مولود غلام امام شہید یا اور غیر معتبر کتاب نہیں۔ اس قسم کی کتابیں تو بالکل بے ہودہ یا ہیں اور بعض میں اشعار ایسے خرافات بھرے ہیں کہ نعت کے اشعار میں بعض مضامین کفر تک پہنچ گئے ہیں نیز اُن کے پڑھنے والے بھی میں نے دیکھے ہیں کہ امرد پرست۔ تارک صلوٰۃ وصوم۔ آج کل کچھ ایسا مذاق بگڑ گیا ہے کہ لوگوں کو اس قسم کے امور کی ذرا حس نہیں رہی میں ایک جگہ بیان کرنے کے لئے گیا۔ اُس روز اتفاق سے مجھے زکام ہو رہا تھا۔ بیان سننے کے بعد ایک صاحب نے یہ اعتراض کیا کہ خوش الحان نہیں ہے۔ میں نے دل میں کہا کہ بھائی میں ڈوم کا لڑکا نہیں ہوں کہ مجھ میں خوش الحانی ہوتی۔ خدا کا شکر ہے۔ میں ایک شریف کی اولاد ہوں مجھے خوش الحانی اور بد الحانی سے کیا واسطہ۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ اپنے ابتداء زمانہ میں اجمیر میں تشریف رکھتے تھے۔ وہاں ایک شخص شریف سید فن موسیقی میں کامل تھے۔ مولانا کو چونکہ ہر فن کی تحصیل کا شوق تھا۔ اسی لئے مولانا نے چندے اُن سے اس فن کے اصول کو سیکھا تھا۔ لیکن اللہ والے اگر کوئی معمولی نفع بھی کسی سے حاصل کرتے ہیں تو اس دوسرے کو بھی دینی نفع پہنچاتے ہیں۔ اس پر مجھے ایک اور حکایت مسموعی یاد آئی۔

حضرت سلطان جیؒ کی حکایت

حضرت سلطان نظام الدینؒ کی کہ آپ بیمار ہوگئے تھے حتیٰ کہ خدام کو بالکل مایوسی ہوگئی تھی۔ اُس زمانہ میں دہلی میں ایک شخص رہتا تھا کافر کہ وہ توجہ سے مرض کو سلب کر دیتا تھا۔ خدام نے آپ سے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو اس کو بلا لیں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ ہرگز نہیں۔ اسمیں سخت فتنہ ہوگا۔ اور میرا کیا ہے زندہ رہا رہا نہ رہا۔ اس کے بعد آپ کو پھر بیہوشی طاری ہوگئی۔ اسی حالت بیہوشی میں خدام آپ کو اُس کے گھر لے گئے۔ اُس کے لئے تو حضرتؒ کا تشریف لیجانا موجب فخر ہوگیا۔ فوراً اُس نے توجہ کی اور حضرت کا تمام مرض سلب کر دیا۔ اسی وقت حضرتؒ کو افاقہ ہوا۔ آپ نے دیکھا کہ میں ایک ملحد کے مکان میں ہوں اور مرض بالکل زائل ہوگیا ہے آپ سمجھ گئے اور خیال ہوا کہ هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ط اُس کو بھی اس نفع

کا صلہ دینا چاہیئے۔ آپ نے اُس سے پوچھا کہ میاں یہ کمال تم میں کس بات سے پیدا ہوا اُس نے کہا کہ صرف ایک بات سے۔ وہ یہ کہ میرے گرو نے کہدیا تھا کہ جس بات کو جی چاہے وہ نہ کرنا۔ بس میں یہی مجاہدہ کرتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ سچ کہنا کیا مسلمان ہونے کو جی چاہتا ہے۔ کہنے لگا کہ نہیں۔ فرمایا کہ پھر اُسی قاعدہ کے موافق مسلمان ہونا چاہیئے۔ کچھ تو حضرت کی توجہ کچھ اُس تعلیم کا خیال۔ وہ ایسا مغلوب ہوا کہ کچھ بن نہ پڑا۔ اور مسلمان ہو گیا اور حضرت کے ہاتھ پر بیعت ہو کر ساتھ ساتھ ہو لیا۔ غرض اللہ کے بندے ہر جگہ فیض ہی پہنچاتے ہیں۔ اسی طرح مولانا محمد یعقوب صاحب نے اُن سے سیکھا تو ہو گا ہفتہ دو ہفتہ ہی تک مگر اس کا یہ اثر ہوا کہ چند روز کے بعد اُن کی ہدایت کا سامان پیدا ہوا۔ اس طرح سے کہ اُن کے پاس ایک شخص آیا کہ وہ بھی اس فن میں ماہر تھا۔ اُس نے کچھ سُنانے کی فرمائش کی اُنھوں نے سُنایا۔ جب سُنا چکے تو وہ کہنے لگا کہ سبحان اللہ کیا گلا پایا ہے۔ یہ جملہ سُن کر اُن کو سخت غصہ آیا اور کہا کہ افسوس اتنی محنت کا یہ صلہ ملا کہ میری وہ تعریف کی گئی جو ایک ڈوم کی ہو سکتی ہے۔ اور عہد کیا کہ اس کے بعد پھر کبھی اس مہمل کام کے پاس بھی نہ جاؤں گا۔ پس مولانا کی برکت سے تائب ہو گئے اور اخیر راگ یہ دین کا رہا۔ تو آج کل لوگ خوش الحانی کو تلاش کرتے ہیں۔ چُنانچہ میرے بیان میں یہ عیب نکالا کہ خوش الحان نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ بھائی انسان تو ہوں۔ آواز مُنھ سے نکلتی ہے دوسرے کے کانوں تک پہنچ جاتی ہے۔ جو مضامین کی تبلیغ میں کافی ہے۔ میں خوش الحانی و بد الحانی کو کیا جانوں۔ اور مَیں تو اس کو بھی پسند نہیں کرتا کہ آواز کے درست کرنے کے لئے گلے پر حلوے باندھے جاویں۔ جیسا کہ آج کل بعض قراء کا معمول ہے۔ ممکن ہے کہ کسی کو یہ شبہ ہو کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ قرآن شریف خوش آوازی سے پڑھو اس لئے حلوا باندھتے ہیں۔ تو جناب جہاں یہ حدیث پڑھی ہے اُس کی تفسیر بھی تو پڑھی ہوتی اُسی حدیث میں راوی کہتے ہیں کہ خوش آوازی یہ ہے کہ پڑھتے ہوئے ایسا معلوم ہو کہ اُس کے دل میں خدا کا خوف بھرا ہوا ہے۔ اور اگر بلغم وغیرہ کا صاف کرنا مقصود ہے تو مَیں اُس کا ایک دوسرا طریق بتلاتا ہوں۔ اُس طریق سے صاف کرو۔ عشق خدا پیدا کرو۔ بلغم اور سب رطوبات خود خاکستر ہو جاویں گی۔ خوب فرمایا ہے ؎

عشق آں شعلہ است کہ چوں بر فروخت — ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت
تیغ لا در قتل غیر حق براند — در نگر آخر کہ بعد لا چہ ماند
ماند الا اللہ باقی جملہ رفت — مرحبا اے عشق شرکت سوز رفت

باقی اگر کوئی کہے کہ یہ تو ایک شاعرانہ نکتہ ہے اسکو بلغم سے کیا واسطہ تو سمجھو کہ یہ سب رطوبتیں ہیں اور محبت کی آگ میں زائد رطوبت نہ رہیگی۔ آپ نے کبھی کسی عاشق کو موٹا نہ دیکھا ہوگا۔ لیکن یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی عاشق قدرتی موٹا بھی نہ ہوگا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ کھا کھا کر بے فکری سے جو انسان پھول جاتا ہے وہ بات اسمیں نہ ہو گی۔ کیونکہ وہاں تو ہر وقت سوختن و گداختن ہے۔ تو اس نسخہ سے ویسے ہی گلا صاف رہیگا۔ ایسے موٹے ہونے کی نسبت حدیث شریف میں ہے ان اللہ یبغض الحبر السمین یعنی اللہ تعالی کو موٹے عالم سے نفرت ہے مگر وہی بے فکری کا پھولا ہوا نہ وہ جو طبعی و فطری ایسا ہو۔ اس پر مجھے ایک لطیفہ یاد آیا کہ میں اپنے لڑکپن میں شہر میرٹھ میں ایک مسجد میں بیٹھا ہوا وضو کر رہا تھا۔ اور میرے قریب ہی ایک اور مولوی صاحب بیٹھے ہوئے تھے وہ ذرا موٹے تھے وہاں ایک شخص رجب علی تھے وہ ان مولوی صاحب سے اکثر مزاح کیا کرتے تھے اُس وقت وہ بھی آئے اور مجھ سے پوچھنے لگے کہ تم اس قدر دُبلے کیوں ہو رہے ہو۔ میں نے ظریفانہ کہا کہ بھائی حدیث شریف میں آیا ہے کہ ان اللہ یبغض الحبر السمین اس واسطے میں دُبلا ہوں اور مجھ کو خیال نہ رہا کہ یہاں مولوی صاحب موٹے بیٹھے ہوئے ہیں۔ رجب علی اُن مولوی صاحب کی طرف مُنھ کر کے کہتے ہیں کہ مولوی صاحب آپ سنتے ہیں اُس وقت مجھے تنبہ ہوا کہ یہ بھی بیٹھے ہیں تو میں بہت شرمندہ ہوا اور میں نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ جو کھا کھا کر بے فکری میں موٹا ہو کہنے لگے۔ کہ جناب اب آپ جو مطلب چاہیں بیان کریں باقی حدیث مولوی صاحب پر صادق آ ہی گئی۔ خیر یہ تو ایک لطیفہ ہے مگر مطلب حدیث کا یہی ہے کہ جو بے فکر کھا کھا کر موٹا ہو۔ غرض نسخہ عشق سے بلغم میں زیادتی ہی نہ ہوگی۔ پھر یہ کہ حلوا گلے کے اندر جانے کے لئے بنا ہے نہ کہ گلے کے اوپر باندھنے کے لئے۔ ہاں اگر کوئی ایسا کرے کہ باندھ کر پھر کھا بھی لے۔ تو دوسری بات ہے۔ لیکن اسکو کون کریگا۔ اگرچہ بعض ایسے لطیف المزاج لوگوں کی حکایت بھی سنی ہے کہ انھوں

نے پان مُنہ سے نکال کر رکھدیا اور کھانا کھاکر پھر اُس کو کھالیا۔ تو خوش الحانی کے وہ معنی نہیں ہیں جو حلوا باندھنے سے حاصل ہو بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ جو اوپر مذکور ہوئے کہ اگر کوئی اسکو پڑھتے ہوئے سُنے تو یوں سمجھے کہ خدا کے خوف سے اس کا قلب لبریز ہے مگر لوگ آج کل خوش الحانوں کو ڈھونڈھتے ہیں۔ چنانچہ پڑھنے والے اپنے ساتھ خوش آوازوں کو رکھتے ہیں۔ اکثر تین تین چار چار امرد اور نوجوان لڑکے رہتے ہیں کہ وہ گلے ملا ملاکر گاتے ہیں سو ان رسوم کو چھوڑ دو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر مبارک تو غذا ہے۔ اسمیں کسی وقت کی تخصیص کی کیا ضرورت ہے۔ بس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات کی کتابیں لیکر جنمیں صحیح حالات ہوں اگرچہ اُن میں ایک شعر بھی نہ ہو اُسکو روزانہ پڑھا کرو۔ اسی لئے میرا بہت روز سے جی چاہتا تھا کہ کوئی ایسی صحیح معتبر کتاب لکھدوں۔ چنانچہ بحمد اللہ وہ کتاب اب تیار ہوگئی (اور دیوبند میں چھپ بھی گئی) اور میں نے اس کتاب میں اس کی بھی رعایت کی ہے کہ اُس میں غذا کے ساتھ تفریح کا سامان بھی رکھا ہے۔ یعنی میں نے اُس میں اشعار بھی لکھے ہیں۔ اور بہت کثرت سے ہیں۔ یعنی کتاب میں اکتالیس فصلیں ہیں۔ ہر فصل کے اخیر میں اشعار لکھے ہیں۔ اور نہایت لذیذ اشعار عربی کے ہیں۔ اور اُن کا ترجمہ بھی ساتھ ساتھ لکھدیا ہے تو جس کا جی چاہے اس کتاب کو اپنے پاس رکھے وہ انشاء اللہ تعالیٰ اس کے لئے بہت مفید ہوگی۔ مگر اس کو مجلسوں میں ان رُسوم کے ساتھ نہ پڑھا جائے۔ بلکہ بطور وظیفہ کے قرآن مجید کے بعد پڑھ لیا جاوے۔ جیسا میں نے اوپر مجنون کی حالت ذکر کی ہے کہ ؎

گفت مشقِ نامِ لیلےٰ می کنم   خاطرِ خود را تسلی می کنم

تو مجنون نے کیا لیلیٰ کی سالگرہ کی تھی۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر مبارک کے لئے قیود کیسے وہ تو ہر وقت کا وظیفہ ہونا چاہئے۔ میں نے حضرت مولانا گنگوہی کو دیکھا ہے کہ ہر وقت درود شریف کا ورد رہتا تھا۔ اور بات بہت کم کرتے تھے۔ مگر افسوس ہے کہ جو لوگ سال بھر میں صرف ایک مرتبہ یاد کریں وہ تو محبّ ہوں۔ اور جو ہر وقت سرشار رہے اُس کو منکر سمجھا جائے۔ کیسا غضب ہے۔ صاحبو کہاں گیا انصاف اور تدین۔ اب چاہتے ہیں

؎ یہ کتاب معہ جملہ اور تالیفات مولانا مدظلہ العالی کے ہمارے ہاں موجود ہیں۔ عبد الواسع جعفری المطبع نواب احمدی الہ[illegible]

کہ ذکر بھی اگر ہو تو دوسروں کو دکھلا کر ہو۔ بھائی محبت میں دکھلانے کی کیا ضرورت ہے اپنی اولاد کے لئے انسان محبت سے کیا کچھ نہیں کرتا۔ مگر کیا کسی کو دکھلاتا پھرتا ہے۔ غرض یہ معمول کر لو کہ اس کتاب کے دو چار ورق روز پڑھ لیا کرو۔ اور خود پڑھنا نہ آتا ہو تو کسی سے سُن لیا کرو۔ اور گھر میں روزانہ پڑھ کر سنایا کرو۔ اور عمر بھر اسی طرح معمول رکھو۔ دیکھیں تو کون منع کرتا ہے۔ تم تو اپنے ہاتھوں منع کراتے ہو۔ صاحبو یہ تو ذکر مستحب ہے (گو عشاق کے نزدیک فرض عشقی ہے مگر فتوی کے رو سے تو مستحب ہی ہے) نماز بھی جو کہ فرض ہے از روے فتوے بے ڈھنگے پن سے پڑھی جاوے تو اُس سے بھی منع کیا جاویگا۔ اور مشروع طور پر ذکر کرنا خود قرآن شریف سے ثابت ہے۔ دیکھو اسی آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر شریف ہے اور میں نے اسی لئے اس وقت اس آیت کو پڑھا ہے کہ اس سے آپ کے ذکر کو بھی ثابت کر دوں اور اس کا طریق اور آداب بھی بتلا دوں۔ پس آپ اس ذکر شریف کے برکات حاصل کیجئے۔ اُن برکات میں سے ایک برکت دفع طاعون بھی ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔ (اور بعد وعظ کے فرمایا کہ اس آیت کے اختیار کرنے کی ایک وجہ تو یہ تھی۔ دوسری وجہ یہ تھی جسکو وعظ میں بیان کرنا یاد نہیں رہا کہ آپ کے ذکر ولادت کے متعلق لوگوں میں آجکل بہت سے منکرات اور اختراعات شائع ہو گئے ہیں۔ جن سے عملاً و اعتقاداً لوگوں کی حالت خراب ہو گئی۔ اور اُن منکرات کا ارتکاب اس مہینہ میں اکثر کیا جاتا ہے۔ اس لئے بھی اس وقت یہ مضمون اختیار کیا گیا کہ یہ بتلا دیا جاوے کہ شریعت میں ان کا ثبوت کہیں نہیں ہے۔ سعید) غرض آیت سے ذکر شریف بھی ثابت ہوا اور آداب پر بھی تنبیہ موجود ہے۔ کیونکہ اسی آیت میں آگے ارشاد ہے۔ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ سو اصل غرض آپ کی بعثت سے یہ ہے کہ ہدایت ہو صراط مستقیم کی تو جو امر صراط مستقیم کے خلاف ہوگا وہ اس مقصود کے منافی اور قابل ترک ہوگا۔ اور اُن ہی امور غیر مستقیمہ سے ایک تخصیص لازم بھی ہے۔ پس بناء اس وقت کے ذکر کی تخصیص ربیع الاول کی نہیں ہے۔ جیسا اوپر بھی عرض کر چکا ہوں۔ اور اس عدم تخصیص سے ربیع الاول کی فضیلت کا انکار نہ سمجھا جاوے۔ کیونکہ فضیلت سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُس زمانہ فاضل کو بلا دلیل شرعی جس عبادت کے لئے چاہے خاص کر لیا جاوے۔

آیت مذکورہ کو بیان کرنے کے لئے اختیار کرنیکی دوسری وجہ

تخصیص یوم و وقت ذکر شریف

پس ربیع الاول میں فضیلت ہو۔ مگر اس کی تخصیص ذکر نبوی کے لئے ثابت نہیں جیسے جمعہ کے روزہ کی تخصیص کی ممانعت حدیث شریف میں آئی ہے باوجودیکہ اُس کے فضائل بھی وارد ہیں چنانچہ حدیث شریف میں اُس کی فضیلت میں آیا ہے۔ فِیْہِ وُلِدَ اٰدَمُ وَفِیْہِ اُدْخِلَ الْجَنَّۃَ وَفِیْہِ ھُبِطَ اِلَی الْاَرْضِ۔ اور اگر کسی کو یہ شبہہ ہو کہ ہبوط الی الارض میں کونسی نعمت ہے جو اس کو دلائل فضیلت میں ذکر فرمایا۔ یہ تو بظاہر نہایت درجہ تکلیف ہے تو اس شبہہ کا جواب عارفین سے پوچھئے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے تھے کہ بھائی اگر حضرت آدم جنت سے نہ نکلتے تو اُن کی اولاد میں سے کوئی نکلتا۔ کیونکہ جو ممانعت اُن کو ہوئی تھی۔ چونکہ وہ شجرہ قابل نہی کے تھا وہی ممانعت اُن کی اولاد کو بھی ہوتی اور یہ ظاہر ہے کہ اُس ممانعت کے خلاف بھی بہت لوگ کرتے۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ نکالے جاتے۔ اور اخراج ایسی حالت میں ہوتا کہ جنت خوب آباد ہوتی۔ وہاں اس کے ماں۔ باپ۔ بھائی بیٹے۔ بیوی سبھی ہوتے۔ اُن سب سے علیحدہ کرکے اُسکو دنیا میں بھیجا جاتا تو جنّت میں ایک کہرام مچ جاتا تو وہ جنت مثل دوزخ کے ہوجاتی۔ اسی لئے اللہ میاں نے وہاں سے سب کو رخصت فرمادیا یہ مصلحت تو حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کے حق میں ہے کہ جنت میں تکلیف ہونے سے سخت تکلیف ہوتی۔ باقی خود حضرت آدم علیہ السلام کے حق میں جو حکمت تھی اُس کو حاجی صاحب نوراللہ مرقدہٗ نے ارشاد فرمایا ہے کہ عارفوں کے لئے بڑی نعمت معرفت ہے اور معرفت کی دو قسمیں ہیں ایک علمی اور ایک عینی۔ معرفت علمی تو یہ ہے کہ صفات کمال اور اُس کے آثار کا علم ہوجائے اور معرفت عینی یہ ہے کہ اس صفت کے اثر کا مشاہدہ ہوجاوے تو اُس وقت آدمؑ کو معرفت علمی تو حاصل تھی لیکن معرفت عینی صرف بعض صفات کی حاصل تھی جیسے کہ منعم کہ اس صفت کا اُس وقت مشاہدہ ہورہا تھا۔ لیکن بعض صفات کا مشاہدہ اُس وقت نہ تھا مثلاً تواب کہ اس صفت کی معرفت علمی تو حاصل تھی باقی معرفت عینی حاصل نہ تھی۔ اور معرفت عینی افضل ہے معرفت علمی سے۔ تو جنّت سے علیحدہ کرکے خدا تعالیٰ کو حضرت آدم کی تکمیل عرفان کی مقصود تھی۔ پس یہ اخراج حقیقت میں عقوبت نہ تھی۔ تکمیل تھی اور بعض قرائن سے آدم علیہ السلام کو اس کا کچھ پتہ بھی چل گیا تھا چنانچہ ایک حدیث ہے کہ جب آدم علیہ السلام کی ناک میں روح داخل ہوئی تو آپ کو چھینک

آئی۔ ارشاد ہوا کہ کہو الحمد للہ اور فرشتوں کو حکم ہوا کہ کہو یرحمک اللہ تو بعض روایات میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام روئے اور کہا کہ دعاے رحمت سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی لغزش ضرور ہو گی اور توبہ کے بعد رحمت ہو گی۔ اور اس کمال معرفت کی مصلحت سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جیسا کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے اتنا بخار چڑھتا تھا جتنا دو آدمیوں کو چڑھتا ہے۔ کیونکہ جس اسم کا یہ مظہر ہے اس کی معرفت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علی وجہ الکمال عطا فرمائی تھی۔ غرض حضرت آدم علیہ السلام کا جنت سے آنا بھی نعمت ہے پس یہ بھی وجوہ فضائل جمعہ سے ہوا تو دیکھیے جمعہ کے بارہ میں باوجودیکہ یہ فضائل خود حدیث سے ثابت ہیں۔ لیکن رسول میں تخصیص صوم کی ممانعت ہے، تو ربیع الاول کے فضائل تو منصوص بھی نہیں تو اس میں تخصیص ذکر کی اجازت کیسے ہو گی۔ مگر پھر مکرر کہتے ہیں کہ باوجود اس منع تخصیص کے اس ماہ کی فضیلت کے ہم منکر نہیں۔ فضیلت اسمیں ضرور ہے اگر اسمیں فضیلت نہ ہوتی تو اسمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا کیوں کئے جاتے۔ جیسے جمعہ میں حضرت آدم علیہ السلام کے تین واقعہ ہیں۔ ایسا ہی یہاں بھی تین واقعے ہیں۔ ایک تو ولادت شریفہ کہ بالاتفاق اسی ماہ میں ہے مشابہ ولادت آدم علیہ السلام کے اور دوسری بعثت بعض رویات پر کہ مشابہ دخول جنت آدم علیہ السلام کے ہے اور تیسری وفات شریف کہ ماہ اور یوم تو علی الاتفاق علی زمانہ ولادت شریفہ ہے۔ اور تاریخ بھی علی الاشہر وہی ہے جیسا تیسرا واقعہ وہاں ہبوط تھا کہ مشابہ وفات کے تھا غرض اس ماہ کے لئے یہ فضائل ضرور ثابت ہیں اور اسی ولادت شریفہ کی طرف اشارہ کر کے کہا گیا ہے

لھذا الشھر فی الاسلام فضل ومنقبتہ تفوق علی الشھود

ربیع فی ربیع فی ربیع ونور فوق نور فوق نور

اول ربیع سے مراد ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسرا ربیع ہے موسم بہار کہ اسوقت یہ موسم تھا یا یہ کہا جاوے کہ آپ کے پیدا ہونے سے بہار ہو گئی تھی۔ چنانچہ اسی سنہ کو لوگوں نے سنۃ الفتح والابتہاج کہا ہے۔ اور تیسری ربیع سے مراد ہے مہینہ۔ اور دوسرے مصرعہ میں نور فوق نور الخ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی مراد ہیں کہ آپ میں انوار مجتمعہ متزاحمہ تھے تو یہ فضیلت اس ماہ کو حاصل ہے۔ خواہ تو وہ فضیلت اس طرح ہو کہ اس ماہ کو پہلے

ماہ ربیع الاول کے فضائل اور جمعہ کے فضائل ... اسی ماہ کی تخصیص ...

سے فضیلت عطا ہو گئی تھی۔ اور اُس ماہ کے ذی فضیلت ہونے کی وجہ سے حضور کی ولادت
شریفہ کے لئے اس کو خاص فرمایا۔ رہی یہ بات کہ اس کو کیوں فضیلت عطا ہوئی تھی سو اسکی
علت ہم کو معلوم نہیں۔ خدا تعالیٰ کو اختیار ہے کہ جس چیز کو چاہیں فضیلت عطا فرما دیں۔ اور
اسی طرح دوشنبہ کے دن میں فضیلت پہلے سے ہو اور بوجہ ان دونوں کے ذی فضیلت
ہونے کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس میں پیدا کیا گیا ہو جیسے جمعہ میں فضیلت پیدا
کر کے حضرت آدم علیہ السلام کو اُس میں پیدا کیا گیا اور خواہ وہ فضیلت اس طرح ہو کہ حضور
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت شریفہ اس میں ہوئی ہے۔ اس تلبس سے اس کو فضیلت حاصل
ہو گئی ہے۔ اور ایسا ہی احتمال جمعہ میں بھی ہے کہ خود ولادت آدم علیہ السلام اور دیگر واقعات
سے اُس میں فضیلت آگئی ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ پہلے سے فضیلت ثابت ہو۔ اور ان واقعات
کو علامت کے طور پر ذکر فرمایا ہو۔ تو ایک احتمال پر یہ واقعات دلیل لمی ہوں گے۔ فضائل
کے اور دوسرے احتمال پر دلیل انی۔ علیٰ ہذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوشنبہ کو روزہ رکھتے
تھے اور اس کی وجہ یہ فرماتے تھے کہ فِيهِ وُلِدْتُ وَفِيهِ أُنْزِلَ عَلَيَّ۔ اس میں بھی دونوں احتمال
ہیں کہ چونکہ میری ولادت اور بعثت سے اسمیں فضیلت آگئی ہے اسی لئے روزہ رکھتا ہوں یا
یہ کہ یہ دن پہلے سے فضیلت کا ہے جسکی علامت یہ ہے کہ فِيهِ وُلِدْتُ وَفِيهِ أُنْزِلَ عَلَيَّ اُس فضیلت
سابقہ کی وجہ سے روزہ رکھتا ہوں تو دونوں احتمال دونوں جگہ ہیں۔ اور اصل مقصود ثبوت
فضیلت ہیں ہر دو مفید ہیں خواہ وہ فضیلت سبب ہو یا مسبب ہو۔ خوب کہا ہے ؎

بخت اگر مدد کند دامنش آورم بکف ‌‌ ‌ گر بکشد زہے طرب ور بکشم زہے شرف

اُس نے کھینچ لیا یا میں نے مگر اصل مقصود یعنی قرب تو حاصل ہو گیا۔ علیٰ ہذا یہ اُس کی فضیلت
کا سبب ہو یا وہ اُس کی فضیلت کی علامت ہو۔ دونوں میں کچھ مضائقہ نہیں۔ مگر قابل
تعرض کے ایک اور بات ہے وہ یہ کہ اس حدیث ذالك اليوم الذي ولدت فيه سے بعض
لوگوں نے (کیا کہوں) بعض لوگوں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ہوائے نفسانی کے لئے محض بہانے
ہی ڈھونڈھا کرتے ہیں جیسے حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے شائقان متعہ کے متعلق فرمایا تھا
کہ یہ لوگ متعہ کے لئے بہانہ ڈھونڈھتے ہیں۔ جہاں تمتعتم عنہن انکو ملا اور انھوں نے اس سے متعہ ثابت کیا اور فرمایا

ما: دوشنبہ اور جمعہ کی فضیلت [illegible]

ما: [illegible]

کہ اگر متعہ ایسا ہی سستا ہے تو شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کے اس شعر میں بھی یہی مراد ہوگا ؎

تمتع زہر گوشۂ یافتم الخ

اور میں کہتا ہوں کہ قرآن مجید میں رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ میں بھی یہی مراد ہوگا کہ انسان اور جن آپس میں متع کرتے تھے۔ تو بعض لوگوں نے) جو یہ حدیث سنی تو اس کو اپنا ایک غلطی کا سہارا اپنا لیا۔ اور وہ ہے تو پرانا خیال مگر اس میں اب ایک نیا رنگ قومیت کا چڑھا ہے جب سے یہ نئی جماعت بڑھی ہے اس وقت سے ہر امر میں ایک قومیت اور تمدن کا رنگ پیدا ہو گیا ہے اور وہ غلطی عید میلاد النبی کی ایجاد ہے اور یہ پہلے سے بھی لوگوں میں رائج تھا کہ اس میں کپڑوں کا بدلنا اور مکان سجانا۔ احباب کو جمع کرنا اور ذکر شریف کا رسم کے طور پہ اہتمام کرنا۔ اطعمہ یا شیرینی کا انتظام یہ سب کچھ ہوتا تھا مگر اب کہ نو تعلیم یافتوں نے اس میں ایک اور سیاسی نیا رنگ چڑھایا ہے۔ اور میں کیا کہوں۔ اب کی مرتبہ ایک قصہ نئے رنگ کا بعض قدیم الخیال لوگوں کا سننے میں آیا۔ یعنی ایک جگہ ذکر میلاد ہوا ہے تو یہ اعلان کیا گیا تھا کہ اخیر شب میں ہوگا جو عین وقت ولادت شریفہ کا ہے۔ چنانچہ اخیر شب میں لوگ جمع ہوئے اور عین طلوع فجر کے وقت ذکر ولادت شریفہ ہوا۔ صاحبو! کیا یہ امور قابل منع کے نہیں ہیں۔ صاحبو! آپ تو اس کی ممانعت سے وحشت کرتے ہیں۔ جس کی کوئی اصل بھی قرآن و حدیث میں نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو اس درخت کو کہ جس کی گونہ فضیلت خود قرآن مجید میں بھی موجود ہے لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ محض اسی لئے جڑ سے کٹوا دیا تھا کہ لوگ اس کی زیارت کا زیادہ اہتمام کرنے لگے تھے۔ صاحبو! جو اساطین دین ہیں وہ دین کی خرابی پر ہرگز صبر نہیں کر سکتے۔ وہ محض اپنی بدنامی کے خوف سے ہرگز خاموش نہیں ہو سکتے اگرچہ ان سے کوئی ناراض ہو۔ اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ حق سن کر کوئی ناراض نہیں ہوتا اگر سمجھا کر کہا جاوے۔ زیادہ تر جو لوگ ناراض ہوتے ہیں۔ اس کی اکثر وجہ یہ ہوتی ہے کہ ناصح ادھوری بات کہتے ہیں۔ جس سے عوام سمجھتے ہیں کہ یہ بالکل اصل ہی کے منکر ہیں۔ پوری بات کہنے والے سے کوئی نہیں بگڑتا۔ اور اگر کوئی پوری بات کہنے پر بھی بگڑے تو اس میں خود زیغ ہے اس کی ایسی حالت ہے جیسے یرقانی کی کہ اس کو ہر چیز زرد یا سیاہ نظر آتی ہے غرض اس

حدیث سے بعض لوگ عید میلاد النبی کو ثابت کرتے ہیں اور یہ بھی پہلے سے لیکن امسال اس پر ایک نیا سیاسی رنگ چڑھا ہے کہ بارہ ربیع الاول کو اہتمام کے ساتھ سب جمع ہوں اور جمع ہو کر دعا کریں مسلمانوں کی فلاح کے واسطے دعا بہت اچھی چیز ہے مگر ہماری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ دین میں ایک چیز کا بڑھانا کہ جمع کے لئے یہ تاریخ معین کی جاوے کیسے جائز ہو گیا کہتے ہیں کہ اسمیں دین کی شوکت ہے۔ مجھ سے ایک مولوی صاحب نے کہا کہ تعزیوں کو منع نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس میں کرتب دکھانے سے مشق ہو جاتی ہے اور شجاعت کی تحریک ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک جنٹلمین صاحب نے فرمایا کہ شب برات میں آتشبازی وغیرہ سے منع نہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس سے بہادری کا اسپرٹ محفوظ رہتا ہے۔ اللہ اکبر کس قدر بے حسی غالب ہو گئی ہے اور لوگوں کی عقول کیسی ماؤف ہو گئی ہیں۔ اگر انکے قبضہ میں دین ہوتا تو یہ حضرات خدا جانے کیا کچھ کتر بیونت کرتے۔ صاحبو تمہارے اوپر ایک شرعی قانون حاکم ہے۔ تم کو اس کا اختیار ہرگز نہیں ہے کہ تم خود کوئی قانون بنالو۔ مگر جو قانون تمہارے پاس ہے اُس پر عمل کرنے کا حکم تم کو ہے۔ دیکھو بہت سے قانون ایسے ہیں کہ وہ حکام کو مفید ہو سکتے ہیں لیکن اگر کوئی شخص تعزیرات چھپنے کے وقت اخیر میں مثلاً یہی ایک دفعہ بڑھادے کہ جو شخص حکام کے نام کے ساتھ جناب کا لفظ نہ کہیگا اُس پر پچاس روپیہ جرمانہ ہوگا تو تصحیح قانون کے وقت جب اس زیادتی کی اطلاع ہو گی فوراً اُس شخص کے نام وارنٹ جاری ہو جاوے گا۔ اور اسی مثال سے بدعت کے معنی بھی انشاء اللہ آپ کی سمجھ میں آجاویں گے۔ وجہ اس کے جرم ہونے کی یہ ہے کہ قانون کا بنانا صاحب سلطنت کا کام ہے۔ تو جب کسی شخص نے کوئی قانون بنایا تو اگرچہ وہ قانون سراسر مفید حکام ہی کیوں نہ ہو لیکن در پردہ اس مقنن نے اپنے صاحب سلطنت ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اسی طرح میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی بدعت سراسر مسلمانوں کے لئے بزعم موجد نافع ہی ہو لیکن دین سے زائد ہو تو وہ ایسی ہی ہے جیسے کہ یہ قانون بڑھانا تو اس کی وہی سزا ہو گی۔ یہ جواب ہے اُن لوگوں کو جو یہ کہتے ہیں کہ فلاں بدعت میں یہ مصلحت ہے۔ صاحبو اس میں تو خدا و رسول پر سخت اعتراض لازم آتا ہے کہ فلاں امر نافع تھا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے اُس کو دین میں نہیں رکھا

(نعوذ باللہ) غرض عید میلاد النبی پر آجکل یہ رنگ چڑھایا گیا ہے اور مقصود اس سے وہی اظہار شوکت قومی ہے۔ لیکن ہمارا مذہب تو تفویض الی الشرع ہے ؎

اے بحکم شرع آب خوردن خطاست — وگر خوں بفتوے بریزی رواست

رہی دعا تو نمازوں کے بعد بھی ہوسکتی ہے اور دعا کے لئے جو جلسے کئے جاتے ہیں ان میں زیادہ تر ایسے شخص جمع ہوتے ہیں کہ وہ نماز بھی نہیں پڑھتے۔ بس محض اس واسطے کہ اپنا نام ہو اور بعض محض اقتضاء طبیعت کی وجہ سے کہ ان کی طبیعت میں اس وقت اس قسم کے کاموں کا جوش پیدا ہوتا ہے لیکن شریعت مطہرہ نے ہم کو نرا جوش نہیں سکھایا۔ اس جوش کی کیا انتہا ہے کہ بعض نے قربانی ہی کو حذف کر دیا۔ صاحبو ہم کو شریعت نے جوش سے زیادہ ہوش کا حکم دیا ہے۔ یہ تو انگریزی خوانوں کا قصہ تھا۔ جو غریب اپنی اس ایجاد کا اس سے زیادہ جواب نہیں دے سکتے کہ اس میں قومی مصلحت ہے مگر کوئی شرعی دلیل نہیں بیان کرتے تو اس سے کچھ بھی گمراہی کم ہوتی ہے۔ لیکن یہ عربی پڑھے لکھے جو بگڑے تو انھوں نے ایک جواب شرعی بھی تیار کر لیا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ذالک الیوم الذی ولدت فیہ اس سے اس دن کا مبارک ہونا معلوم ہوا۔ اور اس کی فضیلت ثابت ہوئی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس میں روزہ بھی ثابت ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ زمانہ ولادت ہو یہ یوم العبادت ہے۔ تو جب ایک عبادت اس میں ثابت ہے اور دوسری کو بھی کہ فرحت وسرور بالنعمۃ ہے اس پر قیاس کر لیا جائیگا اور وہ دوسری بھی ثابت ہو جاویگی۔ لیکن ہم کو دونوں مقدموں میں کلام ہے اس میں بھی کہ روزہ اس لئے رکھا تھا۔ ممکن ہے کہ روزہ اسی لئے رکھا ہو کہ وہ پہلے سے یوم الفضیلت ہے اور یوم الولادت ہونا اسی فضیلت کے سبب تجویز فرمایا گیا ہو۔ اور اس پر کہ روزہ کا سبب اس یوم کا کسی دوسری وجہ سے افضل ہونا ہے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس روز میں اعمال پیش ہوتے ہیں۔ تو میں یہ چاہتا ہوں کہ میرا عمل روزہ کی حالت میں پیش ہو تو معلوم ہوا کہ یوم دوشنبہ پہلے سے یوم العرض ہونے کے سبب ذی فضیلت ہے۔ اور اسی وجہ سے اسمیں آپ کی ولادت بھی متحقق ہوئی جیسے دسویں محرم کی کہ اس میں حضرت حسین رضی اللہ تعالے عنہ کو

شہادت ہوئی۔لیکن وہ دن آپ کی شہادت کی وجہ سے افضل نہیں ہوا بلکہ اُس کے ذی فضیلت ہونے کی وجہ سے اُس میں آپ کی شہادت واقع ہوئی۔ اور اگر ثابت بھی ہو جاوے کہ فضیلت اسی وجہ سے ہے یا دونوں کو سببیۃ میں من وجہ دخل ہے تو زیادہ سے زیادہ اسی قدر تم بھی کرلو جو حضور سے ثابت ہے۔اور اگر قیاس ایسا ہی عام ہے تو چاہیئے کہ مکہ والے ہر دوشنبہ کو حج بھی کرلیا کریں۔کہ جب روزہ ثابت ہے حج کو بھی قیاس کرلیں۔حضرات قیاس کرنا آپ کا کام نہیں ہے۔اگر قیاس ایسا سستا ہے تو غیر مقلدوں کو ہرگز بُرا نہ کہو۔غیر مقلد اسکو نہیں کہتے ہیں جو اپنے کو غیر مقلد کہے۔بلکہ آج بلا ضرورت شرعیہ جو لوگ قرآن وحدیث سے استخراج کی کوشش کرتے ہیں۔یہ سب غیر مقلد ہی ہیں۔اور لطف یہ کہ سب سے زیادہ یہی لوگ غیر مقلدوں کے دشمن ہیں۔غرض جو شخص اعمال ظاہرہ کے اثبات میں کذا فی الہدایہ کذا فی الدر المختار نہ کہے بلکہ خود دعوی استنباط کا کرے بس وہ غیر مقلد ہے۔صاحبو علماء نے تصریح فرمادی ہے کہ چوتھی صدی سے اجتہاد منقطع ہے۔ہمارے لئے اسلم یہی ہے کہ جو بات ہم کو پیش آئے اُس کو ہدایہ میں دیکھیں یا درمختار میں۔اور اس کا پتہ نہ ہدایہ میں ہے نہ درمختار میں۔محض ایک مسلمان بادشاہ کی ایجاد ہے۔اُس نے عیسائیوں کے توڑ پر ایجاد کیا تھا۔کہ جیسے اُن کے یہاں بڑے دن میں خوشی ہوتی ہے اور رونق ہوتی ہے اسی طرح ہم بھی کریں۔مگر اُس کے اہتمام سے گو وہ سنت کے خلاف تھا۔مگر یہ غرض تو حاصل تھی اور اب تو وہ بھی نہیں۔کیا دو آنہ کی مٹھائی تقسیم کردینے سے یا چند آدمیوں کے جمع ہو جانے سے اُنکا توڑ ہو سکتا ہے۔اور اصل تو یہ ہے کہ اُس بادشاہ کی یہ رائے ہی غلط تھی۔اسلام کو ان عارضی شوکتوں کی ضرورت نہیں ہے۔اسلام کی تو وہ شوکت ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ملک شام میں تشریف لے گئے اور وہاں لوگوں نے نیا لباس بدلنے کے لئے عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ نَحْنُ قَوْمٌ اَعَزَّنَا اللّٰہُ بِالْاِسْلَامِ۔صاحبو اگر ہم سچے مسلمان ہیں تو ہماری عزت سب کے نزدیک ہے۔حضرت مولانا فضل الرحمن صاحبؒ ایک معمولی وضع میں رہتے تھے۔مگر لفٹنٹ گورنر اُن کے سلام کو آئے تھے۔حضرت خالدؓ ماہان ارمنی کی مجلس میں تشریف لے گئے۔وہاں حریر کا فرش بچھا ہوا تھا۔حضرت خالدؓ نے اُس کو ہٹا دیا۔ماہان نے کہا کہ اے خالدؓ میں نے تمہاری عزت

کی تھی لیکن تم نے اس کو قبول نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اے ماہان تیرے فرش سے خدا کا فرش اچھا ہے۔ ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حریر کے استعمال سے منع فرمادیا ہے تو کیا اس حریر کے ہٹادینے سے اُن کی شوکت کم ہوئی یا اور بڑھ گئی۔ مسلمانوں کی عزت یہی ہے کہ ہر موقع پر کہدیں کہ ہمکو فلاں کام سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمادیا ہے مگر آجکل لوگ اسلام کے احکام ظاہر کرنے کو ذلت سمجھتے ہیں۔ ایک صاحب کہنے لگے کہ میں نے ریل میں نماز اسی لئے نہیں پڑھی کہ وہاں سب ہندو ہی تھے۔ دیکھ کر اسلام پر ہنستے انا للہ ایک وہ وقت تھا کہ ہر بات میں قران وحدیث زبان پر آتا تھا۔ حتی کہ جب صحابہؓ کرام نے روم پر حملہ کیا ہے تو وہاں کے عیسائیوں نے کہا کہ تم بھی اہل کتاب ہو اور ہم بھی اہل کتاب ہیں۔ تو ہم میں تم میں ایسا زیادہ اختلاف نہیں ہے۔ بہتر ہے کہ تم اول مجوس فارس سے لڑو کہ وہ مشرک ہیں۔ واقعی ہم تو شاید اس سوال کا جواب نہ دیسکتے۔ لیکن صحابہ کرام نے فوراً ارشاد فرمایا کہ ہم کو حکم ہے قَاتِلُوا الَّذِینَ یَلُونَکُمْ مِنَ الْکُفَّارِ۔ اور تم اُن کی نسبت نزدیک ہو وجہ یہ ہے کہ اُن کے قلب میں قران بسا ہوا تھا تو انھوں نے فرمایا ماہان ارمنی سے کہ تیرے فرش سے خدا کا فرش افضل ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے سے ہے اور آج تک چلا آتا ہے۔ نہ دھونا پڑتا ہے نہ کچھ بلکہ اور ناپاکی کو بھی پاک کردیتا ہے۔ یہ وہ فرش ہے کہ حضرت بشر حافیؒ نے جب سُنا کہ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا تو جوتہ نکال کر پھینک دیا کہ خدا کے فرش پر جوتہ لے کر نہ چلنا چاہیئے۔ آخر تمام درندچرند کو حکم ہوگیا کہ جہاں جہاں بشر حافیؒ جاویں وہاں وہاں بیٹ نہ گرنے پاوے۔ صاحبو ہماری عزت سامان سے نہیں ہے۔ اگر ہے تو بے سروسامانی سے ہماری عزت ہے۔ یہ بے سروسامانی کی وہ عزت ہے کہ ؎

ای خوشا سرو کہ از بند غم آزاد آمد ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ زیر بارند درختاں کہ ثمرہا دارند

دلبر ماست کہ با حُسنِ خدادادآمد ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ دلفریبانِ نباتی ہمہ زیور بستند

اور سُنیئے (واقعی اگر آدمی غور کرے تو بدعت کی حقیقت کو سمجھ سکتا ہے) جونپور میں ایک صاحب نے دسویں ایجاد کی تھی کہ وہ ہر مہینہ کی دسویں تاریخ کو شہادت نامہ پڑھواتے تھے۔ نیت تو یہ تھی کہ لوگ شیعوں کی مجالس میں شریک نہ ہوں۔ لیکن اُن کا یہ مقصود بھی حاصل نہ ہُوا۔ لوگ اس سے

یوم ولادت کو عید منانے یا یوم وفات کو ماتم منانے کی مخالفت کا ایک نہایت لطیف اور عجیب نکتہ۔

فارغ ہوکر شیعوں کی مجالس میں جاتے تھے اور کہتے تھے کہ میاں چلو ان کمبختوں کے ہاں بھی دیکھ آویں کیا ہو رہا ہے یہ ہیں بدعات کی مصالح۔ میں تو کہتا ہوں کہ اگر یہ مصالح واقع میں مصالح ہیں تو خدا تعالیٰ نے باوجود ان مصالح کی رعایت نہ کرنے کے یہ کیوں فرما دیا تھا کہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ۔ اور بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ اذکار و اشغال بہیات و قیود خاصہ بھی تو در مختار میں نہیں ہیں تو سمجھو کہ اذکار و اشغال خاصہ سے غرض تحصیل ثواب نہیں ہے بلکہ مقصود اُن سے خاص[ع] کیفیات کا طبیعت میں پیدا کرنا ہے مثل تقلیل خطرات و جمعیت و یکسوئی گو پھر اُن سے عبادت میں کام لیا جاوے اُن کی حالت مثل ادویہ طبیہ کے ہے کہ کوئی دوا بخار کو نافع ہے اور کوئی کھانسی کو نافع ہے تو مقصود اُن سے تحصیل کیفیت صحت ہے۔ پھر چاہے وہ ذریعہ عبادت کا بنجاوے اور یہ تجربہ ہے کہ وہ کیفیات اُن خاص طرق سے حاصل ہوتی ہیں تو جواب کا حاصل یہ ہے کہ ہم اُن کو نفع عاجل کے لئے کرتے ہیں اور اُن کو مثل ادویہ طبیہ کے سمجھتے ہیں مثلاً ہم حبس دم کو ہرگز عبادت نہیں سمجھتے بلکہ تدبیر سمجھتے ہیں۔ جمع طبیعت کی۔ بخلاف بدعات متعارفہ کے کہ وہ کیجاتی ہیں تحصیل ثواب کے لئے اور حبس دم وغیرہ تحصیل کیفیات کے لئے کی جاتی ہیں۔ اور یہ نفع اُن کا مشاہد ہے۔ پس چونکہ اُس کو دین سمجھ کر نہیں کیا جاتا۔ اسی لئے اُس کے درمختار میں ہونے کی ضرورت نہیں ہے اور بدعات کو چونکہ دین[ع] سمجھ کر کیا جاتا ہے اس واسطے اس کے درمختار میں ہونے کی ضرورت ہے۔ اور جب کہ یہ دُرِمختار وغیرہ میں نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ بدعت ہیں لغو ہیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ہر حکم کے ثبوت کا مدار شریعت پر ہے۔ پس حدیث شریف سے اتنا ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزہ رکھا تو تم بھی اتنا ہی کر لو باقی عید میلاد النبی وغیرہ یہ کوئی چیز نہیں ہے۔ یہ تو تھے دلائل شرعیہ۔ اب میں ایک اور دلیل بیان کرتا ہوں جو کہ بطور الہامی دلیل کے ہے اور اس کے بیان سے کچھ فخر مقصود نہیں ہے بلکہ ہر امر جو شریعت کے خلاف نہ ہو اور کہیں مدون بھی نہ ملا ہو اور وہ القا ہو قلب میں تو

ع اور اس پر یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ محققین کیفیات کو غیر مقصود کہتے ہیں سو انکا مطلب یہ ہے کہ مقصود بالذات نہیں ۱۲ منہ

ع اور اسپر یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ اگر کسی بدعت کو دین نہ سمجھیں بلکہ دنیوی شوکت کے لئے کریں تو کیا حرج ہے بات یہ ہے کہ جب ہو گی تو وہ دین ہی کی شوکت گو وہ فی الدنیا ہو۔ اور اظہار شوکت دین عبادت ہے پس وہ ہر حال میں دین ہو گیا۔ ۱۲ منہ

اُس کو خداوند تعالیٰ کی طرف سے الہام سمجھا جاویگا۔ وہ یہ ہے کہ عجیب اتفاقی بات ہے کہ حضور
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یوم ولادت و وفات اور ماہ ولادت و وفات بالاتفاق اور دونوں
کی تاریخ بھی علی المشہور ایک ہی ہے تو عجب نہیں کہ اس اتحاد میں اس طرف اشارہ ہو کہ کوئی
شخص اس دن کو نہ یوم العید بناوے اور نہ یوم الحزن۔ کیونکہ اگر کوئی اس کو یوم العید بنانا چاہے
تو وفات کا خیال مانع خوشی ہو جاوے اور کوئی یوم الحزن بنانا چاہے تو ولادت شریفہ کا
خیال مانع رنج ہو جاوے تو اس سے بھی اس دن کے یوم العید ہونے کی جڑ کٹ گئی۔ اور
چونکہ دونوں واقعوں سے زیادہ کوئی واقعہ سرور وحزن کا نہیں ہے جب ان ہی کے زمانہ کو
یوم عید اور یوم الحزن بنانے کی جڑ کٹ گئی تو اور واقعات کے ازمنہ کے لئے تو بدرجہ اولیٰ
اگر شرعی دلائل موجود نہ ہوتے تو ہم اس دلیل کو کوئی چیز نہ سمجھتے۔ لیکن چونکہ اب یہ شریعت کے
موافق ہے اسی لیئے ہم اس پر خدا کا شکر کرتے ہیں۔ غرض وہ شبہ جو حدیث ذَاكَ الْيَوْمُ الَّذِي
وُلِدْتُ فِيهِ سے ہوا تھا اب زائل ہو گیا ہوگا۔ یہ ہے ہمارا کلام اس مسئلہ کے متعلق۔ باقی
نفس ذکر قطع نظر رسوم سے تو خدانخواستہ ہم اسکا انکار کیسے کر سکتے ہیں۔ ہم تو کہتے ہیں کہ اس کو
وظیفہ کے طور پر کرو۔ اور قرآن ہی میں اس کا وظیفہ ہونا جگہ جگہ مذکور ہے لقد جاءکم
رسول من انفسکم اور قد جاءکم من اللہ نور و کتاب علی ہذا اور بہت جگہ قرآن
شریف میں مذکور ہے تو جو شخص روزانہ قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے وہ ایک دو آیت آپ کے
ذکر شریف کی ضرور پڑھتا ہے تو کیا ایسا شخص منکر ہوگا۔ اور دیکھئے جہاں اشہد ان لا الہ
الا اللہ موجود ہے وہیں واشہد ان محمد رسول اللہ بھی ہے۔ علی ہذا نماز میں بھی تشہد میں بھی
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر ہے اور تشہد کے بعد تو درود شریف میں حضور صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم ہی کا زیادہ تر ذکر ہے تو نماز اور قرآن سبھی آپ کے ذکر سے بھرا پڑا ہے
ایک اور جگہ فرماتے ہیں یا ایہا النبی انا ارسلناک شاہدا و مبشرا و نذیرا و داعیاً
الی اللہ باذنہ و سراجا منیراً تو کون ظالم ہے کہ اس سے منع کرے اور کون ظالم ہے
کہ وہ کسی کو منع کرنے والا کہے۔ لیکن حدود سے باہر نہ نکلو۔ نماز پڑھو۔ لیکن قبلہ کیطرف
منھ کرکے پڑھو۔ پس منجملہ اُن آیات کے ایک یہ آیت بھی ہے۔ جس کی میں نے تلاوت کی ہے

اور اس کی ایک تفسیر یہ ہے جو میں نے ذکر کی کہ نور سے مراد حضور ہوں اور اس تفسیر کی ترجیح کی وجہ یہ ہے کہ اس سے اوپر بھی قد جاءکم رسولنا فرمایا ہے تو یہ قرینہ ہے اسپر کہ دونوں جگہ جاءکم کا فاعل ایک ہو۔ دوسرے اوپر قد جاءکم رسولنا کے ساتھ جو آپ کی شان بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے یبین لکم کثیراً مما کنتم تخفون من الکتاب یعنی آپ کو مبین و مظہر فرمایا ہے اب سمجھئے کہ نور کی حقیقت ہے ظاہر بنفسہ مظہر لغیرہ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان مظہر کے بہت مناسب ہے کہ مراد نور سے آپ ہوں اور اس کے آگے قرآن کی شان میں فرماتے ہیں کتاب مبین یھدی بہ اللہ تو کتاب کو تو اظہار فرمایا۔ اور آپ کو یبین میں خود مظہر فرمایا۔ پس یہ قرینہ ہے تفسیر بالا کا۔ اور گو کتاب بھی ظاہر کرنے والی ہوتی ہے مگر اس میں آلیت کی شان زیادہ ملحوظ ہوتی ہے۔ توضیح اس کی یہ ہے کہ کتاب میں بھی ظہور اور اظہار دونوں ہوتے ہیں۔ اور نور میں بھی دونوں ہوتے ہیں۔ لیکن ایک فرق ہے وہ یہ کہ نور پر جب اول بار نظر ہوتی ہے تو یہ نیت اور خیال بھی نہیں ہوتا کہ وہ خود نظر آیا ہے۔ مثلاً نور سے کتاب دیکھی۔ تو اس طرف ذہن بھی نہیں گیا کہ ہم کو نور نظر آیا ہے۔ پھر اس کے ذریعہ سے کتاب نظر آئی ہے بلکہ اس میں اول ہی سے مظہر کی شان ظاہر ہوتی ہے برخلاف کتاب کے کہ اول یہی نیت ہوتی ہے کہ وہ خود سمجھ میں آوے۔ پھر سمجھ میں آلینے کے بعد ان مضامین سے دوسری جگہ کے احکام منکشف کئے جاتے ہیں تو نور کی شان میں تو اظہار غالب ہے۔ اور کتاب میں ظہور غالب ہے تو یھدی بہ اللہ کتاب کے زیادہ مناسب ہے اور نور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیادہ مناسب ہے یہ ہے وجہ ترجیح مگر اس میں ایک اشکال ہو سکتا ہے کہ دوسری جگہ ارشاد ہے قد جاءکم برھان من ربکم وانزلنا الیکم نوراً مبیناً تو یہاں برہان سے مراد غالباً بقرینہ جاءکم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اور نور سے مراد غالباً بقرینہ انزلنا قرآن ہے اور یہی نور وہاں بھی آیا ہے اور القرآن یفسر بعضہ بعضاً تو جواب اسکا یہ ہے کہ ہم یہ کب دعوی کرتے ہیں کہ جہاں لفظ جاءکم ہو وہاں اس کا فاعل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہوں گے۔ ممکن ہے کہ یہاں جاءکم کی اسناد کتاب کی طرف مجازاً ہو مگر جہاں

اسناد حقیقی بن سکے وہاں اس کو کیوں نہ اختیار کیا جاوے۔ اور یہاں یعنی قد جاء کم نور میں ہو سکتا ہے۔ پس یہاں یہ ہی مناسب ہوگا۔ دوسرے ہم انزلنا سے بھی رسول ہی مراد لے سکتے ہیں۔ چنانچہ ایک اور مقام پر ہے انزلنا الیکم ذکراً رسولاً رسولاً بدل بطور تفسیر ہے ذکراً سے یہاں بھی انزلنا کا معمول لفظ رسولاً واقع ہوا ہے۔ پس اس سے بھی تفسیر مختار پر کوئی غبار نہیں رہا خیر یہ تو طالب علموں کے کام کی ایک بات تھی۔ مقصود یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لانے کو بطور امتنان کے فرمایا ہے تو اس سے ہم کو سبق لینا چاہیئے کہ ہم ایک نور روزانہ ذکر کیا کریں۔ اور اگر کوئی کہے کہ قرآن کی تلاوت میں آہی جاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ مجمل ہوتا ہے۔ اس سے اکثر کچھ تفصیل نہیں سمجھ سکتے۔ دوسرا یہ سبق لینا چاہیئے کہ اس امتنان کے بعد یہ ارشاد ہے کہ ان سے ہدایت ہو اور اباع ہو۔ اور اگر یہ حاصل نہیں کیا تو محبت نہیں ہے۔ اسی کو کہتے ہیں ؎

تعصی الرسول وانت تظہر حبہٗ ہذا لعمری فی الفعال بدیع

لو کان حبک صادقاً لاطعتہٗ ان المحب لمن یحب مطیع

یعنی حیرت ہے کہ تم دعویٰ حب رسول کا کرتے ہو۔ اور پھر اُن کی نافرمانی کرتے ہو اگر تم سچے محب ہوتے تو ضرور اطاعت کرتے۔ کیونکہ محب محبوب کی اطاعت کیا کرتا ہے بس یہی بیان کرنا تھا۔ اس وقت اس کی تو گنجایش تھی ہی نہیں کہ مفصل حالات کا ذکر کرتا اس لئے اصول پر اکتفا کیا۔ دوسرے میں نے ایک کتاب[1] کا پتہ بھی دیدیا ہے مفصل ذکر کو جس کا جی چاہے اُس کو منگا کر اپنے پاس رکھے۔ اب خدا تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ توفیق مرضیات عطا فرماوے اور ہم سب کو اپنی اور اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور اطاعت عطا فرماوے۔

آمین

[1] وہ کتاب نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب ہے یہ کتاب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات میں جامع و مستند ہے۔ میرے یہاں موجود ہے۔ قیمت فی جلد ۱۲ ہے۔

پیش از ہمہ شاہان غیور آمدۂ ہر چند کہ آخر بظہور آمدۂ

اے ختم رسل قرب تو معلومم شد دیر آمدۂ ز راہ دور آمدۂ

الظہور

الملقب

بسم المولد النبوی من المثنوی المعنوی

اَیْنَ	مَتٰی	کَمْ	کَیْفَ	ماذا	لِمَ	لِمَنْ اَیْ شانٌ	مَنْ ضَبَطَ	المستمعون	اعلانات
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنا ہوا	بیٹھکر یا کھڑے ہوکر	کیا مضمون تھا	سبب وعظ	کس طبقہ کو زیادہ مفید ہے	کس نے لکھا	سامعین کی تعداد	متفرقات
جامع مسجد تھانہ بھون	۱۲ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ	۲ گھنٹہ ۵۰ منٹ	بیٹھکر	حضورؐ کی ولادت شریفہ کا راز بطرز صوفیہ	تمہید میں مذکور ہے	جملہ طبقات کو عموماً اور اہل بدعت کو خصوصاً	مولوی عبداللہ صاحب	تقریباً ۴۰۰	اکثر عوام اور اقل اہل علم کا مجمع تھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

التماس از جامع وعظ ہذا عفی عنہ

یہ وعظ جن تین اشعار مثنوی مولانا رومؒ کی شرح ہے اُن کو قبل وعظ یکجا نقل کرنا حفظ ناظرین کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے

قال مولانا الرومی فی الدفتر السادس من المثنوی

معنی نختم علٰے افواہہم ایں شناس اینست رہرو را اہم

نختم علی افواہہم کے معنی یہی سمجھو یہ بات سالک کے لئے بہت ضروری ہے

۱ یعنی ظہور نبوۃ ۱۲

۲ یعنی قرب زمانی کی وجہ سے ہم کو معلوم ہوا ۱۲

تا ز راہِ خاتمِ پیغمبراں
تاکہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ پر چلنے سے

بو کہ برخیزد ز لب ختمِ گراں
ممکن ہے کہ یہ مہر گراں لب سے اُٹھ جاوے

ختمہائے کانبیا بگذاشتند
جو مہریں اور انبیا علیہ السلام چھوڑ گئے تھے

آں بدینِ احمدی برداشتند
اُن کو دین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کارکنان قضا وقدر نے اُٹھا دیا

قفلہائے ناکشادہ ماندہ بود
جو قفل بے کھلے رہ گئے تھے

از کفِ انّا فتحنا بر کشود
وہ صاحب انا فتحنا کے دست مبارک سے کھلے

او شفیعِ ایں جہان و آنجہاں
آپ شفیع ہیں اس عالم میں بھی اور اس عالم میں بھی

ایں جہاں در دین و آنجا در جناں
اس عالم میں تو دین کے باب میں اور اُس جگہ جنت کے باب میں

ایں جہاں گوید کہ تو رہ شاں نما
یہ عالم کہتا ہے کہ آپ ان لوگوں کو رستہ دکھلایئے

واں جہاں گوید کہ تو مہ شاں نما
اور وہ عالم کہہ رہا ہے کہ آپ انکو جمال محبوب جو مشابہ ماہ کے ہے دکھلایئے

پیشہ اش اندر ظہور و در کموں
آپ کا شیوہ علانیہ اور خفیہ یہ تھا

اِہْدِ قَوْمِیْ اِنَّہُمْ لَا یَعْلَمُوْن
کہ آپ دعا کرتے تھے کہ میری قوم کو ہدایت فرما دیجئے وہ لوگ جانتے نہیں

باز گشتہ از دمِ او ہر دو باب
آپ کے دم یعنی سخن سے دونوں دروازے مفتوح ہو گئے

در دو عالم دعوتِ او مستجاب
دونوں عالم میں آپ کی دعا مقبول ہے

بہرِ ایں خاتم شدست او کہ بجود
آپ خاتم اسی لئے ہوئے ہیں کہ فیض رسانی میں

مثل اونے بود ونے خواہند بود
نہ کوئی آپ کا مثل ہوا اور نہ آئندہ آپکے مثل ہونگے

چونکہ در صنعت برد استاد دست
جب کسی صنعت میں کوئی استاد سب سے فائق ہو جاتا ہے

نے تو گوئی ختم صنعت بر تو ست
تو کیا تم اس وقت یوں کہا نہیں کرتے کہ تم پر صنعت کا خاتمہ ہو گیا

در کشادِ ختمہا تو خاتمی
آپ ان ختوم کے فاتح ہونے میں بھی خاتم ہیں

در جہانِ روح بخشا حاتمی
روح عطا کرنے والوں کے عالم میں آپ حاتم ہیں

ہست اشاراتِ محمد المراد
محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اشارات

کل کشاد اندر کشاد اندر کشاد
کل کے کل فتوح در فتوح در فتوح ہیں

صد ہزاراں آفریں برجانِ او — بر قدوم و دورِ فرزندانِ او

آپ کی روح مطہر پر ہزاروں ثنا نازل ہوں — آپ کے فرزندوں کی تشریف آوری اور گشت فرمائی پر بھی

آں خلیفہ زادگانِ مقبلش — زادہ اند از عنصرِ جان و دلش

آپ کے وہ با اقبال شہزادے — جو آپ کے روح و قلب کے عنصر سے پیدا ہوئے ہیں

گر ز بغداد و ہرے یا از رے اند — بے مزاجِ آب و گل نسل وے اند

اگر وہ بغداد و ہرات کے ہوں یا رے کے ہوں — بدون ترکیب آب و گل کے آپ کی نسل ہیں

شاخِ گل ہر جا کہ روید ہم گل است — خمِ مل ہر جا کہ جوشد ہم مل است

شاخ گل جہاں بھی پیدا ہو وہ شاخ گل ہی ہے — خم شراب جہاں بھی جوش میں آ جائے، وہ شراب ہی ہے

وقال فی مقامٍ آخر

خود یکے بو طالب آں عمِ رسول — می نمودش شنعتِ عرباں مہول

خود ایک ابو طالب ہی تھے کہ جو رسول اللہ صلعم کے چچا تھے — جن کو عرب کی تشنیع ہولناک نظر آتی تھی

کہ چہ گویندم عرب کز طفلِ خود — او بگردانید دینِ معتمد

کہ مجھ کو عرب کیا کہیں گے کہ اپنے لڑکے سے — اُنھوں نے اپنا دین جو قابل اعتماد تھا بدل دیا

منصبِ اجداد و آبا را بماند — در پےِ احمد چنیں بے راہ براند

آباء و اجداد کا منصب چھوڑ دیا — احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے اس طرح بے راہ دوڑ گئے

آں رسولِ پاک باز بجتبیٰ — از پےِ آں تا رہاند ہر و را

رسول پاک باز مجتبیٰ نے — اس غرض سے کہ اُن کو خلاصی دیں

گفتش اے عم یک شہادت تو بگو — تا کنم با حق شفاعت بہر تو

ان سے یہ فرمایا کہ اے چچا تم ایک بار کلمہ شہادت کہہ لو — تا کہ میں حق تعالیٰ کے سامنے تمہارے لئے شفاعت کر سکوں

گفت لیکن فاش گردد از سماع — کلُّ سرٍّ جاوزَ الاثنینِ شاع

ابو طالب کہنے لگے لیکن سننے سے ظاہر ہو جاویگا — جو راز دو سے تجاوز کرتا ہے شائع ہو جاتا ہے

سلہ ترجمہ بجا صل است و دو صل راند متعدی است یعنی مرکب را براند چوں رواں کردن مرکب مستلزم است
رواں شدن را بمعنی مجازی ترجمہ کردہ شد ۱۲ منہ

من بمانم در زبانِ ایں عرب   پیش ایشاں خوار گردم زیں سبب
میں ان عربوں کی زبان پر رہوں گا   اُن کے سامنے اس سبب سے بے قدر رہوں گا
لیک اگر بودیش لطفِ ماسبق   کے بدے ایں بددلی یا جذبِ حق
لیکن اگر اُن پہ لطفِ ازلی ہوتا   تو جذبۂ حق تعالیٰ کے ہوتے ہوئے یہ بددلی کیوں ہوتی

وقال فی مقام آخر

چوں جمالِ احمدی در ہر دو کون   کے بدست اے فرِ یزدانیش عون
جمالِ احمدی کی برابر دونوں عالم میں   کب ہوا ہے اے مخاطب۔ نورِ الٰہی اُن کا معین ہے
نازہائے ہر دو کون او را رسد   غیرتِ آں خورشید صد تو را رسد
دونوں عالم کے نازوں کا آپکو استحقاق پہونچتا ہے   رشک اُس صد درجہ خورشید کو پہونچتا ہے
کاندر افگندم بکیواں گوے را   در کشید اے اختراں ہیں روئے را
کہ میں نے زحل پر گیند پھینکی ہے   اے ستارو خبردار اپنا مُنھ نہ چھپا لو
در شعاعِ بے نظیرم لا شوید   ورنہ پیشِ نورِ من رسوا شوید
میری شعاعِ بے نظیر میں تم معدوم ہو جاؤ   ورنہ میرے نور کے سامنے رسوا ہوگے

وقال فی مقام آخر

پس محمد صد قیامت بود نقد   زانکہ حل شد در فنایش حل و عقد
پس محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سو قیامت حاضر تھے   کیونکہ آپ کے آستانہ میں حل و عقد حل ہو گیا
زادۂ ثانی است احمد در جہاں   صد قیامت بود او اندر عیاں
آپ مولودِ ثانی ہیں عالم میں   آپ سو قیامت تھے عیاناً

الوعظ

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہ واصحابہ وبارک وسلم۔ **اما بعد**

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَكْرَتِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ط

تمہید متعلق بہ عمرک و تعیین مضمون

یہ ایک آیت ہے سورہ حجر کی اس سے مجھ کو اپنا بیان مستنبط کرنے کی حاجت نہیں بلکہ اُس مقصود کی اس آیت میں تصریح ہے صرف اس کی تفسیر کرنا منظور ہے میں نے اُس مقصود کی اجمالی تعیین اثناء خطبہ جمعہ میں نماز سے قبل کر دی ہے[ف] جس کا حاصل جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے فضائل کے ساتھ دنیا میں حضور کی تشریف آوری کا راز بیان کرنا ہے اسی لئے کہ حضور کی ولادت شریف و دیگر حالات کے متعلق حکایات و واقعات تو بیان کئے ہی جاتے ہیں اور اُن میں حظ بھی ہے اور نیز اگر منکرات سے خالی ہو طاعت بھی ہے اسی لئے کہ حضور کا ذکر شریف حق تعالیٰ ہی کا ذکر ہے اور میں اگر اُس ذکر کے اندر کوئی کوتاہی نہ دیکھتا تو اُس پر ہی اقتصار و قناعت کرتا۔ مگر دیکھا جاتا ہے کہ اس میں ایک بڑی کوتاہی ہو رہی ہے اسی لئے اُس کے ساتھ دوسرا ضروری مضمون یعنی اُس کا راز بھی بیان کرنا ضروری ہوا تاکہ اُس کے جاننے سے اُس کوتاہی کی بھی اصلاح ہو۔ تفصیل اُس کی یہ ہے کہ اوّل یہ سمجھو کہ شریعت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے

غلو فی الدین کی حقیقت اور اس کی مذمت

کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہر شے کی ایک حد مقرر فرمائی ہے اُس سے آگے بڑھنے کو غلو فی الدین کہا جاتا ہے جس کی نسبت ارشاد ہے لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ۔ مخاطب اسکے

[ف] اطلاع حاضرین کے لئے کہدیا تھا کہ بعد نماز فلاں مضمون بیان ہوگا تاکہ شائقین ٹھیر جاویں ۱۲ منہ

اہل کتاب ہیں۔ وہ جناب عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدح میں بیحد مبالغہ کرتے تھے نبی کریم کی مدح کرنا عین طاعت ہے۔ لیکن اگر حدود نہ ہوتے تو یہ کہا جاتا کہ جس قدر مدح کی جاوے سب طاعت ہے لیکن وہ تو حدود سے تجاوز نہ کرے گئے۔ اور اپنی حد سے جو شے بڑھیگی وہ منہی عنہ ہوجاویگی حتیٰ کہ حق تعالیٰ کے کمالات حالانکہ غیر محدود ہیں لیکن غلو اس میں بھی جائز نہیں وہاں بھی غلو کے معنی یہی ہیں کہ حد شرعی سے آگے بڑھے یعنی غیر واقعی امر کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب کرے۔ اتنا فرق ہے کہ اگر غیر واقعی کمال کو بشر کی طرف منسوب کرے تو وہ کمال گنا جاتا ہے اور اگر اس میں ہوتا تو کمال ہی ہوتا بخلاف حق تعالیٰ کے کہ اگر اس کے لئے کسی امر غیر ثابت کو ثابت کرے تو وہ کمال نہیں نقص لازم آجائے گا مثلاً یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ اتنے بڑے قادر ہیں کہ اپنے شریک پر بھی قادر ہیں تو یہ صفت مدح نہیں اسی لئے کہ جب شریک تجویز ہوا تو وہ شریک فی القدرت بھی ہوگا۔ اور جب شریک فی القدرت ہوا تو قدرت جس کے اندر یہ مبالغہ کرنا تھا ناقص ہوگی۔ پس جب اللہ تعالیٰ کے لئے بھی امر غیر واقع کو ثابت کرنا جائز نہیں تو انبیاء کے لئے تو کیسے جائز گا پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام دیکھئے کتنے بڑے پیغمبر ہوئے ہیں کہ غایت قرب اور بلا واسطۂ ظاہرہ کے پیدا ہونے کے سبب سے آپ کا لقب روح اللہ ہے۔ لیکن وہ ظالم اس روح اللہ کے معنی میں حد سے تجاوز کرکے جزئیت کے خواہ اعتقاداً یا تقولاً قائل ہوگئے اور تعمیم میں نے اس لئے کی کہ عقلاء تو جزئیت بالمعنی الحقیقی کے قائل ہو ہی نہیں سکتے اسی لئے کہ محال عقلی ہے گو تقولاً ہوں باقی جو عقل سے معرا ہیں وہ جو چاہیں کہیں پس اہل کتاب کے اس تجاوز عن الحد کے بارہ میں ارشاد ہے یٰۤاَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الْحَقَّ۔ یعنی اے اہل کتاب تم لوگ اپنے دین میں حد سے مت بڑھو۔ اور اللہ پر بجز حق بات کے مت کہو۔ اور وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الْحَقَّ میں ایک نکتہ عجیب اسی وقت سمجھ میں آیا ہے اور وہ میرے مقصد کی پوری دلیل ہے وہ یہ ہے کہ وہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے تو اس کا مقتضا تو یہ تھا کہ یہ فرماتے لَا تَقُوْلُوْا عَلٰی عِیْسٰی اِلَّا الْحَقَّ یعنی عیسیٰ پر سوائے حق بات کے مت کہو پھر

غلو کی تعریف اور اس کا حکم

تفسیر آیۃ یا اہل الکتاب لا تغلوا فی دینکم اور ایک نکتہ عجیبہ

علی اللہ کیوں فرمایا۔ پس سمجھئے کہ علی اللہ فرمانے میں اشارہ اس طرف ہے کہ جب مخلوق
کی شان میں حد سے تجاوز کروگے تو یہ ضرور خدا تعالیٰ کی تنقیص ہوگی۔ پس عیسیٰ علیہ السلام
کو خدا کا بیٹا کہنا یہ تنقیص ہے باری تعالیٰ کی۔ یہاں سے سمجھ میں آگیا ہوگا کہ ہم لوگ
جو بدنام ہیں کہ رسول کی مدح جو حد کے اندر ہو اس کو اپنا ایمان سمجھتے ہیں ہاں ہم خدا
تعالیٰ کی تنقیص کو منع کرتے ہیں۔ پس رسول کی اتنی مدح کرنا کہ جس سے حق تعالےٰ
کی شان میں بے ادبی ہو یہ رسول کی تو ظاہراً مدح ہوگی لیکن واقع میں اللہ تعالےٰ
کی شان میں گستاخی اور بے ادبی ہوگی۔ ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص کسی کی اتنی مدح
کرے کہ اس کے باپ کی اہانت ہو جاوے پس ایسی مدح کو وہ بیٹا کبھی پسند نہ کریگا
بلکہ اُس سے ناراض ہوگا پس لا تقولوا علی اللہ الا الحق سے صاف ظاہر ہو گیا کہ
مدح کے اندر حد شرعی سے بڑھنا یہ خدا تعالیٰ کی تنقیص ہے۔ آگے جو ارشاد ہے اُس سے
میرا مقصود جو نکتہ کے عنوان سے بیان کیا ہے بہت صاف ظاہر ہو رہا ہے کیونکہ لا
تقولوا علی الحق بھی اس مدح عیسوی ہی کے متعلق ہے اور وہ ارشاد یہ ہے کہ
انما المسیح عیسی ابن مریم رسول اللہ یعنی مسیح عیسیٰ ابن مریم اور کچھ نہیں ہیں
صرف اللہ کے رسول ہیں۔ پس اگر آیت کے یہ معنی نہ ہوں جو میں نے بیان کئے ہیں
تو درمیان میں لا تقولوا علی اللہ الا الحق بالکل بے ربط معلوم ہوتا ہے اسی لئے
کہ اول و آخر میں تو عیسیٰ علیہ السلام کا بیان ہے اور درمیان میں لا تقولوا علی اللہ
الا الحق کے کیا معنی۔ پس صاف ظاہر ہے کہ مدعا یہی ہے کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام کی
جزئیت کے قائل ہوگے تو اللہ تعالیٰ پر بہتان ہوگا اور اس سے تنقیص جناب
باری تعالیٰ کی لازم آئے گی۔ پس مدح بھی اسی وقت تک جائز ہوگی کہ حد سے
نہ گذرے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شان میں بھی سمجھ لو کہ حضور کی
نعت اسی حد تک جائز ہوگی کہ حد شرعی سے متجاوز نہ ہو۔ باقی اُس کی حد کیا ہے اس
کو مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بہت مختصر لفظوں میں بیان کردیا ہے
وہ یہ ہے ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔ یعنی خواص ربوبیت کے علاوہ سب

کمالات حضور کے لئے امکاناً تو سب ثابت اور وقوعاً جس میں روایت وارد ہو وہ ثابت اور خواص ربوبیت کے علاوہ اگر کوئی ایسا امر ثابت کروگے جو روایت سے ثابت نہ ہو تو یہ کذب اور گناہ تو ہوگا لیکن اس سے تنقیص حق تعالیٰ کی لازم نہ آوے گی خلاصہ یہ ہے کہ مدح نبوی کے اندر دو چیزوں کی رعایت رکھو۔ ایک تو یہ کہ حضور کو خدا کے درجہ میں مت پہونچاؤ دوسرے یہ کہ وہ امر ثابت کرو کہ روایات ثابتہ اس کی مساعد ہوں ان دو امروں کی رعایت کے بعد جو چاہو ثابت کرو کوئی منع نہیں کرتا۔ مختصر یہ ہے کہ اس باب میں نسبت الوہیت اور کذب سے احتراز رکھو۔ لیکن چونکہ ابنائے زمان ان دونوں باتوں سے اجتناب نہیں کرتے۔ حضور کی شان کو ایسا بڑھاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ تک پہنچا دیتے ہیں اور حکایات و واقعات وہ بیان کرتے ہیں کہ روایات صحیحہ میں اُن کا پتہ بھی نہیں اور اس کی اصلاح ضروری ہے اسی لئے ہم حکایات و واقعات سے زیادہ ضروری مضمون بیان کرتے ہیں جس کو میں نے راز ولادت سے تعبیر کیا ہے۔ اور اگر یہ غلو ہم نہ دیکھتے تو ہم بھی صرف واقعات صحیحہ بیان کرتے اسی لئے کہ ؎

اعد ذکر نعمان لنا ان ذکرہ عہ | ھو المسك ما کررتہ یتضوع

اور اسی لئے کہ محبوب کا خالی ذکر بھی مایۂ تسلی ہے بمفوائے حکایت ؎

دید مجنوں را یکے صحرا نورد | در بیابانِ غمش بنشستہ فرد
ریگ کاغذ بود انگشتاں قلم | می نمودے بہر کس نامہ رقم
گفت اے مجنونِ شیدا چیست ایں | می نویسی نامہ بہرِ کیست ایں
گفت مشقِ نام لیلےٰ می کنم | خاطرِ خود را تسلّی می کنم

پس حقیقت یہ ہے کہ محبوب کا ذکر بھی محبوب ہے لیکن کیا گیا جاوے اسی محبوب کے امر کی وجہ سے یہ بھی اختیار کیا جاتا ہے کہ محبوب کے احکام کا ذکر زیادہ اہتمام سے ہو اسی لئے میں واقعات بیان نہ کروں گا۔ نیز وقت بھی نہیں اور ضرورت بھی نہیں اسی لئے

عہ نعمان کے ذکر کا اعادہ کر اسی لئے کہ اُس کا ذکر مشک ہے جتنا اُس کو مکرر کروگے مہکے گا ۱۲

قرآن مجید کے اندر قصص واقعات سے انکی غایات مقصود ہیں۔

کہ بفضلہ تعالیٰ وہ واقعات جو کہ علمائے محققین عہ نے صحیح صحیح روایات سے مدوّن کر دئے ہیں مشہور اور السنہ پر مذکور ہیں اسی لئے میں بجائے حضور کی تشریف آوری کے واقعات کے وہ حکمت اور راز بیان کرنا چاہتا ہوں جو حضور کے تشریف لانے سے مقصود ہے اور نیز حضور کے واقعات اور حکایات کا بھی مقصود اور غایت اصلی وہ ہی ہے۔ اور قرآن مجید کے اندر بھی غور کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جتنے واقعات اور قصص حق تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں مطمح نظر اُن سے اُن کی غایات ہی ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے کتاب انزلناہ الیک لتخرج الناس من الظلمات الی النور۔ یعنی یہ کتاب ہے ہم نے اس کو آپ کی طرف اسی لئے نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو تاریکیوں سے نور کی طرف نکالیں۔ اور ارشاد ہے ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ یعنی اللہ تعالیٰ ایسے ہیں کہ انھوں نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ اسی لئے بھیجا ہے کہ اُس دین کو تمام دینوں پر غلبہ دیدیں اور فرماتے ہیں قد انزل علیکم ذکرا رسولا یتلوا علیکم اٰیٰت اللہ مبینٰت لیخرج الذین اٰمنوا وعملوا الصٰلحٰت من الظلمٰت الی النور۔ یعنی بیشک اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے ایک یاد داشت (یعنی رسول کو) کہ وہ تم پر اللہ کی آیات پڑھتے ہیں کہ وہ آیات (حق کو) ظاہر کرنیوالی ہیں تاکہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور عمل نیک کئے ہیں ان کو تاریکیوں سے نور کی طرف نکالیں۔ آیت موخر الذکر میں اللہ تعالیٰ نے ذکر اور رسول کو مبدل منہ اور بدل واقع کر کے گویا ایک قرار دیا ہے۔ اس سے عقلاء سمجھ سکتے ہیں کہ حضور کی ذات مقدس سے مقصود ذکر ہے۔ بہرحال قرآن شریف کے اندر جہاں حضور کا ذکر ہے وہاں غایت بھی حق تعالیٰ نے بیان فرمائی۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ حضور کی ذات بابرکات سے اور آپ کے واقعات سے وہ غایت ہی مطلوب ہے۔ پس الحمد للہ میرا یہ بیان اور دعویٰ بے دلیل نہیں رہا پس اس غایت و راز کو بیان کرنا عین امتثال ہے اللہ تعالیٰ

عہ چنانچہ اس بحث میں خود حضرت مولانا مدظلہم العالی نے نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب تصنیف فرمائی ہے جو قابل دید ہے ۱۲ جامع وعظ

کے ارشادات کا۔ اور نیز یہ اس حیثیت سے افضل ہوگا صرف واقعات کو بیان کرنے سے۔ یہ تو اجمالی تعیین تھی مقصود کی اس کے بعد سمجھئے کہ میں نے خطبہ جمعہ میں وعدہ بیان کے ساتھ یہ بھی قید لگائی تھی کہ میں آپ کی تشریف آوری کا راز حضرات صوفیہ و اہل اسرار کے طرز پر بیان کروں گا۔ سو اس کی وجہ یہ ہے کہ حقیقت کو ان ہی حضرات نے خوب سمجھا ہے۔ اور لوگ تو الفاظ ہی میں ہیں اور یہ لوگ اسرار سمجھتے ہیں انکی تحقیقات اور علماء ظاہر کے علوم میں ایسا فرق ہے جیسے ایک شخص تو کتاب خوان نعمت سے لڈو پیڑے برفی۔ بالوشاہی کے بنانے کی ترکیب اور طریقے بیان کرتا ہو کہ لڈو بنانے کی یہ ترکیب ہے اور بالوشاہی اس طرح بنتا ہے تو اس سے بنانے کی ترکیب تو معلوم ہوئی لیکن حقیقت معلوم نہ ہوئی کہ وہ کیا ہیں۔ اور دوسرے شخص نے بالوشاہی اور لڈو منھ میں رکھدئے گو اس کو بنانے کی ترکیب بھی معلوم نہ ہو۔ حضرت قبلہ حاجی صاحب قدس سرہ کے یہاں ایک مولوی صاحب جو پہلے بھی کسی شیخ سے مثنوی پڑھ چکے تھے حضرت حاجی صاحبؒ سے مولانا رومیؒ کی مثنوی شریف پڑھتے تھے حاجی مرتضیٰ صاحب لکھنوی اس وقت وہاں موجود تھے انھوں نے ان مولوی صاحب سے پوچھا کہ تم تو خود عالم ہو پھر مثنوی بھی پڑھ چکے ہو پھر تم حضرت حاجی صاحبؒ سے کیوں پڑھتے ہو۔ انھوں نے فرمایا کہ آپ کچھ علوم پڑھے ہوئے بھی ہیں۔ حاجی مرتضیٰ صاحب نے کہا کہ میں نے علوم میں سے تو کچھ نہیں پڑھا۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ اگر آپ عالم ہوتے تو علماء کے طرز پر آپ کو سمجھا دیتا۔ اب میں ایک موٹی سی مثال بیان کرتا ہوں اس سے تم کو اندازہ ہو جائے گا کہ ہمارے پہلے پڑھنے پڑھانے میں اور حضرت کے پڑھانے میں کیا تفاوت ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک مکان عالیشان ہے۔ ایک شخص نے اس کے دروازہ پر کھڑا کر کے کہا کہ اس مکان کے اندر اتنے کمرے ہیں۔ اتنا سامان ہے۔ فلاں جگہ گھنٹہ لگ رہا ہے۔ اور فلاں جگہ یہ ہے۔ فلاں جگہ وہ ہے۔ غرض اس کے اندر جو کچھ ہے اس کی تمام فہرست بے کم و کاست ایسی بیان کر دی کہ کوئی امر متروک نہ رہا مگر صرف فہرست ہی بتلائی۔ باقی دکھلائی کوئی شئے نہیں۔ دوسرا شخص آیا اس نے

راز آمد کو حضرات صوفیہ کے طرز پر بیان کیا جاوے گا

حضرات صوفیہ اور علماء ظاہر کی تحقیقات میں بڑا فرق ہے بعنوان مثال

فہرست کا تو ایک حرف نہ بتایا مگر یہ کیا کہ ہاتھ پکڑ کر اس مکان کے اندر لیجا کر کھڑا کر دیا کہ اس کے سب سامان اور زینت آنکھوں کے سامنے ہو گئے۔ پس حضرت کا پڑھانا تو ایسا ہے جیسے مکان کے اندر کھڑا کر دیا ہو۔ اور پہلی تعلیم ایسی ہے کہ فہرست بتا دی ہو پس ان حضرات کے علوم واقع میں عین الیقین ہوتے ہیں۔ پس اہل اسرار سے مراد یہ لوگ ہیں۔ ان کے طرز پر میں بیان کرنا چاہتا ہوں۔ مگر اس سے کوئی صاحب یہ نہ سمجھیں کہ وہ مضمون اہل اسرار کا مخترع ہوگا اور ثابت بالکتاب والسنۃ نہ ہوگا یاد رکھو کہ وہ حضرات جو کچھ سمجھے ہیں وہ کتاب وسنت ہی سے سمجھے ہیں۔ کوئی شئے خارج اس سے زائد ان کے پاس نہیں ہے۔ اور اگر کتاب وسنت سے خارج کوئی شئے ہوگی تو وہ خود مردود ہے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ صوفیوں کے پاس کچھ علوم واحکام شریعت سے علٰحدہ بھی ہیں سو یہ بالکل غلط ہے۔ اُن کا علم قرآن وحدیث سے ہی ہے فرق اتنا ہے کہ اور لوگ سمجھتے نہیں وہ حضرات سمجھتے ہیں۔ اور یہ خیال لوگوں کا بہت پُرانا ہے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور سے کچھ علوم واحکام ایسے پہونچے ہیں کہ کسی دوسرے کو نہیں بتائے گئے لیکن اس کے صحیح و غلط ہونے کا معیار خود حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کا قول کافی ہے مگر اُن سے پوچھے کون سو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ کسی باہمت نے خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھ بھی لیا۔ چنانچہ بخاری کی جو کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے۔ روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا۔ هَلْ خَصَّكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَيْءٍ دُوْنَ النَّاسِ یعنی کیا تم کو حضور نے ایسی خاص بات بتائی ہے جو اوروں کو نہیں بتائی قَالَ لَا اِلَّا فَهْمًا أُوْتِيَهُ الرَّجُلُ فِي الْقُرْاٰنِ۔ فرمایا کہ ہرگز نہیں مگر ہاں ایک سمجھ کہ آدمی کو قرآن یعنی دین کے اندر عطا ہوتی ہے۔ پس حضرات صوفیہ واہل اسرار کو حق تعالیٰ نے قرآن وحدیث کی سمجھ ایسی عطا فرمائی ہے کہ وہ اُس سمجھ سے کام لے کر جب کسی کو سمجھاتے ہیں تو بعد اُن کے بتانے کے سمجھ میں آجاتا ہے کہ یہ قرآن وحدیث ہی ہے اور لوگوں کو بدون اُن کے بتائے

سمجھ میں نہیں آتا۔ اور یہی معیار ہے اُن تحقیقات کے صحیح اور ثابت ہونے کا کہ اگر بعد سمجھانے کے یہ روز روشن کی طرح معلوم ہونے لگے کہ یہ تحقیقات قرآن و حدیث کے خلاف نہیں تو وہ صحیح ہیں اور اگر بعد سمجھانے کے بھی مخالف معلوم ہوں تو غلط اور تصنیف یاراں ہے۔ اور اُس کا وہی درجہ ہے جیسا ایک شخص کی حکایت ہے کہ اُس نے وَالضُّحٰی وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی کے معنی بیان کئے تھے۔ کہ اے نفس تیری یہی سجا دسزا ہے۔ اور ایک بانوا فقیر نے کسی سے پوچھا کہ بتا محمدؐ کا رتبہ بڑا ہے یا رزق کا اُس نے کہا کہ حضورؐ کا مرتبہ بڑا ہے۔ کہنے لگا کہ بے پیرا ہی رہا۔ دیکھ سوٹے کو سر پر گھما کر کہا اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ دیکھ اَنَّ پہلے آیا ہے محمدؐ پیچھے آئے۔ اَنَّ ہندی میں کہتے ہیں رزق کو۔ پس رزق کا مرتبہ بڑا ہے۔ یہ فقیری ہے کہ روٹیوں کا مرتبہ رسول سے بڑھا دیا۔ تو کیا ان خرافات کو تفسیر کہا جاوے گا۔ غرض میری مراد راز سے یہ ہے کہ سمجھانے کے بعد سمجھ میں آجاوے کہ یہ مدلول قرآن و حدیث ہی کا ہے وہ راز مراد نہیں جو مخترع اور من گھڑت ہے ایک بات تو یہ تھی جو قبل مقصود بیان کرنا تھی۔ دوسری بات اور ہے جو اس سے اہم ہے اور وہ راجح ہے سنت و بدعت کی طرف وہ یہ ہے کہ ماہ ربیع الاول شریف کو شریف اسی لئے کہا کہ حضورؐ کی اس ماہ میں ولادت ہوئی ہے۔ اور جس زمانہ میں آپ کی ولادت ہوئی ہو وہ ماہ ایسا نہیں ہے کہ حضورؐ کی ولادت سے اُس میں شرف نہ آوے جیسے کہ ولادت شریف کا مکان اسی وجہ سے معظم ہے کہ حضورؐ کی جائے ولادت ہے چنانچہ آجتک وہ موضع شریف محفوظ ہے۔ اور لوگ اُس کی زیارت کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ زمان بھی شریف ہوگا جس زمانہ میں حضورؐ کی ولادت ہوئی ہے خوب کہا ہے ؎

در منزلے کہ جاناں روزے رسیدہ باشد ۔۔۔ با خاک آستانش داریم مرحبا ئے

ایک اور عاشق صاحب حال کہتا ہے ؎

بمقامیکہ نشانِ کفِ پائے تو بود ۔۔۔ سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

اس کا یہ مطلب نہیں کہ اُس مقام کو سجدہ کریں بلکہ مطلب یہ ہے کہ حضورؐ کے مقدم شریف کے موقع پر اُس کے متبرک ہونے کے سبب اہم سجدے کیا کریں۔ یہ شعر تو مکان کے شرف

صوفیہ کے اسرار اور تحقیقات کی صحت کا معیار

جاہل فقیروں کی جہالت کی دو حکایتیں

ماہ ربیع الاول کی فضیلت اور عجب طرفہ

میں ہے اور اگر وہ زمان ہے تو اُس میں بھی حضور شہرت آویگا۔ اور وہ ماہ ربیع الاول شریف ہے جس کی نسبت کوئی قائل کہتا ہے ؏

لھذا الشھر فی الاسلام فضل   ومنقبۃ تفوق علی الشھور

یعنی اس ماہ کے لئے اسلام میں ایک فضیلت ہے اور ایسی منقبۃ و فضیلت ہے جو بعض حیثیتوں سے تمام مہینوں کی منقبت پر بڑھی ہوئی ہے اور بعض حیثیتوں سے اسی لئے میں نے کہا کہ رمضان المبارک کی فضیلت تو حق تعالیٰ نے بیان بھی فرمائی ہے اور ماہ ربیع الاول کی فضیلت صرف بنائی ہے۔ پس رمضان المبارک کی فضیلت تو بنائی بھی اور بتلائی بھی اور ربیع الاول کی صرف بنائی ہے۔ بتلائی نہیں تو جسکی فضیلت بنائی بھی اور بتائی بھی وہ افضل ہے اُس ماہ سے جسکی فضیلت صرف بنائی ہو اور بتائی نہ ہو اسی لئے میں نے من وجہ کہا اور وہ وجہ و حیثیت یہی ہے کہ اس ماہ میں حضور کی ولادت ہوئی پس اس حیثیت خاص سے اُس کو رمضان پر بھی فضیلت ہے۔ اور اگر نظر کو زیادہ وسیع کیا جاوے تو رمضان المبارک کو اس حیثیت سے بھی ربیع الاول پر فضیلت ہو سکتی ہے اس لئے کہ ربیع الاول میں یہ شرف کہاں سے آیا آپ کی ولادت شریفہ کا ظرف ہونے سے۔ اور رمضان المبارک میں شرف کیوں ہے آپ کی عبادت شریفہ کا ظرف ہونے سے۔ پس ربیع الاول شریف تو ولادت شریفہ کا ظرف ہے اور رمضان المبارک عبادت مبارک کا ظرف ہوا۔ اور ظاہر ہے کہ حضور کی عبادت آپ کی ولادت سے افضل ہے اس لئے کہ مقصود اور غایت ولادت سے عبادت ہی ہے پس عبادت شریفہ کا ظرف ولادت شریفہ کے ظرف سے افضل ہے لیکن تاہم ربیع الاول کو اس خاص حیثیت سے کہ حضور کی اس میں ولادت باسعادت ہوئی ہے حضرۃ رمضان المبارک پر فضیلت ہے۔ آگے شاعر کہتا ہے ؎

رَبِیعٌ فِی رَبِیعٍ فِی رَبِیعٍ   وَنُورٌ فَوقَ نُورٍ فَوقَ نُورٍ

یعنی حضور کا وجود باوجود خود بہار ہے پھر ولادت شریفہ کا ماہ بھی ربیع کا جسکے معنی بہار کے ہیں۔ اور وہ موسم بھی بہار کا تھا۔ اور حضور خود نور جو سب انوار سے فائق ہے۔ یہ وجہ تھی

ؑ اس کے ساتھ کا دوسرا شعر آگے آتا ہے۔

ہے شریف کہنے کی۔ اب میں اُس مضمون اہم کی طرف راجع ہوتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ یہ ماہ ہے ربیع الاول شریف کا اور اسی میں میں یہ مضمون بیان کر رہا ہوں تو شاید پڑھے لکھے لوگوں کو شبہ ہو کہ ہم میں اور اہل بدعت میں کیا فرق رہا۔ وہ بھی بیان کے لئے اس ماہ کی تخصیص کیتے ہیں اور تم نے بھی کی۔ تو بات یہ ہے کہ ہمارے یہاں کوئی تخصیص نہیں تخصیص کیسے یہاں تو کوئی وعظ اور کوئی بیان اس سے خالی نہیں جاتا کہ آپ کی تشریف آوری کی حکمتیں اور غایات اور اسرار و مقاصد کہ محصل اُن کا اتباع کامل ہے اس میں بیان نہ ہوں لیکن اب بھی شاید کسی کو شبہ ہو کہ اور زمانوں میں تو اس خاص اہتمام کے ساتھ اس کا بیان نہیں ہوا اس طرح خاص اسی ماہ میں کیوں کیا گیا تو اسی لئے عرض ہے کہ ہم نے اس ماہ کو اس ذکر کے لئے من حیث انہ زمان الولادۃ مخصوص نہیں کیا بل من حیث انہ یذکر فیہ اہل البدعۃ ذکر الولادۃ ولا یحترزون عن البدعات (یعنی) اس وجہ سے تخصیص اس ماہ کی نہیں کی گئی کہ اس میں ولادت شریفہ ہوئی ہے اس لئے کہ شریعت میں تو اس کا پتہ نہیں بلکہ اس وجہ سے یہ تخصیص کی ہے کہ اہل بدعت اس ماہ میں ذکر ولادت شریفہ کی مجالس کیا کرتے ہیں اور اُن میں بدعات سے نہیں بچتے ۱۲ جامع) جیسے حکیم صاحب اسی وقت دوا دیں گے جب درد ہو۔ اور جب درد جاتا رہا گو دوا دینا اُس وقت بھی اس حیثیت سے کارآمد ہے کہ جب کبھی درد ہوگا استعمال کریں گے لیکن درد کے وقت کو تو اس وقت پر ترجیح ہو ہی گی۔ بالفعل تو وہ کارآمد نہیں ؎

هر کجا پستی است آب آنجا رود | هر کجا مشکل جواب آنجا رود
هر کجا دردے دوا آنجا رود | هر کجا رنجے شفا آنجا رود

گو اس شعر میں رنج اور شفا سے مراد اور ہے یعنی طلب و عشق و وصول لیکن اگر الفاظ کے عموم سے امور منکرہ اور اُن کی صلاح کو بھی شامل ہو تو کیا حرج ہے پس درد اور مرض جب دیکھا جاتا ہے جب ہی دوا دیجاتی ہے۔ اور وہ مرض اسی ماہ میں شروع ہوتا ہے اسی لئے مناسب معلوم ہوا کہ اسکا معالجہ اور اصلاح کی جاوے۔

ربیع الاول کی تخصیص کی وجہ

بخلاف اس کے کہ چار ماہ پہلے یا پیچھے یہ مضمون بیان کیا جاتا کہ گو مفید ہوتا لیکن اس
مدت کے اندر لوگ اس کو بھول بھال جاتے اور اتنی ہم نے ان کی مخالفت بھی کر لی کہ وہ
لوگ تو بارھویں کا انتظار کرتے ہیں ہم کو اتنا صبر کہاں تھا کہ بارھویں کا انتظار کرتے یہاں
تو اس ماہ کے شروع ہوتے ہی اضطراب شروع ہوا کہ بیان کرو اس لئے ہم نے سب سے
اول کے جمعے ہی کو شروع کر دیا۔ اس مخالفت کرنے سے اب ہم پر کچھ بھی شبہ نہیں ہو سکتا
ایک دوست بیان کرتے تھے کہ ہم کو ایک مرتبہ ایک اسلامی یعنی مسلمانوں کے ہوٹل
میں کھانا کھانے کا اتفاق ہوا۔ ہوٹل میں میز کرسی پر کھانا کھاتے ہیں۔ چنانچہ میز پر کھانا
چن دیا گیا ہم نے عمر بھر میں اس طرح کھانا نہ کھایا تھا۔ اس لئے کہ تشبہ ہے نصاریٰ
کے ساتھ ہم نے دو طرح سے اس تشبہ کو توڑا۔ ایک تو یہ کیا کہ اپنے ہاتھ میں برتن کھانے
کا لے لیا وہ لوگ ہاتھ میں لے کر نہیں کھاتے بلکہ میز پر رکھا ہوا کھاتے ہیں۔ دوسرے
مخالفت یہ کی کہ سب نے ملکر ایک برتن میں کھایا اور وہ ملکر نہیں کھاتے اپنے اپنے سامنے
سے کھاتے ہیں۔ یہ مجھے ایک مرتبہ حیدرآباد جانے کا بطریق سیاحت اتفاق ہوا پھرتے
پھرتے کھانے کا وقت آگیا۔ کھانے کے لئے مغل کے ہوٹل میں گئے۔ وہاں کھانا رکھنے
کے لئے میز اور بیٹھنے کے لئے تپائیاں تھیں۔ ہم نے کہا کہ ہم لوگ تو اس پر کھانا نہ کھاوینگے
اُن لوگوں نے کہا کہ یہاں تو اسی طرح کھانا کھایا جاتا ہے ہم نے کہا کہ ہم لوگ طالب علم
ہیں ہم کچھ تصنیف کر لیں گے۔ چنانچہ میں نے ساتھیوں سے کہا کہ ان سب تپائیوں کو جوڑ دو
چنانچہ وہ جوڑی گئیں تو وہ ایک تخت سا ہو گیا پھر سب نے بیٹھ کر اُس پر ثقہ آدمیوں کی طرح
کھانا کھایا۔ پس ہم نے یہاں بھی اہل بدعت کی اتنی مخالفت کر لی۔ اسکے بعد تو اگر واقعات
اور قصص بھی ہم بیان کرتے تب بھی کچھ حرج نہ تھا۔ اور اب تو صرف زیادہ مقصود بالبیان
حضور کی تشریف آوری کا راز بغرض تنبیہ و اصلاح دین ہے اسلیئے شبہ کی بھی کوئی بات
نہیں۔ یہ دو مضمون تو قبل مقصود بطور تنبیہ کے تھے ان کو تمہید نہیں کہہ سکتے۔ اب قبل مقصود
عرض کرنے کے ایک مضمون بطور تمہید کے بیان کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ میں نے کہا تھا
کہ حضور کی تشریف آوری کا راز بطرز اہل ائمہ اور صوفیہ کے بیان کروں گا۔ تو جاننا چاہئے

تمہید

کہ صوفیہ واہل اسرار بکثرت گذرے ہیں اور عجب نہیں کہ انھوں نے مختلف طور سے اس مضمون کو بیان فرمایا ہو مگر اس سے تو جی گھبراتا ہے کہ کتابیں ٹٹولی جاویں اور سب میں تلاش کیا جاوے اور بزرگوں کے ملفوظات دیکھے جاویں۔ کام کی بات اگر ایک معتمد جگہ سے بھی ملجاتی ہے تو قناعت ہو جاتی ہے اسی واسطے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اس کی کوشش مت کرو کہ بزرگوں کے ملفوظات از بر کرلو بلکہ اس کی سعی کرو کہ تم خود ایسے بن جاؤ کہ تمھارے منھ سے بھی وہی نکلنے لگے جو اُن ملفوظات والوں کے منھ سے نکلا ہے۔ مگر ہم سوا اُن ایسے تو کہاں ہوئے تھے لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ زیادہ کاوش سے جی گھبراتا ہے۔ اگر مقنع مضمون ایک مقام سے مل جاتا ہے تو بس اُسی پر کفایت کی جاتی ہے۔ دوسری بات یہ کہ پہلے سے کچھ قصد بیان کا تھا بھی نہیں۔ نہ کوئی مضمون ذہن میں حاضر تھا۔ دفعتہً ہی دل میں آیا کہ اس کے متعلق بیان کیا جاوے۔ اور اتفاق سے میں آج کل مثنوی شریف کے دفتر ششم کی شرح لکھ رہا ہوں۔ اس میں ایک مقام آگیا بلکہ چند مقامات کہ اُن میں اس کے متعلق مضمون ہے۔ اور مضمون بھی کافی۔ پس میں نے اُسی پر قناعت کی اس لئے کہ مضمون کافی اور کہنے والے یعنی مولانا رُومؒ کا صوفی و عارف و محقق ہونا مسلم الثبوت۔ تو پھر کفایت کیوں نہ ہو اور پھر مثنوی شریف ایک ایسی عجیب اور مقبول کتاب کہ اس کی مقبولیت بھی عام۔ ہاں جو محض ظاہر پرست اور خشک ہیں وہ اُس کی خوبی کو کیا جانیں۔ جیسا جب مجنون کے عشق کی بہت شہرت ہوئی تو خلیفۂ وقت کو خیال ہوا کہ لیلیٰ کو بلاکر دیکھنا چاہئے کہ کیسی ہے جسکی وجہ سے مجنون مجنون ہو گیا۔ بلاکر دیکھا تو ایک سانولی سی عورت ہے خلیفہ تعجب سے کہتا ہے جو اس شعر میں مذکور ہے ؎

گفت لیلیٰ را خلیفہ کاں توئی ۔۔۔ کز تو مجنوں شد پریشان و غوی

از دگر خوباں تو افزوں نیستی ۔۔۔ گفت خامش چوں تو مجنوں نیستی

دیدۂ مجنوں اگر بودے ترا ۔۔۔ ہر دو عالم بے خطر بودے ترا

یعنی تو دوسرے خوبصورتوں سے کچھ زیادہ نہیں ہے۔ لیلیٰ نے کہا کہ تو چونکہ مجنوں نہیں ہے اس لئے تو خاموش رہ اگر مجنون کی آنکھ تجھ کو ہوتی تو دونوں جہان تیرے نزدیک بے قدر

تذکرۂ شعر فقیہ نادر و مثنوی کی خوبیاں اور مولانا روم کی جامعیت و اعتدال

ہو جاتے پس مثنوی شریف کی طرف نظر کرنا بھی سوائے اُس کے مجنون کے کسی اور کو روا نہیں۔ اگر مجنون کے سوا کوئی اور دیکھیگا تو دو قسم کے ضرر ہوں گے اس لئے کہ دیکھنے والے دو قسم کے ہیں۔ یا تو وہ لوگ ہیں جو متشدد ہیں جنھوں نے مولاناؒ پہ کفر تک کا فتویٰ دیا ہے مولاناؒ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرماتے ہیں ؎

بدگہر را علم و فن آموختن　　دادنِ تیغ است دست راہزن

یہ تو عام طور سے ایسے متشددین کے بارہ میں ہے۔ اور ایک مقام پہ دفتر سوم میں خاص مثنوی شریف پر طعن اور اعتراض کرنے والے کو کہتے ہیں گو وہ اعتراض دوسری نوع کا تھا ؎

خربطے ناگاہ از خرخانۂ　　سر بروں آورد چوں طعانۂ

کایں سخن پست است یعنی مثنوی　　قصۂ پیغمبر است و پیروی

کسی شخص نے مثنوی شریف پر اعتراض کیا تھا اس کے متعلق یہ اشعار ہیں۔ آگے چل کر بہت لتاڑا ہے۔ اور طاعن مثنوی کو طاعن قرآن سے تشبیہ دیکر فرمایا ہے ؎

اے سگِ طاعن تو عوعو میکنی　　طعن قرآں را برون شو میکنی

غرض متشددین کو تو مثنوی شریف کے دیکھنے سے یہ ضرر ہوگا کہ بزرگوں پر اور اہل اللہ پر اعتراض کریں گے اور اعتراض اور طعن اہل اللہ پر کرنا بہت سخت بات ہے۔ اُسکا ادنیٰ نقصان تو جو کہ فی نفسہ وہ بھی بڑا نقصان ہے یہ ہے کہ یہ شخص اُن کی برکات سے محروم رہتا ہے اور اشد نقصان یہ کہ بزرگوں نے لکھا ہے کہ ایسے شخص کے سوء خاتمہ کا خوف ہے اور رہا دوسری قسم کے دیکھنے والے جاہل معتقد ہوں گے اُن کو ضرر پہلے ضرر سے زیادہ ہوگا کہ وہ مضامین سمجھیں گے نہیں۔ اور ایسے معانی پہ محمول کرینگے کہ اُنکا اعتقاد کرنا کفر ہے تو اپنا ایمان اسی وقت خراب کرینگے۔ حالانکہ مولانا کا وہ مطلب بھی نہ ہوگا۔ مولاناؒ کی تمام مثنوی کا خلاصہ تو وہی ہے جو اُنھوں نے اس شعر میں بیان فرمایا ہے ؎

مثنوئ من دوکانِ وحدت است　　ہر چہ بینی غیر وحدت آں بت است

یعنی توحید مگر وہ خود ایسا دقیق مضمون ہے کہ اس میں بھی جہل سے غلط فہمی غالب ہے ایسے مضامین کے متعلق بھی مولانا علیہ الرحمۃ ایک مقام پر لکھتے ہیں ؎

نکتہا چوں تیغ پولاد است تیز — چوں نداری تو سپر وا پس گریز
پیش ایں الماس بے اسپر میا — کز بریدن تیغ را نبود حیا

یعنی جب تمہارے پاس تیغ و ڈھال نہیں ہے۔ یعنی ایسے مضامین کے لائق فہم نہیں جس سے تم اپنے ایمان کو بچا سکو تو ایسے مضامین کے پاس مت آؤ۔ اور جو لوگ باوجود کم فہم اور کورے ہونے کے تصوف کے نکات اور تحقیقات دوسروں کے سامنے بیان کرکے اپنے کو صوفی کہلوانا چاہتے ہیں۔ اُن کے متعلق بھی مولانا لکھتے ہیں ؎

ظالم آں قومیکہ چشماں دوختند — در سخن ہا عالمے را سوختند

ان اشعار سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ مولانا بڑے اعتدال سے چلتے ہیں مگر اسی کے لئے ہے کہ جو سمجھے۔ اور جو نہ سمجھے اُس کے لئے تو فتویٰ ہے شیخ محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا کہ یحرم النظر فی کتبنا یعنی ہماری کتابوں کا دیکھنا نااہل کو حرام ہے مگر اس سے ان کتب کا مذموم ہونا لازم نہیں آتا۔ جیسے حسین لڑکے اور حسین عورت کی طرف بدنظر سے دیکھنا حرام ہے۔ سو اس کے حسین ہونے میں کلام نہیں بیشک وہ حسین ہے اور حسن ہی کی وجہ سے دیکھنا حرام بھی ہے۔ مگر خاوند کو اور باپ بھائی کو دیکھنا جائز ہے اس لئے کہ وہ اہل ہے اسی طرح تصوف کی کتابیں دیکھنا اُس کے اہل اور اس کے محرم کو جائز ہے۔ اور نااہل کو جو اس سے اجنبی ہو اس کو حرام ہے۔ پس جب مثنوی شریف ایسی خوبیوں اور اعتدال کو لئے ہوئے ہے تو اس سے اس مضمون کو نقل کر دینا میرے نزدیک کافی و وافی ہے۔ بعد ان تنبیہات و تمہید کے اب میں بعونہ تعالیٰ مقصود کو بیان کرتا ہوں۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝ یہ آیت قوم لوط کے بارہ میں ہے۔ اوپر سے ان کا قصہ چلا آتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ قوم لوط کی بدکاری تو مشہور ہی ہے۔ اُن کے ہلاک کرنے کے لئے فرشتے حسین لڑکوں کی شکل میں حضرت لوط علیہ السلام کی خدمت میں آئے لوط علیہ السلام نے اُن کو پہچانا نہیں سمجھے کہ مہمان ہیں۔ دیکھ کر بہت پریشان ہوئے کہ اب لوگ اُن کو دق کریں گے۔ چنانچہ قوم کو خبر ہوئی کہ لوط علیہ السلام کے یہاں بڑے حسین حسین لڑکے آئے ہیں۔ یہ سنکر بہت سے بدمعاش آئے لوط علیہ السلام بہت گھبرائے اور فرمایا کہ یہ لوگ میرے مہمان ہیں۔ مجھ کو میرے مہمانوں

کے روبرو رسوا نہ کرو۔ قوم میں لڑکیاں بہت موجود ہیں اُن سے شادی کر لو۔ قوم نے کہا کہ ہم کو عورتوں کی ضرورت نہیں یہ منظر دیکھ کر لوط علیہ السلام اور بھی زیادہ پریشان ہوئے جب فرشتوں نے دیکھا کہ لوط علیہ السلام کو بہت پریشانی ہے تو فرشتوں نے کہا یَا لُوطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ یعنی تم پریشان مت ہو ہم تو تمہارے رب کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔ لوط علیہ السلام مطمئن ہو گئے جب قوم نے ان لڑکوں پر ہاتھ ڈالنا چاہا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنا بازو اُن کی آنکھوں پر پھیر دیا سب کے سب اندھے چوپٹ ہو گئے۔ اسی کی نسبت ارشاد ہے فَطَمَسْنَا اَعْيُنَهُمْ کوئی تعجب نہ کرے کہ بازو پھیرنے سے کیسے اندھے ہو گئے۔ فرشتوں کو تو اللہ تعالیٰ نے بڑی قدرت عطا فرمائی ہے۔ انسانوں میں بعضے بندوں کو عجیب عجیب تصرفات عطا فرمائے ہیں۔ حضرت مولانا فخر نظامیؒ[1] کا قصہ ہے کہ یہ حسین بہت تھے اور ابتداء عمر ہی سے اللہ تعالیٰ نے صاحب نسبت فرمایا تھا جب دہلی پہونچے تو بدمعاشوں میں شہرت ہوئی کہ ایک لڑکا بڑا حسین آیا ہے چلو گھوریں۔ چنانچہ سب دیکھنے اور چھیڑنے کے لئے آئے۔ حضرت مولانا اُس وقت جامع مسجد میں تھے۔ جامع مسجد کے دروازہ پر ایک حلقہ کا حلقہ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ جب مولانا نماز پڑھ کر اُترے تو دق کرنا چاہا۔ مولانا نے ایک نظر اُٹھا کر دیکھا تو سب گر گئے۔ اور فرمایا کہ آؤ گھورو گھورتے کیوں نہیں۔

پس[2] اس قصہ کے متعلق حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی حیات اور جان کی قسم ہے وہ یعنی قوم لوط اپنی مستی اور نشہ میں بھٹک رہے تھے۔ مضمون تو صرف اتنا ہے اب میں اس سے اپنا مقصود[3] عرض کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس قسم سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی حیات شریف کی عظمت شان بیان فرما دی اور سبحان اللہ بیان بھی فرمائی ایسے طرز سے کہ سننے والوں کو تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقصود قوم لوط کی حالت کو بیان کرنا ہے مگر اس کے ضمن میں حضور کی محبوبیت کو عجیب انداز سے بیان فرما گئے ہ

خوش تر آں باشد کہ سرِّ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

کہ جو طالب اور محب اور جن کے دل میں کھٹک ہے اُن کی نظر تو فوراً پڑ جائیگی اصلے

[1] حضرت مولانا فخر ... نظامی ...
[3] ... لعمرک انہم لفی سکرتہم یعمہون ... ۱۵

کہ پانی کو اگر اسباب میں چھپا کر بھی لیکر چلیں تو پیاسے کو تو اُس کی چھلک ہی بتلا وے گی گو کوئی نہ کہے۔ طالب کی تو یہ شان ہوتی ہے ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من از رفتار پایت می شناسم

اور ایک نسخہ ہے۔ "من انداز قدت را می شناسم" اگر کوئی محبوب صورت بدلکر آوے اور عاشق یہ کہے کہ کون ہے تو وہ عاشق نہیں ہے۔ عاشق وہ ہے کہ محبوب خواہ کسی حال میں ہو ہر حالت میں وہ اُس کے دل میں نقش کالحجر ہو۔ پس طالب کے لئے تو انداز بیان کافی ہو گیا۔ اور محبوبیت حضور کی اُس کو عیاں ہو گئی۔ اور جو ناقدر اور غیر طالب ہے اُس کو التفات بھی نہ ہو گا کہ کیا بات کہی اور کتنی دور کی اور کس قدر گہری فرمائی۔ اور ایسے انداز سے فرمایا ایسے ہی ناقدروں اور ظاہر پرستوں سے چھپانے کے لئے ہے ؎

با مدعی مگوئید اسرار عشق و مستی
بگذار تا بمیرد در رنج و خود پرستی

پس ایسوں سے چھپا رہنا ہی بہتر ہے۔ حق تعالیٰ کی غیرت کا اقتضا ہوتا ہے کہ بعض اوقات میں شیون کے اعتبار سے اپنے خاص بندوں کی شان کو مخفی رکھیں فرماتے ہیں۔ اولیائی تحت قبائی لا یعرفہم سوائی۔ چنانچہ بعض اولیاء کا بالکل اخفا کیا گیا ہے کہ کسی کو اُن کے مقرب ہونے کی اطلاع بھی نہیں اور وہ خود بھی اپنے کو مخفی رکھتے ہیں اور اگر کوئی اُن سے کہتا بھی ہے کہ اپنے کو ظاہر کیجئے لوگوں کو فیض ہو گا سلسلہ چلے گا۔ تو وہ بزبان حال جواب دیتے ہیں ؎

احمد تو عاشقی بمشیخت ترا چہ کار
دیوانہ باش سلسلہ شد شد نشد نشد

اور انبیاء کے شیون نبوت کا تو اس لئے اخفا نہیں کیا جاتا کہ مخفی رکھیں تو فیوض کسطرح ہوں ہاں اُن کی بعض شیون کو بعض احوال میں بعض موقع پر بعض اوقات تک بعض وجوہ دلالت کے اعتبار سے مخفی رکھا جا سکتا ہے۔ چنانچہ حضور کا یہ کمال یعنی محبوبیت کا خاصہ جو قسم سے مفہوم ہو جاوے۔ اس مقام پر اس حیثیت سے مخفی کی گئی ہے کہ یہ آیت اُس کے لئے دال بعبارۃ النص نہیں ہے۔ گو دال باشارۃ النص ہے اس لئے کہ اس مقام پر کہ مقام ذکر قوم لوط کا ہے ضرورت اس کے اظہار کی نہ تھی اور اہل نظر کے نزدیک بعض وجوہ سے اظہار

حق تعالیٰ کی غیرت کا اقتضا بعض اولیاء اور انبیاء کی بعض شانوں کو اخفا کیا ہے۔

صریح سے بھی زیادہ ہوگیا۔ کیونکہ اس طور پر بیان فرمانا بہ نسبت قصداً بیان کرنے کے اس لئے زیادہ بلیغ ہوتا ہے کہ اس انداز سے اُس کو مثل مسلّمات اور معروف کے کردیا گیا ہے کہ اس کو قصداً بیان کرنے کی گویا ضرورت ہی نہیں۔ مخاطب کو بھی ہے۔ اس لئے اس کو مقسم بہ قرار دیدیا۔ ہاں اس کو دعویٰ بناکر اس پر احتجاج کرنے کے موقع پر اُس کو تصریحاً و قصداً بیان کیا جاویگا۔ رہا یہ کہ محبوبیت[ح۱] اس سے کیسے سمجھی گئی اور وجہ استدلال کیا ہے تو وہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ جس شے کی قسم کھاویں تو وہ بہت بڑی شے ہوگی۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے ہمارے عرف میں کہتے ہیں کہ تمہارے سر کی قسم سو ایسی جب ہی کھائی جاتی ہے جبکہ قسم کھانے والے کو مقسم بہ سے غایت تعلق ہو۔ یہاں[ح۲] پڑھے لکھے حضرات کو شبہ ہو سکتا ہے کہ قسم کھانا تو دلیل عظمت کی نہیں ہے۔ اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سی چیزوں کی قسم کھائی ہے انجیر کی قسم اور فجر اور چاشت اور رات کی قسمیں قرآن مجید میں موجود ہیں۔ اگر یہی دلیل عظمت کی ہے تو یہ سب چیزیں عظیم الشان ہوں گی۔ اس شبہ کے جواب کے لئے اول ایک مقدمہ عقلی سمجھ لیجئے۔ اسی واسطے قرآن کے فہم کے لئے علوم عقلیہ[ف۵] کی بھی ضرورت ہے خواہ تحصیل سے ہو یا فطرت سلیمہ سے کیونکہ اگر فطرت صحیح[ف۳] ہے تو پھر تحصیل کی ضرورت نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے معقول کہیں نہیں پڑھی مگر حق تعالیٰ نے فطرت ہی سلیم پیدا کی تھی۔ ان حضرات کے طبائع ایسے سلیم تھے کہ عقلیات ان کے سامنے دست بستہ کھڑی رہتی تھیں جیسے کسی صرفی نحوی کا قول مشہور ہے کہ کہا کرتا تھا کہ ہمارے تو حجرہ کا چوہا بھی صرفی نحوی ہے۔ حضرت[ف] شاہ سید احمد صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ جن کے ہمراہ مولانا اسمٰعیل صاحبؒ شہید بھی تھے۔ جب پشاور پہونچے ہیں تو وہاں کے علماء مولانا شہید کی شہرت سن کر امتحان

ف۵ سوال۔ یہ ظاہراً اس تحقیق کے معارض ہے کہ قرآن مجید سے وقت پڑھنا چاہئے کہ دماغ علوم عقلیہ سے متاثر نہ ہو۔ اس کو حل فرمایا جاوے۔ جامع (۲) جواب حل اس کا یہ ہے کہ علوم عقلیہ میں چند چیزیں ہیں ایک نفس مسائل سو ان کی تقدیم تو ضروری ہے اور وہ بہت معین ہے شرح دین میں۔ دوسرے اصطلاحات خاصہ۔ تیسرے تدقیقات و تعمیقات سو یہ فی نفسہ نافع ہیں۔ لیکن ان سے ایسا متاثر ہونا کہ قرآن و حدیث کے الفاظ کو ان اصطلاحات پر محمول کرنے لگے یا قرآن و حدیث میں دور از کار احتمالات غیر ناشی عن الدلیل پیدا کرنے لگے یہ مضر فی الدین ہے۔ یا تو علوم دینیہ کی اس سے تقدیم ہو یا اس تاثیر سے علوم دینیہ میں کام نہ لے۔ خلاصہ جواب یہ کہ علوم عقلیہ کا حاصل ہونا اور چیز ہے اور اس سے متاثر ہونا اور چیز۔ (اشرف علی)

کی غرض سے آئے مولانا اسوقت ایک خستہ سا تہبند باندھے ہوئے گھوڑے کو کھرا کر رہے تھے۔ ان سے پوچھا کہ مولانا کہاں ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ کیا کام ہے۔ انھوں نے کہا تجھ کو اس سے کیا مطلب ہے مولانا کا پتہ بتلاؤ۔ مولانا نے فرمایا کہ تم بتلاؤ تو سہی کیا غرض ہے کہنے لگے کہ ہمکو کچھ پوچھنا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ مجھ سے ہی پوچھ لو۔ ان کو معلوم ہوگیا کہ یہی ہیں پھر جو کچھ جس فن میں پوچھا گھوڑے کو کھرا کرتے ہوئے حل کر دیا۔ سب متعجب ہوئے کہ ہم باوجود اس کے کہ ہم کم علم ہیں ایسے عبا و قبا و عمامے باندھے ہوئے ہیں۔ اور مولانا اتنے بڑے عالم اور اس حالت میں رہتے ہیں۔ (مولاناؒ نے فرمایا تعجب نہ کرو تم مجھ کو اپنے سب کی برابر سمجھتے ہو اگر میں تم سب کی برابر کپڑے پہنوں تو اتنے بار کا کیسے متحمل ہوں ۱۲ جامع) یہاں سے تو وہ عالم چلے گئے اور سمجھے کہ مولانا چونکہ عالم ہیں ان سے تو ہم جیت نہ سکے۔ چلو سید صاحبؒ کو دق کریں گے وہ پڑھے لکھے نہیں ہیں۔ کیونکہ سید صاحب کافیہ تک پڑھے ہوئے تھے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے یہاں پڑھنے کے لئے آئے تھے۔ ایک روز مطالعہ دیکھ رہے تھے کتاب کے حروف نظر نہ آئے اور سب چیزیں تو نظر آویں لیکن کتاب کے حروف نظر نہ آویں۔ شاہ صاحبؒ نے اس پر مطلع ہو کر پڑھنا چھوڑا دیا کہ تم پڑھنا چھوڑ دو۔ تم اور کام کے لئے پیدا ہوئے ہو۔ چنانچہ پڑھنا لکھنا چھڑا کر ان کو ذکر و شغل کی تعلیم کی۔ الحاصل یہ علماء سید صاحبؒ کی خدمت میں آئے۔ اُدھر کے علماء اکثر یک فنی ہوتے ہیں۔ کوئی معقول میں یکتا ہے کوئی صرف صرف جانتا ہے۔ کوئی نحوی ہے غرض جمع ہو کر آئے اور مختلف سوالات شروع کئے۔ اگر دینیات سے متعلق کوئی سوال کرتے تو سید صاحبؒ داہنی طرف رخ کر کے جواب دیدیتے تھے اور جو غیر دینیات کا ہوتا تھا معقول وغیرہ کا تو بائیں طرف رُخ کر کے جواب دیدیتے تھے۔ اور جواب بھی کیسا اہل علم کے طرز پر۔ مریدین کو سخت حیرت ہوئی کہ سید صاحب کی زبان سے وہ الفاظ نکل رہے ہیں کہ کبھی عمر بھر بھی نہ سنے تھے۔ جب وہ مجلس ختم ہوئی تو بعض لوگوں نے پوچھا۔ فرمایا کہ جب یہ لوگ آئے تو میں نے حق تعالیٰ سے دعا کی کہ اللہ مجھ کو رسوا نہ کیجئے۔ حق تعالیٰ نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ بو علی علیہ الرحمۃ کی روح کو حکم دیا کہ جواب میں اعانت کرو۔ چنانچہ امام صاحبؒ کی روح میرے داہنی طرف تھی اور شیخ کی بائیں طرف۔ جو وہ کہتے تھے میں

کہدیتا تھا۔ پس ایسے حضرات تو مستثنیٰ ہیں لیکن ہم کو تو علوم ضروریہ نقلیہ و عقلیہ کی تحصیل ہی کرنا چاہئے مگر ایسی تحصیل نہیں جیسے سہارنپور میں ایک مسجد میں کوئی واعظ آئے۔ اُس مسجد میں ایک نابینا عالم بھی رہتے تھے۔ واعظ صاحب نے کسی سے پوچھا کہ یہاں اواج (وعظ) بھی ہوا کرے لوگوں نے کہا کہ آج تو کوئی بیان کرنے والا نہیں ہے۔ پکار کر کہا کہ بھائیو اواج ہو گی چنانچہ بعد نماز کے منبر پہ جا بیٹھے۔ اور کچھ واہی تباہی بک کر کہا کہ بھائیو تھکے ماندے ہیں۔ اتنی آج کی اور باقی پھر کہیں گے۔ اُن نابینا مولوی صاحب نے فرمایا کہ ان واعظ صاحب کو ذرا میرے پاس لاؤ۔ آئے۔ مولوی صاحب نے پوچھا کہ آپ کی تحصیل کہاں تک ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ تسیل (تحصیل) پچھے مھاری اندھے تسیل (یعنی اے اندھے ہماری تحصیل پوچھتے ہو تسیل تھاری ہا پڑ کی۔ تو جناب تحصیل سے ایسی تحصیل مراد نہیں ہے۔ بلکہ علماء کی تحصیل مراد ہے کہ برسوں چٹائیاں گھستے ہیں اور دھواں دماغوں میں لیتے ہیں جب کچھ حاصل ہوتا ہے ؎

صوفی نشود صافی تا در نکشد جامے
بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

ایک درویش سے کسی نے پوچھا تھا کہ یہ کیا بات ہے کہ علماء اگر تھوڑا سا بھی مجاہدہ کرتے ہیں تو ان کو بہت جلدی دولت باطنی حاصل ہو جاتی ہے۔ ان درویش نے بہت اچھا جواب دیا مجھ کو پسند آیا۔ انھوں نے فرمایا کہ علماء تھوڑا مجاہدہ نہیں کرتے بلکہ سب سے زیادہ کرتے ہیں۔ جب سے وہ الف بے تے پڑھتے ہیں اور تحصیل علوم تک یہ سب مجاہدہ ہی تو ہے۔ قابلیت اور استعداد تو اس سے ہی پیدا ہو جاتی ہے اس کے بعد تھوڑا سا کام کرنا اُن کا کام بنا دیتا ہے۔ تاؤ تو پہلے ہی سے آجاتا ہے صرف ٹپہ ڈالنے کی کسر ہوتی ہے۔ تو وہ شیخ کے یہاں آکر ہو جاتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ قرآن فہمی کے لئے تمام علوم کی ضرورت ہے۔ بعض لوگ لکھے پڑھے تو ہوتے نہیں اور چاہتے ہیں کہ ہم قرآن کو سمجھ لیں۔ اور وہ چونکہ موقوف ہے دوسرے علوم پر اس لئے شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ پھر ان شبہات کو لیکر علماء سے اُلجھتے ہیں چنانچہ یہ شبہہ بھی کہ جب قرآن میں انجیر وغیرہ کی بھی قسم ہے تو اللہ تعالیٰ کا قسم کھانا دلیل عظمت و رفعت شان مقسم بہ کی نہیں ہے۔ اس کم علمی ہی سے پیدا ہوا ہے۔ اس کے جواب کے لئے ایک مقدمہ عقلی سمجھئے وہ یہ ہے کہ ہر شے کا شرف اس کی نوع کے اعتبار سے ہوتا ہے نہ مقسم بہ

ہونا بے شک دلیل ہے شرف کی۔ لیکن نہ مطلقاً بلکہ فی نوعہ یعنی یہ نہ سمجھا جاوے گا کہ یہ شئے اپنی نوع میں سب افراد سے افضل ہے اس کو میں اور زیادہ واضح کرتا ہوں۔ امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ کھانا افضل ہے یا پانی تو وہ مجنوں ہے۔ یہ سوال ہی غلط ہے کہ افضلیت اور مفضولیت ایک نوع کے افراد میں ہوتی ہے۔ مثلاً یہ سوال صحیح ہے کہ پلاؤ افضل ہے یا بریانی۔ پانی افضل ہے یا دودھ۔ ہاں اگر انواع ہی میں گفتگو ہو تو وہ دوسری بات ہے۔ لیکن اگر افراد میں ہو تو اس میں یہ رعایت ضرور ہوگی کہ ایک نوع کے تحت میں داخل ہوں۔ مثلاً یوں نہ کہیں گے کہ مسجد افضل ہے یا فلاں کتاب۔ ہاں یوں کہیں گے کہ مسجد افضل ہے یا فلاں مسجد یا فلاں گھر۔ جب یہ قاعدہ سمجھ میں آگیا تو اب جواب سمجھئے کہ مقسم بہ ہونا بیشک دلیل اس کے شرف کی ہے مگر یہ نہیں کہ وہ سب اشیاء سے افضل ہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی نوع میں افضل ہے۔ پس انجیر بیشک افضل ہے لیکن ثمرات میں اور فجر بلاشبہ اشرف ہے مگر اوقات میں۔ پس اس بنا پر آپ کی حیات کے مقسم بہ ہونے سے حضورؐ کی جو فضیلت و عظمت ثابت ہوئی وہ اپنے اخوان یعنی انبیاء میں ثابت ہوئی۔ پس اس سے تمام پیغمبروں سے افضل ہونا ثابت ہوا۔ اور انبیاء سب انسانوں سے افضل ہیں۔ پس حضور کا سید ولد آدم ہونا معلوم ہوا۔ اب رہی یہ بات کہ فضیلت مطلقہ کیسے ثابت ہوئی تو وہ بدیں طور ہے کہ باتفاق عقلاء انسان اشرف المخلوقات ہے اور نیز حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ۔ پس جبکہ نوع انسان تمام انواع سے افضل ہے اور انواع انسان میں انبیاء افضل ہیں اور حضور افضل المرسلین وسید الانبیاء ہیں پس حضور افضل الخلق ہوئے چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی دو قسمیں فرمائی۔ عرب و عجم۔ اُن میں عرب کو فضیلت عطا فرمائی۔ پھر عرب میں قریش کو افضل بنایا۔ اور قریش میں سے بنی ہاشم کو منتخب فرمایا پھر اُن میں مجھ کو پیدا کیا۔ پس میں افضل الناس ہوں نسباً بھی۔ پس اب وہ شبہ رفع ہوگیا۔ اور لَعَمْرُكَ سے فضیلت و محبوبیت حضور کی ثابت ہوگئی۔ اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اول معلوم ہو چکا ہے قسم معمولی شئے کی نہیں کھائی جاتی۔ مقسم بہ کوئی عجیب اور ذی شرف شئے ہونا چاہئے۔ اب

جواب شبہ مذکور

حضور کی ذات کا شرف اور اس کی علامتیں

دیکھنا چاہیئے کہ مقسم بہ یہاں کیا ہے تو مقسم بہ یہاں حضور کی حیات ہے۔ اس لیئے عُمر بفتح و بضم نام ہے۔ حیات ور بقاء کا اور حیات کہتے ہیں ذی حیات کی اُس حالت کو جو تولُّد سے لیکر وفات تک ہے اور اگر نظر کو اور وسیع کیا جاوے تو حضور کے لئے بعد وفات کے بھی حیات برزخی ثابت ہے۔ اور وہ حیات شہداء کی حیات برزخی سے بھی بڑھ کر ہے۔ اور اتنی قوی ہے کہ حیات ناسوتی کے قریب قریب ہے۔ چنانچہ بہت سے احکام ناسوت کے اُس پر متفرع بھی ہیں۔ دیکھئے زندہ مرد کی بیوی سے نکاح جائز نہیں۔ حضور کی ازواج مطہرات سے بھی نکاح جائز نہیں اور زندہ کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ حضور کی میراث بھی تقسیم نہیں ہوئی۔ اور حدیثوں میں صلوٰۃ و سلام کا سماع وارد ہوا ہے سو یہ تحقیقات ہیں اہل اسرار کی اس سے اصلی راز ان احکام یعنی لَا تَنْكِحُوا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ اور لَا نُوْرِثُ وَمَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ کا معلوم ہو گیا۔ پھر حیات برزخی کے بعد حیات اخروی ہے۔ وہ تو سب کو شامل ہے تو انبیاء کو بطریق اولیٰ حاصل ہو گی۔ پس حیات کا مصداق حضور کی ولادت شریف سے لیکر جنت کے دخول و خلود تک ہے۔ یہ کلام تو منتہیٰ کی جانب میں ہے۔ اور اگر ابتداء کی جانب نظر کو وسعت دیجاوے تو آپ کی نورانیت کی جو حالت عالم ارواح سے بھی پہلے تھی اُس کو بھی حیات کہہ سکتے ہیں۔ جسکی نسبت ارشاد ہے کُنْتُ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ آپ کیا جواب دیتے ہیں تو سب سے اول حضور نے جواب دیا بَلٰی اَنْتَ رَبُّنَا اُس کے بعد اوروں نے بَلٰی کہا تو اوروں کی علم و معرفت کے مربی بھی حضور ہوئے۔ اور تربیت فی العلوم حیات پر موقوف ہے پس جب سے نور مخلوق ہوا ہے اُسوقت سے حیات لیجا سکتی ہے۔ پس اس تقریر پر حضور کی حیات کی چار حالتیں ہوں گی۔ ایک تو نور کے پیدا ہونے سے ولادت شریف تک دوسرے ولادت شریف سے وفات تک۔ تیسرے وفات سے حشر و نشر تک۔ چوتھے اُس سے خلود جنت تک جو غیر متناہی ہے۔ پس اگر لَعَمْرُكَ سے یہ حیات جس کے چار حصے ہیں مراد لیجاوے تو مجھ کو ہر حصہ کے متعلق مفصّل بیان کرنا پڑے گا اور وقت اتنا وسیع نہیں اس لیئے میں وہ ہی حصہ حیات کا لیتا ہوں جس کو اہل عرف حیات کہتے ہیں یعنی ولادت

شریف سے لیکر وفات تک۔ پس معنی لَعَمۡرُكَ کے یہ ہوئے کہ آپ کی اس حصۂ عمر کی قسم ہے اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا یہ حصہ عمر انتہا رفیع الشان ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مقسم بہ بنا اور اس حصہ عمر و حیات کا ایک جزو ولادت شریفہ بھی ہے تو اس کا بھی عظیم القدر و رفیع الشان ہونا ثابت ہوا۔ اسی طرح اُس کا دوسرا حصہ قوت استعداد و حصول کمالات کا ہے۔ تیسرا حصہ تبلیغ و دعوت کا ہے۔ چوتھا حصہ تکمیل امت کا ہے۔ اور یہ تیسرا اور چوتھا حصہ بعض احوال میں متعانق بھی ہے۔ پھر تکمیل کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک تکمیل حاضر کی خود اُس کی اصلاح کے لئے دوسری تکمیل حاضر کی اصلاح غایت کے لئے پس ان سب حصص کی رفعت و عظمت ثابت ہوئی۔ اور عظمت و رفعت شئے کی جس طرح باعتبار اُس کی ذات کے ہوتی ہے اسی طرح باعتبار اُس کی غایت کے بھی ہوتی ہے۔ بلکہ زیادہ مقصودیت شئے کی اُسکی غایت ہی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ پس حضور کی تشریف آوری عالم ناسوت جمیع الحصص کی بھی کوئی غایت ضرور ہوگی۔ اور وہ غایت ایسی ہے کہ اس کو سُن کر مُدعیان محبّت کی بھی اصلاح ہوگی۔ اسلئے کہ انھوں نے مزہ دار مضمون تو یاد کرلئے کہ حضور یوں پیدا ہوئے۔ اور ایسے معجزات ظاہر ہوئے۔ لیکن اس تشریف آوری کی غایت کو انھوں نے سمجھا ہی نہیں۔ اس لئے کہ اُس کے سمجھنے میں تو نفس کو تعب ہوتا ہے۔ اور جان نکلتی ہے۔ ان لوگوں کی تو بلا تشبیہ ایسی مثال ہے کہ مثلاً ہندوستان میں ایک حاکم نائب السلطنت ہو کر آیا اُس کے آنے کی خوشی میں بڑے لوگوں نے بڑے جلسے کئے اور مٹھائی تقسیم کی اور بڑے لکچر اور اشعار مدحیہ کہے۔ اور ان ہی بزرگوں کا ایک اخبار بھی نکلتا تھا جب وہ حاکم اُس جلسہ سے چلا گیا تو اخبار میں بغاوت انگیز مضمون لکھنے شروع کر دئے۔ کیا اُن لوگوں کو محب حاکم کہا جاویگا۔ یہی حالت ان لوگوں کی ہے کہ محبت رسول کا دم بھرتے ہیں اور اُن کی ہی نافرمانی کرتے ہیں۔ چنانچہ جن لوگوں نے عید میلاد النبی تراشی ہے اجس کے متعلق میں نے پارسال بیان کیا تھا اور وہ بیان النُّور کے نام سے طبع بھی ہو گیا ہے۔ اور اتفاقی بات ہے کہ جن صاحب نے اُس کو طبع کرایا تھا انھوں نے ہی آج کے بیان کی بھی طبع کرنے کی درخواست کی ہے۔ اور میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اتحاد مضمون اور اتحاد شائع کنندہ پر نظر کر کے نام بھی اس کا اس کے مناسب الظُّہُور

عوان محبت ہوتے ہوئے حضور کی تشریف آوری کا راز نہ سمجھنا عجیب ہے

رکھ دیا جاوے۔ اس لئے کہ اس میں حضور کی تشریف آوری کی غایت کو ظاہر کیا گیا ہے، انھوں نے (یعنی موجدان عید میلاد النبی نے) بیان ولادت شریف میں یہاں تک بے ادبی کی ہے کہ صبح صادق کے وقت وہ بیان ہوا اس لئے کہ حضور کی ولادت شریف اسی وقت ہوئی ہے۔ اور ایک گہوارہ لٹکایا گیا۔ غرض پوری نقل بنائی گئی۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ غَضَبِ اللّٰہِ وَ غَضَبِ رَسُوْلِہٖ عَلٰی ھٰذِہِ الْمُخْتَرِعَات۔ اگر یہی نقل ہے تو خدا خیر کرے ایک عورت کو بھی لاویں گے اور اس کو کہدیں گے کہ چلایا کرے۔ صاحبو! جب کوئی شے حد سے بڑھتی ہے تو صراط مستقیم سے بہت دور جا پڑتی ہے۔ حق و باطل کی مثال ایسی ہے جیسے مثلث کی دو ساقیں اور انکے ملتقی پر مثلاً ایک چیونٹی بیٹھی ہو تو اس وقت تو خط حق سے دور نہیں۔ لیکن دوسری ساق پر جو باطل کی مثال ہے۔ اگر وہ چلیگی تو اول اول اس کو حق سے بعد نہ ہوگا مگر جس قدر چلتی جائیگی۔ دوسری ساق سے دور ہوتی جائیگی اس لئے کہ مثلث کی ساقیں جسقدر بڑھتی جاویں گی۔ ان میں بُعد بھی بڑھیگا۔ حتی کہ بعد بڑھتے بڑھتے اتنا بڑھیگا کہ پھر وہ چیونٹی اگر لاکھ تدبیریں اور سعی کرے کہ میں دوسری ساق پر پہونچوں لیکن ہرگز نہیں پہونچ سکے گی۔ اسی طرح صراط مستقیم اور کج راستہ ہے کہ بے راہ چلنے سے رفتہ رفتہ قبول حق کی استعداد اتنی فاسد ہو جاتی ہے کہ بُری بات بھی بھلی معلوم ہونے لگتی ہے۔ اور اس کی بُرائی بالکل ذہن میں نہیں آتی۔ اور اہل حق سے اعراض پیدا ہو جاتا ہے۔ پس یہ ساری خرابی اس کی ہے کہ حضور کی تشریف آوری کی غایت انھوں نے نہیں سمجھی۔ پس اسی غایت کی تقریر جو مولانا کے کلام سے معلوم ہوئی ہے جس کی شرح عنقریب آتی ہے یہ ہے کہ وہ غایت دو شے ہیں جن کا عنوان صوفیہ کی اصطلاح میں فنا اور بقا ہے۔ پس حضور کی تشریف آوری اس واسطے ہوئی کہ آپ سے فیض فنا اور بقا کا ہو۔ یہ خلاصہ ہے اس غایت کا اور یہ مضمون باعتبار حصص مذکورہ بالا کے مرکب ہے چند اجزا سے۔ اول اس کمال فنا و بقا اور اس کے افاضہ میں بدو فطرت سے آپ کا کامل الاستعداد ہونا۔ دوسرے اس کے درجۂ فعلیت میں بھی آپ کا کامل ہونا جسکا حاصل یہ ہے کہ آپ محض واسطہ فی الاثبات ہی نہیں۔ واسطہ فی الثبوت ہیں۔ تیسرے دوسروں کی تکمیل کی طرف آپکا

حق و باطل کی مثال

متوجہ ہونا پھر اُن کے استفاضہ کے لئے ان کی استعداد کا شرط ہونا اور فساد استعداد کا مانع ہونا اور اس فساد استعداد کا سبب خود فساد عمل ہونا۔ چوتھے اُن میں سے جو اہل استعداد ہیں حضور کا اُن کی کامل تکمیل فرمانا اور اس تکمیل میں آپ کی بے نظیری ثابت ہونا اس استعداد کی تکمیل کا سبب آپ کے اتباع طریق میں منحصر ہونا۔ اور پانچواں جزو جو حالت موجودہ کے اعتبار سے سب سے زیادہ ضروری ہے یہ ہے کہ فیض پہونچانے کے لئے چونکہ اس کی ضرورت ہے کہ مفیض موجود ہو اور اس وقت حضور بظاہر اس عالم میں تشریف رکھتے نہیں اب اگر فیض پہونچے تو اس کی کیا صورت ہے۔ یہ مختصر فہرست ہے ان مضامین کی جو مولانا کے کلام سے اقتباس کی گئی ہے۔ مقتضائے ترتیب کا یہ تھا کہ مولاناؒ کے کلام میں یہ مضامین اسی ترتیب سے ہوتے یعنی اشعار متقدمہ میں پہلے اجزا ہوتے اور اشعار متاخرہ میں پچھلے اجزاء مگر اتفاقی بات ہے کہ بالکل اس کا عکس نکلا اجزاء متقدمہ پر جو اشعار دلالت کرتے ہیں وہ متاخر ہیں اور مضمون متاخر جن اشعار سے مفہوم ہوتا ہے وہ متقدم ہیں۔ اور نکتہ اس تعاکس میں بطور لطیفہ کے یہ ہوسکتا ہے کہ ہر جزو سابق اجزاء خمسہ میں سے جزو لاحق کا توطیہ و تمہید ہے پس اجزاء سابقہ سے اجزاء لاحقہ ہی مقصود ہیں چنانچہ آپ کی استعداد فعلیت کے لئے ہے اور فعلیت کمالات شرط تکمیل ہے۔ یعنی آپ کا خود صاحب فنا و بقاء ہونا دوسروں کو فیض پہونچانے کے لئے بھی ہے۔ پھر اس افاضہ کی یہ بھی ایک غایت ہے کہ یہ فیض بعد وفات بھی باقی رہے۔ پس مولاناؒ کے اشعار و قوع مدلول کی ترتیب کے اعتبار سے تو عکس ہیں۔ لیکن مقصودیت کے لحاظ سے مرتب ہیں تو گویا مولاناؒ نے مقصودیت ہی کا اعتبار کیا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف کی ترتیب بھی اکثر اسی مقصودیت کے اعتبار سے ہے۔ دیکھو سورۂ بقرہ مدنی ہے اور سورۂ اقراء مکی ہے۔ لیکن ترتیب میں سورہ بقرہ پہلے ہے اس لئے کہ مقصود اعظم ہیں احکام خواہ اعتقادی ہوں خواہ عملی اور وہ سورہ بقرہ میں زیادہ ہیں۔ پس اس تعاکس میں کچھ حرج نہیں بلکہ کلام مجید کے اتباع کے سبب سے یہ صورت اولیٰ ہو گئی۔ مگر بیان میں وہ اشعار و قوع ہی کی ترتیب سے عرض کئے جاویں گے۔ مثنوی شریف کی ترتیب کی رعایت نہ کی جاوے گی۔ لیکن قبل اسکے کہ وہ

فنا و بقا کے معنی

اشعار اور ان کی شرح بیان کی جاوے۔ اول یہ سمجھ لیجئے کہ فنا اور بقا ہے کیا چیز؟ شاید فنا اور بقاء کے سامعین یہ معنی سمجھے ہوں گے کہ فنا تو یہ ہے کہ مر رہے اور بقا یہ ہے کہ جی اٹھے۔ پھر اشکال پیدا ہوا ہوگا کہ مرنا تو اختیاری ہے کہ ایک تولہ سنکھیا کھالے لیکن پھر زندہ ہونا تو اختیاری نہیں تو یاد رکھو کہ یہاں مراد فنا و بقا لغوی نہیں ہے بلکہ یہ اصطلاح تصوف کی ہے۔ پس فنا و بقا سے مراد سالک کی ذات کا فنا و بقا مراد نہیں ہے بلکہ اُس کا مضاف الیہ ایک خاص شے ہے یعنی علوم و اخلاق پس فنا کا حاصل کیا ہوا یعنی فنائے اخلاق و علوم۔ سو فنائے اخلاق کی حقیقت تو یہ ہے کہ اخلاق رذیلہ کو دور کرے۔ مثلاً ریا۔ کبر۔ حسد۔ غضب۔ حب مال۔ حب جاہ کو دور کرے اور فنائے علوم یہ ہے کہ یہ جو ہمارے قلب میں غیر اللہ جمع ہو رہے ہیں۔ کہیں جائداد کہیں دُکان کسی کو تجارت کے دھندے کسی کو زراعت کے افکار۔ کسی کو نوکری کے خرخشے کسی کو مقدمات کی پریشانیاں۔ اور ان کے متعلق خیالات اور توہمات اور دوست اور دشمن ان سب کو دور کردے۔ دشمن اور دوست اور یہ سب افکار ہمارے وقت کو ضائع و تباہ کر رہے ہیں۔ بلکہ دشمن اتنا وقت ضائع نہیں کرتے جسقدر کہ دوست کرتے ہیں۔ غرض اِدھر اُدھر کی باتیں اور تعلقات کہیں قلب میں بیوی کی محبت ہے کہیں بیٹے کی محبت ہے۔ ان کا قلع قمع کردے لیکن یہ یاد رکھو کہ میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ تجارت اور نوکری اور زراعت کو چھوڑ دو مطلب یہ ہے کہ ان کے متعلق جو خیالات خدا کی یاد سے روکنے والے ہیں ان کو نکال دو۔ اسی طرح بیٹے بیوی کی محبت سے مراد اس درجہ کی محبت ہے جو خدا کی یاد سے غافل کردے چنانچہ ارشاد ہے۔ قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط یعنی فرما دیجئے اے محمد صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیبیاں اور کنبہ اور وہ اموال جن کو تم کماتے ہو اور وہ تجارت جسکی نکاسی نہ ہونے سے ڈرتے ہو اور وہ مکان جن کو تم پسند کرتے ہو اگر یہ سب چیزیں تمہارے نزدیک اللہ اور اُس کے رسول سے

زیادہ محبوب ہیں تو منتظر رہو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اپنا عذاب لاوے۔ پس اس آیت کو دیکھ لیجئے
کہ وعید احبیت پر ہے۔ نفس حب پر وعید نہیں اس لئے کہ وہ تو خلقی اور طبعی ہے، اسکو آدمی
کیسے زائل کر سکتا ہے۔ مثلاً بیٹے کی محبت طبعی ہے۔ انسان کے قبضہ میں نہیں ہے کہ اسکو
زائل کر سکے۔ بعض جاہل پیر اسپر فخر کرتے ہیں۔ کہ ہم نے فلاں مرید سے اس کے بیٹے بیوی کو
چھڑا دیا۔ چنانچہ اُن مرید صاحب نے مسجد کا ایک کونہ سنبھال لیا ہے۔ اور بیٹے بیوی بھوکے
مر رہے ہیں۔ پس فنائے علم سے یہ مراد نہیں ہے کہ بالکل انکا خیال ہی نہ رہے بلکہ مطلب
یہ ہے کہ اس کے قلب میں خدا تعالیٰ سے زیادہ کسی کی محبت نہ ہو پس حکم یہ ہے کہ احبیت کے
درجہ کو دور کرے۔ پس فنائے اخلاق و علوم کا خلاصہ یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ کی اطاعت میں اتنا
سرگرم ہو کہ غیر اللہ کی محبت اور غیر اللہ کا ذکر مغلوب اور اخلاق ذمیمہ زائل ہو جائیں اور
طریقہ اس کا علم دین اور شیخ کامل کی صحبت و اطاعت ہے۔ پس جو چیزیں زائل کرنے کی
ہیں ان کے زائل کرنے کو اور جو مغلوب کرنے کی ہیں اُن کے مغلوب کرنے کو فنا کہتے ہیں۔
اب بقاء کو سمجھئے کہ زائل شدہ اشیاء کی اضداد کے پیدا کرنے اور مغلوب کی ضد کو غالب کرنے
کو بقاء کہتے ہیں۔ مثلاً ریا کو زائل کرے اور اس کے مقابلہ میں اخلاص پیدا کرے۔ اور
کبر کو فنا کرے اور اس کی تواضع کو پیدا کرے۔ حُبِّ غیر اللہ کو مغلوب کرے اور اللہ کی
حب کو غالب کرے۔ غیر کے ذکر کو مغلوب کرے اور ذکر اللہ کو غالب کرے۔ یہ ہے بقاء
اور یہی غایت ہے حضور کی تشریف آوری کی کہ اپنے فیضان علمی و عملی و حالی سے امت میں
امت کی تکمیل فرما دیں۔ جو حاصل ہے اتباع کامل کا۔ پس حاصل غایت تشریف آوری کا
یہ ہوا کہ امت اتباع کامل اختیار کریں۔ اب میں وہ اشعار مع شرح بیان کرتا ہوں چونکہ
وہ اشعار زیادہ تھے (کیونکہ تیس ہیں ۳۰ جامع) اس لئے یاد نہیں رہ سکتے اس لئے میں نے
اُن کو ایک پرچہ پر نقل کر لیا ہے۔ اور چونکہ اشعار زیادہ ہیں اور وقت کم ہے اس لئے ہر شعر
کے متعلق ضروری اور مختصر شرح بیان کر کے ختم کر دونگا۔ مولانا کے کلام میں اوپر سے حضرت
صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ آرہا ہے کہ انھوں نے حضور سے فنا اور بقا کا فیض لیا
اس کے بعد حضور کے فنا و بقاء کا اور پھر اس کے فطری ہونے کا ذکر کرتے ہیں چنانچہ ارشاد

فرماتے ہیں۔

قال مولانا الرومی

پس محمد صد قیامت بود نقد　　زانکہ حل شد در فنائش حل و عقد

پس حرف تفریع اس لئے لائے ہیں کہ اول سے ذکر تھا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فنا اور بقاء کا۔ اور جب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اندر یہ کمال تھا تو اسپر تفریع کرتے ہیں حضورؐ کے فناء و بقاء کو اس لئے کہ حضرت صدیقؓ کے اندر یہ کمال حضورؐ ہی سے آیا۔ پس مطلب یہ ہے کہ جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ صاحب فنا و بقاء تھے۔ پس اس سے برہان انّی کے طور پر ثابت ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم صد قیامت تھے۔ یہ حمل مثل زید اسدؐ کے ہے۔ اور قیامت اس لئے کہا کہ قیامت کا خاصہ عالم کا فنا اور بقا ہے۔ چنانچہ نفخ اول سے تو فناء حسّی اور نفخۂ ثانیہ سے بقاء حسّی ہوگا۔ پس آپ کی شان بھی واسطۂ فنا و بقا ہونے میں مثل قیامت کے ہے۔ اور صد اس لئے کہا کہ قیامت سے تو فنا و بقاء حسی ہوگا اور حضور فناء و بقاء روحی کے واسطہ ہیں۔ اور فنا و بقاء روحی فنا و بقاء حسی سے افضل ہیں۔ اور نقد اس لئے کہا کہ قیامت تو آجل ہے اور حضور عاجل اس وقت فنا و بقا کا فیض پہونچارہے ہیں۔ فنائش میں فِنا بمعنی پیش خانہ ہے۔ حل بمعنی کشادن مراد فنا اس لئے کہ فنا میں بھی اجزاء کی تحلیل ہوتی ہے۔ اور عقد بمعنی بستن مراد بقا اس لئے کہ بقا میں اجزاء مربوط رہتے ہیں۔ حضور کی قوۃ فیض کو بیان کرتے ہیں اور یہ ماقبل کے لئے دلیل ہے۔ یعنی آپ صد قیامت کس دلیل سے تھے اسلئے کہ حضور کے آستانہ مبارک پر فنا و بقا کے عقدے حل ہوتے ہیں۔ اور حضور کی تو بڑی شان ہے۔ آپ کے خدام میں قوت فیضان کے اندر بڑے بڑے حضرات گذرے ہیں۔ حضرات سلطان الاولیا، سلطان نظام الدین قدس سرہٗ اپنے معاصر حضرت سید شاہ گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کے بارہ میں فرماتے ہیں ؎

ہر کہ مرید سید گیسو دراز شد　　واللہ خلاف نیست کہ او عشق باز شد

آدمی اپنے معاصر کی مدح کم کیا کرتا ہے۔ مگر یہ ان حضرات کی حقانیت ہے کہ اپنے معاصرین کی بھی مدح کرتے ہیں۔ ہمارے زمانہ میں اس شان کے حضرت قطب الارشاد مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ تھے کہ جس نے حضرت کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا وہ محروم نہیں رہا۔ اگر کوئی کہے کہ حضور کی تشریف آوری دنیا کا اس میں کہاں ذکر ہے حالانکہ وعدہ اسی بیان کا تھا۔ جواب یہ ہے کہ یہ تو تمہید ہے اس مضمون کی وہ مضمون اگلے ہی شعر میں آتا ہے اور اس وقت اس مقام کے شعروں میں زیادہ مقصود میرا اسی شعر کا لانا تھا کہ اسی میں ولادت شریفہ کا راز مذکور ہے جو کہ اجزاء خمسہ مذکورہ سے اول ہے لیکن ربط کے لئے اُس سے اوپر کا شعر بھی لایا گیا۔ اس شعر سے اتنا ثابت ہوا کہ حضور فنا و بقا کے لئے واسطہ فی الاثبات ہیں۔ اور اسمیں کامل و مکمّل ہیں۔ آگے آپ کا خود بھی موصوف اس فنا و بقا سے ہونا اور اس کی کامل استعداد پر آپ کا مولود ہونا فرماتے ہیں۔ قالؒ

زادۂ ثانی ست احمد در جہاں صد قیامت بود او اندر عیاں

زادۂ ثانی۔ صوفیہ کی ایک اصطلاح ہے۔ حقیقت اس کی یہ ہے کہ ایک تو ولادۃ اُولیٰ ہے وہ تو یہی عرفی و لغوی ولادت ہے جس کا حاصل اَلْخُرُوْجُ مِنَ الرَّحِم ہے۔ اور دوسری ولادۃ اصطلاحیہ ہے وہ کیا ہے اَلْخُرُوْجُ مِنْ اَحْکَامِ الطَّبِیْعَۃِ اِلٰی اَضْدَادِھَا اس کو صوفیہ ولادۃ ثانیہ کہتے ہیں۔ جیسے بلوغ کے بھی دو معنی ہیں۔ ایک لغوی و عرفی یعنی منی نکلنا دوسرے اصطلاحی معنی یعنی منی بمعنی خودی نکلنا۔ تعریف اول کے اندر منی عربی لفظ اور دوسرے کے اندر فارسی بمعنی من شدن یعنی خودی و کبر نکلنا ہے اسی واسطے مولانا فرماتے ہیں ؎

خلق اطفالند جز مستِ خدا نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا

حضور خود بھی فانی و باقی تھے

مطلب یہ ہے کہ بجائے ولادت اولیٰ کے ولادۃ ثانیہ کو دیکھو جو کہ مقصود ہے خود ولادۃ اولیٰ سے۔ پس فرماتے ہیں کہ احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مولود ثانی ہیں یعنی فانی و باقی ہیں۔ پس ان دو شعروں میں حضور کا فنا و بقا میں فطرۃً کامل ہونا جس پر آپ کا واسطہ فی الثبوت ہونا متفرع ہے اور یہ پہلا جزو ہے اجزاء خمسہ فہرست میں سے ثابت ہو گیا

اور زادۂ ثانی میں تشریف آوری دنیا کا مع غایت مذکور ہو گیا جو موعود تھا۔ در جہاں اس طرف اشارہ ہے کہ عالم میں آتے ہی اللہ تعالیٰ نے حضور کو یہ صفت عطا فرمائی تھی فطرۃ کے ساتھ ہی فنا و بقا کے ساتھ موصوف تھے بخلاف اور لوگوں کے کہ مجاہدہ اور محنت سے ان کو یہ صفت حاصل ہوتی ہے۔ رہا یہ کہ آپ میں اور دوسرے انبیا میں کیا فرق ہوا۔ اور انبیاء بھی شروع ہی سے فانی و باقی ہوتے ہیں۔ وہ فرق یہ ہے کہ حضور میں یہ صفت درجۂ اکمل میں تھی۔ فنا و بقا آپ میں صد قیامت تھے۔ وجہ تشبیہ اوّل گذر چکی ہے۔ اندر عیاں یعنی آپ کا فنا و بقا کے ساتھ موصوف ہونا مخفی نہ تھا بلکہ کھلم کھلا آپ میں دونوں شاخیں جلوہ گر تھیں۔ اس سے رد کر دیا ہے مدعیوں کے دعویٰ کو یعنی اگر کوئی شخص ایسے فیض مخفی کا دعویٰ کرے جیسے بعضے لوگ کہا کرتے ہیں کہ بزرگوں کے یہاں کوئی ایسی مخفی شئے اور راز ہے جو سینہ بسینہ چلا آتا ہے اور وہ شریعت ظاہرہ سے الگ ہے۔ وہ کاذب ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ وہ فیض نہایت صاف اور روشن ہے پس لامحالہ وہ مدلول نصوص ظاہرہ واضحہ ہی کا ہوگا۔ اصلاً مخفی نہیں۔ ہاں اس کے ادراک کے لئے استعداد کی ضرورت ہے۔ فساد استعداد کی وجہ سے کسی کو ادراک نہ ہو یہ دوسری بات ہے۔ یہ تو حضور کی ولادت شریفہ اور آپ کا اس ولادت شریفہ کی غایت یعنی استعداد کامل فنا و بقا کے ساتھ بدو فطرت سے موصوف ہونے اور دوسروں کو موصوف کرنے کا بیان تھا۔ اوّل پر زادۂ ثانی اور ثانی پر صد قیامت دال ہے۔ اب دوسرے اشعار میں ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ درجۂ فعلیت فنا و بقا کے اندر کیسے کامل ہیں۔ اور یہ جزو ثانی ہے اجزاء خمسہ فہرست میں سے۔ **قال رح**

چوں جمالِ احمدی در ہر دو کون — کے بدست لے فریز دانیش عون

یعنی جمال احمدی کی برابر دونوں جہان میں کہاں ہے۔ یعنی آپ اس جمال میں یکتا ہیں۔ آگے اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ۔ وجہ اس یکتائی کی یہ ہے کہ شان یزدانی آپ کی معین ہے۔ یعنی آپ شان یزدانی کے مظہر اکمل ہیں۔ **قال رح**

نازہا ہے ہر دو کون او را رسد — غیرت آں خورشید صد نور ا رسد

فیض مخفی کوئی قطعی اور ذاتی شئے نہیں ہے

کمال محمدی کا بیان یعنی فنا و بقا کے درجہ فعلیت میں آپ کا کامل ہونا

یعنی ف[1] دونوں عالم کے اسباب ناز (بتقدیر مضاف) آپ کو پہونچتے ہیں۔ یعنی آپ کے اندر ہر جہت سے ناز کے اسباب موجود ہیں ؎

حُسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اور غیرت کا حق حضور کو جو کہ آفتاب صد تو کے مشابہ ہے پہونچتا ہے۔ غیرت[2] یہ کہ گویا شانِ غیرت کے اقتضا سے آپ بزبان حال فرما رہے ہیں کہ میرے سامنے گرو ہو جاؤ میرے جمال و کمال کے سامنے اپنے کمال کا دم مت بھرو۔ اور میرے ہوتے ہوئے کسی کی طرف نظر مت کرو۔ میرے فنا و بقا کا فیض لو۔ اور اپنا دعوئی اور ننگ چھوڑ دو۔ میرے اتباع سے عار نہ کرو جیسے آجکل لوگوں کو اتباع شریعت سے عار آتی ہے۔ اور عزت موہوم اور آبرو مزعوم کی حفاظت کے واسطے شریعت نبویہ کو چھوڑ دیتے ہیں اور رسوم کا اتباع کرتے ہیں۔ کوئی نکاح ثانی کو معیوب سمجھتا ہے۔ کوئی برادری کی رسوم کے ترک کو ننگ جانتا ہے اس پر حضور کی شانِ غیرت کو جوش آتا ہے چنانچہ ارشاد ہے وَلَوْ کَانَ مُوْسٰی حَیًّا لَمَا وَسِعَہٗ اِلَّا اِتِّبَاعِیْ۔ یعنی اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو اُن کو بھی بجز میرے اتباع کے کوئی گنجائش نہ تھی۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام جب دنیا میں دوبارہ تشریف لاویں گے تو آپ ہی کی شریعت کا اتباع کرینگے۔ حدیث میں آیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو حضور کی امت دکھلائی گئی حق تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا کہ اے اللہ ان کو میری امت کر دیجئے ارشاد ہوا کہ یہ امت نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے۔ پھر عرض کیا کہ اے اللہ مجھے اس امت ہی سے کر دیجئے ارشاد ہوا کہ نہیں تم خود نبی مستقل ہو۔ آگے شانِ غیرت کے اقتضاء کو بیان فرماتے ہیں۔ قال رح

کاندر افگندم بکیواں گوے را در کشید اے اختراں ہے روے را

پس شانِ غیرت سے آپ فرما رہے ہیں کہ میں نے اپنے کمالات کی گیند زحل تک مراد یہ کہ ساتویں آسمان تک پہونچائی ہے اے ستارو اپنے منھ کو چھپا لو۔ یعنی میرے کمال کے سامنے دعویٰ کمال چھوڑ دو اس لئے کہ دعوے و ناز کے لئے منھ بھی ناز کا ہونا چاہئے دوسرے مقام پر مولانا فرماتے ہیں ؎

نازرا روے بباید ہمچو ورد چوں نداری گرد بدخوئی مگرد

غیرت نبویہ اور اسکا اقتضاء

زشت باشد روئے نازیبا و ناز — عیب باشد چشم نابینا و ناز
پیش یوسف نازش و خوبی مکن — جز نیاز و آہ یعقوبی مکن
چوں تو یوسف نیستی یعقوب باش — ہمچو او باگریہ و آشوب باش

یہاں سے رد ہو گیا اُن لوگوں کا بھی جو احکام شرعیہ کا مقابلہ کرتے ہیں اور اپنی رائے کے متبع ہیں قال رح

در شعاع بے نظیرم لا شوید — ورنہ پیش نور من رسوا شوید

میری شعاع بے نظیر کے سامنے فنا ہو جاؤ۔ یعنی میرے ہی تابع ہو کر رہو ورنہ میرے نور کے سامنے رسوا ہو جاؤ گے۔ جیسے آفتاب کے سامنے چاند اور ستارے بے نور ہو جاتے ہیں۔ باقی رات کو جو کہ تفرد کا وقت ہے قمر اور کواکب میں جو نور ہوتا ہے تو نور قمر کا تو جو کہ معتد بہ نور ہے اسوقت بھی شمس ہی سے مستفاد ہوتا ہے۔ اور کواکب کا نور خود معتد بہ نہیں اور دن کو چونکہ آفتاب کے ہوتے ہوئے وہ سب بزبان حال دعوی نور کا کرتے ہیں کیسے جھوٹے پڑ جاتے ہیں۔ پس دعوی سے ہمیشہ رسوائی ہوتی ہے۔ اور اتباع سے ہر طرح سلامتی ہے۔ دنیا کے اندر بھی یہی دیکھا جاتا ہے کہ مساوات اکابر میں خطرہ ہے اور تذلل میں سلامتی۔ چنانچہ ایک مہاجن کی لڑکی کو ایک جن لپٹ گیا۔ بڑے بڑے عامل تنگ آگئے ایک مکان کے اندر اس لڑکی کو مقفل کر دیا تھا۔ جو کوئی جاتا تھا شیر کی طرح غرا کر وہ اُس پر حملہ کرتی تھی۔ اس لئے سب معالج ڈرتے تھے۔ ایک میانجی قوم کے جولاہے تھے کسی نے اُن کا نام بھی بتلا دیا کہ یہ بھی عامل ہیں۔ حالانکہ بچارے بالکل ناواقف تھے۔ چنانچہ اُن کو لیگئے وہ بچارے گھبرائے مگر اپنے نزدیک سمجھ لیا کہ میں بڈھا تو ہو ہی گیا ہوں مرنے کے قریب ہوں۔ مرنے پر آمادہ ہو کر کہا کہ اچھا اگر یہ لڑکی اچھی ہو گئی تو پانسو روپیہ لوں گا۔ اُس مہاجن نے منظور کر لیا۔ اور پانسو روپیہ کسی کے پاس جمع کرا دئے میانجی ہمت کر کے اُس مکان کے اندر گیا۔ اور نہ کوئی تعویذ نہ گنڈا۔ جب پہونچا تو وہ حسب عادت للکار کر اُس کے پیچھے دوڑی۔ میانجی کو اسوقت یہ سوجھی کہ دوڑ کر اُس کے پاؤں پر گر پڑا اور کہنے لگا کہ میں تو تمہارا رعیت کا غریب جولاہا ہوں۔ تنگدستی اور افلاس نے ستا رکھا ہے آپ تھوڑی دیر کے لئے اگر تشریف لیجا دیں گے تو مجھے پانسو روپئے مل جاویں گے

غیر مقلدوں کی تقلید کا ابطال ہے

دعوی میں رسوائی ہے اور اتباع میں سلامتی ہے

ایک مہاجن کی لڑکی پر جن کا آنا اور ایک جولاہے کا قصہ

اور آپ کا کچھ حرج نہ ہوگا۔ یہ سن کر وہ جن قہقہہ مار کر ہنسا اور نرم ہوا۔ اور کہا اچھا تیری خاطر سے ہم ہمیشہ کے لئے جاتے ہیں۔ وہ لڑکی اچھی خاصی ہوگئی اور پانسو روپیہ اسکو مل گئے اور تمام نواح میں شہرت ہوگئی۔ پس یہ مٹ جانا ایسی چیز ہے کہ ہر جگہ کام آتا ہے۔ اگر وہ دعوی کرتا تو خود ہی اسکا مزہ چکھتا۔ واللہ اتباع سلامتی کا سبب ہے۔ یہ اتباع کا مضمون ایک تفریح تھی باقی اصل مضمون جو مقصود مقام ہے آپ کا درجۂ فعلیت میں کامل ہونا ہے۔ اب تیسرے مقام کے اشعار میں اس فنا و بقاء میں آپ کی شان تکمیل اور اس سے مستفید ہونے کے لئے استعداد کا شرط ہونا اور فساد استعداد کا سبب فساد عمل ہونا جو کہ اجزاء خمسہ فہرست میں سے تیسرا مضمون ہے مذکور ہے۔ کہ دیکھو ابو طالب حضور کے چچا تھے مگر چونکہ اتباع سے ان کو عار آیا اس سے استعداد ان کی فاسد ہوگئی اس لئے محروم رہے۔ قال رحمہ:-

خود دیکے بو طالب آں عم رسول   می نمودش شنعت عرباں مہول

یعنی وہ جو ابو طالب حضور کے چچا تھے انکو اسلام لانے پر عرب کا تشنیع ہولناک نظر آتا تھا۔ قال رحمہ

کہ چہ گویندم عرب کز طفل خود   او بگردانید دین معتمد

منصب اجداد و آبا را بماند   در پئے احمد چنیں بے راہ براند

کہ۔ بیانیہ شنعت کا بیان ہے یعنی اگر اسلام لے آؤں گا تو عرب کے لوگ مجھکو کیا کہینگے کہ اپنے لڑکے کے سبب سے اس نے اپنے پرانے دین کو بدل دیا۔ اور احمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے پیچھے ایسا بے راہ چلا کہ باپ دادے کے منصب کو چھوڑ دیا۔ طریق مذہبی کو منصب سے اس لئے تعبیر کیا کہ بنی ہاشم میں ریاست و امارت تھی۔ اور وہ ظاہر ہے کہ اسی حالت میں قائم رہ سکتی تھی کہ یہ اپنے قوم کے مذہبی طریقہ پر قائم رہیں جیسے اس زمانہ میں بہت سے اہل بدعت پیرزادگان کو حق واضح ہوگیا ہے لیکن اپنے بدعت کے طریقوں کو صرف اس لئے نہیں چھوڑتے کہ منصب پیرزادگی اور خانقاہ کے اوقاف اسی شرط کے ساتھ مشروط ہیں کہ وہ بدعت کے طرق کو نہ چھوڑیں۔ پس یہ عار اور ننگ ایسی شے ہے کہ حق کو دور کر دیتی ہے۔ قال رحمہ

آں رسولِ پاکبازِ مجتبےٰ   از پئے آں تا رہاند مرورا
گفتنش اے عم یک شہادت تو بگو   تا کنم با حق شفاعت بہر تو

یعنی محض ابو طالب کی خلاصی کے واسطے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا کہ اے چچا ایک مرتبہ تم کلمہ شہادت میرے سامنے کہہ لو تا کہ حق تعالی کے سامنے تمھارے لئے شفاعت کروں۔ جو جواب انھوں نے دیا وہ آگے مذکور ہے۔ قالؒ

گفت لیکن فاش گردد از سماع   کُلُّ سِرٍّ جَاوَزَ الاثْنَیْنِ شَاعَ

ابو طالب نے جواب دیا کہ کہتا تو ضرور لیکن جب آپ سنیں گے تو ظاہر ہو جاویگا اور پھر مخفی رہنا مشکل ہے۔ اسلئے جو راز دو سے گذرا وہ پھیل جاتا ہے۔ دو سے مراد یا تو دو شخص ہیں اگر دو شخص مراد ہوں تب تو یہ حکم ظاہر ہے کیونکہ جب دو شخصوں سے آگے بات چلیگی یعنی تیسرے کو بھی خبر ہو جاوے تو وہ پھر عام میں ضرور ظاہر ہو جاتی ہے اور یا مراد دو سے دو لب ہیں اس صورت میں یہ حکم ذرا مخفی ہے۔ کیونکہ اس صورت میں تیسرے کا سُننا تو فرض نہیں کیا گیا۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ عادت یہی ہے کہ جب دو شخصوں میں بات ہوتی ہے اس کی خبر تیسرے کو بھی ہو ہی جاتی ہے۔ قالؒ

من بمانم در زبانِ ایں عرب   پیش ایشاں خوار گردم زیں سبب

یعنی میں عرب کی زبان میں رسوا ہونگا اور اُن کے نزدیک اس سبب سے ذلیل ہو جاؤں گا۔ قالؒ

لیک اگر بودیش لطفِ ماسبق   کے بدے ایں بد دلی با جذبِ حق

یعنی اگر ابو طالب پر لطفِ ازلی ہوتا تو جذبِ حق کے ہوتے ہوئے راہ حق سے یہ بد دلی کیسے ہوتی۔ غرض اس حکایت سے معلوم ہوا کہ فساد استعداد اتباع سے عار اور ننگ کا سبب ہو جاتا ہے۔ آگے چوتھے مقام کے اشعار میں چوتھا اور پانچواں جزو اجزاء خمسہ مذکورہ میں سے مذکور ہے۔ چنانچہ اول اس فیض فنا و بقا میں اہل استعداد کی تکمیل کرنے میں آپ کا بے نظیر ہونا اور اس استعداد کی تکمیل کا سبب آپ کے اتباع طریق میں منحصر ہونا فرماتے ہیں اور یہ تکمیل استعداد عام ہے اصلاح استعداد و فاسد

کو بھی اور رفع نقصان استعداد ناقص کو بھی - قال رح

معنی نختم علیٰ افواھھم ایں شناس اینست رہرو راھھم
تا زراہِ خاتمِ پیغمبراں بو کہ برخیزد زلب ختمِ گراں

فرماتے ہیں کہ قران شریف میں جو نَخْتِمُ عَلٰٓی اَفْوَاهِهِمْ - آیا ہے اس کے معنی فساد استعداد کے ہیں - اس کو پہچانو کہ یہ رہرو یعنی سالک کے لئے ضروری ہے یہاں ایک طالب العلمانہ شبہہ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس نَخْتِمُ عَلٰٓی اَفْوَاهِهِمْ کے معنی تو یہ ہیں کہ ہم اُن کے مُنھ پر تکلم سے مہر لگا دیں گے - فساد استعداد تو اس کے معنی نہیں ہیں - پس تحقیق اس کی یہ ہے کہ ایک تو تفسیر ہے اور ایک تعبیر - تفسیر تو یہ ہے کہ مدلول قرآنی کو بیان کیا جاوے اور تعبیر یہ ہے کہ مدلول حقیقی سے بوجہ تشابہ کے بطور تمثیل کے دوسرے مقام کیطرف ذہن کو عبور کرنا اور منتقل ہونا - اس سے یہ مقصود نہیں ہوتا کہ قران شریف میں یہ مراد ہے بلکہ مقصود یہ ہوتا ہے کہ اسپر دوسری حالت کو جو اس کے مشابہ ہے قیاس کرو - پس نَخْتِمُ عَلٰٓی اَفْوَاهِهِمْ کی تفسیر تو یہی ہے کہ ہم تکلم سے اُن کے مُنھ پر مہر کر دینگے - مگر مولانا رح فرماتے ہیں کہ اس مہر سے ذہن منتقل کرو دوسری مہر کی طرف کہ جو اس مہر کا سبب اصلی ہوئی ہے - وہ کیا ہے فساد استعداد کی مہر - پس اس کی نسبت کہتے ہیں کہ اسکو پہچانو کہ مہر کا سبب فساد استعداد ہے تاکہ لب سے یہ مضبوط مہر خاتم پیغمبراں کی راہ کا اتباع کرنے سے ٹوٹے اور اس لب کھُلنے اور مہر کے ٹوٹنے سے مراد یہ نہیں کہ بولنے کے لئے کھُل جاویں - بلکہ مطلب یہ ہے کہ باطنی لب و دہان کھلنے سے غذاے روحانی فیوض کی پہونچنے لگے - آگے آپ کی مہر اُٹھانے کی شان بیان فرماتے ہیں - قال رح

ختمہاے کانبیا بگذاشتند آں بدینِ احمدی برداشتند

یعنی وہ مہریں نقصان استعداد کی جو انبیاء چھوڑ گئے تھے - آپ کا دین ایسا کامل ہے کہ اس کی برکت نے وہ سب نقصان اُٹھا دئے - اور یہاں مہر سے یہی نقصان مراد ہے نہ کہ فساد کیونکہ فساد استعداد تو ہر نبی کے اتباع سے مرتفع ہوتا رہا ہے - البتہ جس درجہ کا کمال استعداد آپ کی برکت سے نصیب ہوا وہ آپ کے ساتھ خاص ہے -

تفسیر و تعبیر کی تحقیق

اس کمال خاص کے مقابل استعداد سابقہ کو ناقص کہا جا سکتا ہے۔ قال

قفلہائے ناکشادہ ماندہ بود — از کفِ اِنَّا فتحنا برکشود

یعنی استعداد کے بہت سے قفل بے کھلے رہ گئے تھے۔ اِنَّا فَتَحْنَا یعنی صاحب انا فتحنا کے ہاتھ مبارک سے کھلے اور آپ کو بالخصوص صاحب انا فتحنا کہنے میں ایک نکتہ ہے۔ ورنہ یوں تو آپ کو صاحب قٓ صاحب صٓ صاحب المٓ بھی کہہ سکتے تھے۔ اور وہ نکتہ یہ ہے کہ یہاں قفلوں کے کھولنے کا چونکہ بیان ہے اس لئے صاحب انا فتحنا کہنا مناسب ہوا۔ اور نیز آپ کا لقب بھی فاتح ہے۔ یہ تو لفظی وجہ ہوئی۔ اور معنوی نکتہ یہ ہے کہ انا فتحنا کو عام لیا جاوے۔ فتح مکہ ہی کے ساتھ خاص نہ کہا جاوے۔ خواہ فتح مکہ ہو یا فتح باطنی ہو اور آگے جو مضمون ہے لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا الخ وہ واقع میں بھی فتح باطنی ہے اور یہاں پر ایک طالب علمی شبہ ہوا کرتا ہے اس کا حل کر دینا بھی جملہ معترضہ کے طور ضرور ہے وہ یہ ہے کہ اِنَّا فَتَحْنَا پر لیغفر لک اللہ الخ کیسے مرتب ہوا۔ کہاں فتح مکہ اور کہاں مغفرت وغیرہ۔ فتح کو مغفرت وغیرہ میں کیا دخل۔ مفسرین نے مختلف اور بعید بعید توجیہیں اس مقام کی لکھی ہیں۔ مگر الحمد للہ میری سمجھ میں جو آیا ہے وہ بے تکلف اور دلپذیر بات ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ تمام عرب کے لوگ اس کے منتظر تھے کہ مکہ فتح ہو تو ہم مسلمان ہوں۔ چنانچہ فتح مکہ پر جوق جوق اسلام لانے لگے۔ اور لوگوں کے اسلام لانے سے حضور کے مراتب قرب بڑھتے ہیں۔ نفس تبلیغ سے تو اور طرح کا ثواب ہوتا ہے اور اس تبلیغ سے اسلام لانے کا ثواب اور نوع کا ہے ورنہ تبلیغ تو تمام انبیاء نے کی ہے نفس تبلیغ میں سب انبیاء برابر ہیں۔ حضور جو فخر فرماویں گے وہ کثرت امت پر ہوگا پس فتح مکہ سبب ہے اسلام لانے کا اور اسلام لانا لوگوں کا سبب ہے۔ آپ کی زیادت قرب کا اور زیادت قرب سبب ہے۔ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ الٰی يَنْصُرَكَ اللّٰهُ کا اور سبب کا سبب یا سبب السبب کا سبب اس مسبب کا بھی سبب ہوتا ہے۔ پس فتح مکہ کو مغفرت وغیرہ میں اس طرح دخل ہوا اور ترتب بے تکلف درست ہوگیا۔ دیکھئے یہاں بھی

جواب اس شبہ کا کہ انا فتحنا پر لیغفر لک اللہ کیسے مرتب ہوا

قرآن کے فہم کے لئے علوم عقلیہ کی ضرورت ثابت ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ جن علوم کے قفل بے کھلے رہ گئے تھے اگر آپ کا اتباع کروگے تو وہ علوم کے قفل تم پر کھلجا دینگے دوسرے مقام پر مولانا اسی مضمون کو فرماتے ہیں ؎

قالؒ

بے کتاب و بے معید و اوستا
بینی اندر خود علوم انبیاء

او شفیع این جہان و آنجہان
این جہان در دین آنجا در جنان

یعنی حضور ہماری سفارش کرنے والے ہیں اس جہان کے بھی اور اس جہان کے بھی۔ اس جہان کے تو دین کے باب میں چنانچہ حضور ہمارے لئے دعائیں فرماتے تھے اُن کی برکت سے ہم کو دین کی توفیق ہوئی۔ اور اُس جہان میں جنت کے داخل ہونے کے باب میں سفارش فرمادیں گے۔ قالؒ

این جہان گوید کہ تو رہ شان نما
وان جہان گوید کہ تو مہ شان نما

یعنی یہ جہان بزبان حال حضور کی خدمت میں عرض کر رہا ہے کہ آپ ان کو راستہ دین کا دکھلایئے اور وہ جہان یہ کہے گا کہ آپ ان کو چاند یعنی دیدار باری تعالیٰ شانہٗ دکھلایئے یہ اشارہ اور اقتباس ہے اس حدیث سے سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ الْقَمَرَ لَيْلَةَ الْبَدْرِ یعنی حضور ارشاد فرماتے ہیں کہ تم عنقریب اپنے رب کو دیکھو گے جیسے لیلۃ البدر میں چاند کو دیکھتے ہو۔ قالؒ

پیشہ اش اندر ظہور و در کمون
اہد قومی انہم لا یعلمون

یہ مضمون بطور ترقی کے ہے یعنی مسلمانوں کی شفاعت تو حضور کیوں نہ فرماتے جبکہ حضور اعداء کی شفاعت فرماتے ہیں چنانچہ ظاہر اور باطن میں آپ کا یہ شیوہ ہے کہ آپ دعا فرماتے تھے۔ اِهْدِ قَوْمِي الخ یعنی اے اللہ میری قوم کو ہدایت کر یہ جاہل ہیں۔ پس اس توجیہ پر اِهْدِ قَوْمِي میں مسلمان بھی مراد ہوں گے اور کلام بھی مرتبط ہو گیا۔ قالؒ

باز گشتہ از دم او ہر دو باب
در دو عالم دعوتِ او مستجاب

آپ کے دم یعنی کلام سے دونوں دروازے کھل گئے یعنی دنیا میں تو علوم کے

دروازے جس کا بیان قفلہائے ناکشادہ الخ میں آچکا ہے اور آخرت میں لقاء حق اور دخول جنت کا دروازہ جس کا بیان متقدمہ میں آچکا ہے۔ پس دونوں جہان میں آپ کی دعا مستجاب ہے آگے آپ کے اس فیض کا اکمل ہونا بیان فرماتے ہیں۔ قال رح

بہر ایں خاتم شداست او کہ بجود   مثل اوئے بود وئے خواہند بود

آپ اس سبب سے خاتم ہوئے ہیں کہ فیوض و علوم کے جود و عطا میں آپکا مثل نہ ہوا اور نہ ہوگا۔ کمالات کے تمام مراتب آپ پر ختم ہو گئے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ خاتم زمانی نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ خاتم مطلق ہیں زماناً بھی اور کمالاً بھی اور خاتمیت کے یہ معنی جو اس شعر میں مع شعر مابعد کے مذکور ہیں وہ ہیں جو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحذیر الناس میں بیان فرمائے ہیں جس پر بیتدعین نے مولاناؒ پر بے حد شور مچایا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کو یہ اشعار ملے نہیں ورنہ سہولیت کے ساتھ فرما دیتے کہ خاتمیت کے یہ معنی بیان کرنے میں میں تنہا نہیں ہوں۔ مولانا رومؒ نے بھی اس کو لیا ہے۔ قال رح

چونکہ در صنعت برد استاد دست   نے تو گوئی ختم صنعت بر تو ست

تمثیل کے طور پر فرماتے ہیں کہ دیکھو جب کسی صنعت میں استاد سبقت لیجاتا ہے تو تم اس کو کہتے نہیں۔ یعنی یہ کہتے ہو کہ یہ صنعت تجھ پر ختم ہے۔ اسی طرح حضور خاتم کمالات ہیں یعنی آپ کا مثل کمالات میں کوئی نہیں ہے پس یہ معنی ہیں خاتمیت کے یعنی ختم زمانہ کے ساتھ آپ اس طرح بھی خاتم ہیں۔ قال رح

در کشادِ ختمہا تو خاتمی   در جہانِ روح بخشاں حاتمی

اول تو قوۃ فیضان کے اندر آپ کا خاتم ہونا بیان فرمایا تھا۔ اس شعر میں نقصان استعداد کی مہروں کے فاتح ہونے کے اعتبار سے آپ کا خاتم ہونا ظاہر فرماتے ہیں کہ آپ مہروں کے کھولنے میں خاتم ہیں اور روح بخش حضرات یعنی انبیاء کے عالم میں آپ بمنزلہ حاتم کے ہیں اور اس تقریر میں عجیب لطیفہ ہے یعنی آپ فاتح ہونے میں بھی خاتم ہیں۔ وجہ لطافت کی یہ ہے کہ فاتح اور خاتم کے معنی میں ظاہراً

تائید مضمون کتاب تحذیر الناس مصنفہ مولانا محمد قاسم صاحب از مثنوی مولانا روم

تقابل ہے اور یہاں بجای تقابل کے ایک دوسرے کا مکمل ہے۔ قال رحمہ اللہ

ہست اشاراتِ محمد المراد کل کشاد اندر کشاد اندر کشاد

یعنی آپ کی تصریحات تو علوم کا خزانہ ہیں ہی۔ حضور کے تو اشارات سے علوم کے دریا کھلتے ہیں۔ المراد کے معنی ہیں الحاصل یعنی حاصل یہ ہے کہ حضور کے اشارات سے اتنا بڑا دریا علوم کا کھلتا ہے کہ فتوح در فتوح ہوتی چلی جاتی ہے چنانچہ احادیث کے چھوٹے چھوٹے اشاروں سے بڑے بڑے علوم کھلتے ہیں اور وہ مثال ہو جاتی ہے کہ ؎

یارب چہ چشمہ ایست محبت کہ من ازاں یک قطرہ آب خوردم و دریا گریستم

یہ ہے غایت حضور کے تولد شریف کی اور نبوت شریف کی۔ اے مدعیانِ محبت تم لوگوں نے اس غایت پر بھی نظر کی ہے۔ یا خالی زبانی محبت ہی ہے۔ یاد رکھو زبانی محبت بلا اس غایت کے تحصیل کے کار آمد نہیں ہے۔ آپ لوگ تو صرف ایک چیز یعنی ذکر ولادت کا اہتمام کرتے ہو اور ہم اس ذکر کے ساتھ اس فکر کو بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ غایت اس کی کیا ہے۔ اجزاء فہرست میں سے اب صرف جزو خامس رہ گیا ہے کہ اب حضور کا فیض فناء و بقاء ہم کس طرح حاصل کریں۔ اس کا جواب دیتے ہیں۔ قال رحمہ اللہ

حضور کے فناء و بقاء کا فیض اب کس طرح سے حاصل کرنا چاہئے۔

صد ہزاراں آفریں بر جانِ او بر قدوم و دورِ فرزندانِ او

یعنی لاکھوں آفریں آپ کی جانِ پاک پر ہوں اور آپ کے فرزنداں یعنی جانشین اہل کمال کے قدوم یعنی آنے اور دَور یعنی دَورہ کرنے پر ہوں۔ حکام کا ایک وقت تو حاکم ہو کر آنے کا ہوتا ہے اور ایک وقت دَورہ کا ہوتا ہے۔ اسی طرح علماء امت اور جانشینانِ حضور کا ایک وقت تو کمالات کو لیکر آنے کا ہوتا ہے اور ایک وقت دورہ کا یعنی افاضہ کا ہوتا ہے۔ پس دَورہ کا مطلب یہ نہیں کہ وہ گھومتے پھرتے ہیں۔ اگرچہ اس اعتبار سے یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ بعض حضرات مخلوق کے افاضہ کے لئے جگہ جگہ جاتے بھی ہیں۔ پس حاصل یہ ہے کہ گو حضور تشریف لے گئے ہیں لیکن حضور کے جانشین تو موجود ہیں وہ فیض ان سے لو ؎

چونکہ شد خورشید و ما را کرد داغ چارہ نبود بر مقامش از چراغ

اکثر اہل مولد وفات شریف کے ذکر کو ولادت شریفہ کے ذکر کے ساتھ ناگوار سمجھتے ہیں لیکن چونکہ ہم غایت ولادۃ شریفہ کو بیان کر رہے ہیں۔ تو اُس غایت کے متعلق یہ سوال ضرور ہوگا کہ اب اس غایت کو کیسے حاصل کریں اس لئے ذکر وفات شریف کا ضرور آویگا چنانچہ اُسی غایت ولادت کے بتلانے کے لئے ہم نے اُس رسم سے قطع نظر کرکے وفات کے متعلق مضمون مولانا رحمہ اللہ کے کلام سے بیان کیا کہ آپ کے بعد آپ کے جانشینوں سے وہ فیض حاصل کرو اور فرزندان اس لئے فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں ہے۔ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ یعنی نبی کی ازواج مطہرات مومنین کی مائیں ہیں تو آپ ظاہر ہے کہ باپ ہوئے اور یہ ظاہر ہے کہ سچا جانشین وہی ہوتا ہے جو باپ کے قدم بقدم ہو۔ ورنہ اُس کو فرزند ہی نہیں کہتے۔ پس سچے جانشین اولیاء و علماء اُمّت ہوئے۔ یہاں پر ایک سوال ہو سکتا ہے کہ قرآن شریف میں تو حضورؐ کے ابوۃ کی نفی فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ۔ جواب یہ ہے کہ اسی آیت سے ابوۃ حضور کی معلوم ہوتی ہے اور وہ بہت لطیف بات ہے وہ یہ ہے کہ آگے ارشاد ہے وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ۔ اور اہل علم کو معلوم ہے کہ لٰکِنَّ استدراک یعنی توہم ناشی من الکلام السابق کے دفع کے لئے ہوتا ہے۔ اور یہاں بظاہر کوئی شبہ معلوم نہیں ہوتا جسکا لٰکِنَّ سے دفعیہ مقصود ہو۔ بجز اس کے کہ تقریر آیت کی یہ ہو کہ جب ارشاد ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں تو شبہ ہوا کہ کیا نسبی باپ نہیں تو اور کسی قسم کے بھی باپ نہیں جو علی الاطلاق ابوۃ کی نفی کی گئی تو اس شبہ کا دفع ہے کہ ہاں لیکن روحانی باپ ہیں یعنی رسول ہیں۔ اس لئے کہ روحانی تربیت کرتے ہیں۔ قال رحمہ اللہ

آں خلیفہ زادگانِ مقبلش　　زادہ اند از عنصرِ جان و دلش

یعنی آپ کے شاہزادے بلند اقبال آپ کے عنصر خاکی سے نہیں ہیں۔ یعنی نسبی اولاد مراد نہیں ہے بلکہ آپ کے روح و دل کے مبارک عنصر سے ہیں۔ یعنی روحانی اولاد ہیں۔ قال رحمہ اللہ

گر ز بغداد و ہرے یا از رے اند　　بے مزاجِ آب و گِل نسلِ وے اند

یعنی لطیفہ آیۃ ما کان محمد ابا احد الخ جواب ہے تعارض وازواجہ امہاتھم کو جس سے ابوۃ حضور کی ثابت ہوتی ہے۔

یعنی نسبی اولاد کی طرح یہ ضروری نہیں کہ وہ ایک مقام کے ہوں بلکہ وہ خواہ بغداد کے ہوں یا ہرات کی خاک سے ہوں یا ہرے کے۔ بغیر آب و گل کے میل کے آپ کی نسل ہیں یعنی روحانی اولاد ہیں۔ آگے اس کی وجہ نظیر کے ضمن میں بیان فرماتے ہیں۔ قال رح

شاخ گل ہر جا کہ روید ہم گل است   خُم مل ہر جا کہ جوشد ہم مل است

یعنی اُن کے اختلاف مقامات سے تعجب نکرو۔ اس لئے کہ شاخ گل شجرۂ گل سے کاٹ کر جہاں کہیں لگادی جاوے اور وہ وہاں جمے گل ہی ہے۔ اور شراب کا مٹکا جہاں جوش مارے شراب ہی ہے۔ اسی طرح خواہ وہ کہیں کے ہوں مگر آپ سے منتسب ہیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ اگر حضور تشریف نہیں رکھتے ہیں تو آپ کے خلفاء و ورثہ موجود ہیں ؎

چونکہ گل رفت و گلستاں شد خراب   بوئے گل را از کہ جوئیم از گلاب

یعنی جب پھول کا موسم جاتا رہے اور گلاب کی بو سونگھنا چاہو تو گلاب سے حاصل ہو سکتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ۔ یہ وارثین بھی اولی الامر میں داخل ہیں۔ الحمد للہ مضمون مقصود تمام ہوا۔ پس یہ راز ہے حضور کی تشریف آوری کا ولادت شریفہ سے لیکر وفات شریفہ تک کا۔ خلاصہ یہ ہوا کہ اتباع کامل حضور کا کرو تا کہ غایت حضورؐ کی تشریف آوری کی کہ فیض نبوی ہے تم کو حاصل ہو یہی حاصل ہے فنا و بقاء کا جس نے یہ راز سمجھ لیا اور اُس کو عمل میں لایا وہ ہے سچا مُحِبّ اور وہ ہے واقعی صاحب دولت۔ اور جس نے اُس کو نہ سمجھا اور محض زبانی تذکرے پر رہا اُس نے حقیقت میں کچھ نہیں پایا۔ یہ تھا بیان حضور کی تشریف آوری کے راز کا اہل اسرار کے طرز پر۔ اب میں اسکو ختم کرتا ہوں۔ اور اس کا لقب۔ مِنَ الْمَوْلِدِ النَّبَوِیِّ مِنَ الْمَثْنَوِیِّ الْمَعْنَوِیِّ رکھتا ہوں۔ فقط ؏

اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِاِتِّبَاعِ سنۃ نبینا و احشرنا فی زمرتہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ و سلم

تمت بالخیر

السرور

بظہور النور

ملقب بہ

ارشاد العباد فی عید المیلاد

این	متی	کم	کیف	لم	ماذا	شان من ای	ضبط من	المستمعون	اشتات
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنا ہوا	بیٹھکر یا کھڑے ہوکر	کیوں ہوا	کیا مضمون تھا	کس طبقہ کو زیادہ مفید ہے	کس نے لکھا	سامعین کی تخمیناً تعداد	متفرقات
جامع مسجد تھانہ بھون	۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۳۳۳ھ	۳ گھنٹے بعد نماز جمعہ سے قریب مغرب تک اور درمیان میں نماز عصر پڑھی گئی	بیٹھکر	تمہید میں مذکور ہوا	حضور کی ولادت شریف پر فرح کا مامور بہ ہونا اور عید میلاد النبی پر مفصل کلام	عموماً خصوصاً طاعنین اہل میلاد النبی کو	مولوی محمد عبداللہ گنگوہی	۱۵۰	اہل علم کا مجمع کم اور متوسطین و عوام کا زیادہ تھا

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و نشھد ان سیدنا و مولانا محمدا عبدہ و رسولہ صلی اللہ تعالی علیہ و علی آلہ و اصحابہ و بارک و سلم **اما بعد** فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن

الرحیم - قُل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذٰلک فلیفرحوا ھو خیر مما یجمعون - قبل
اس کے کہ اس آیت کے متعلق میں کچھ بیان کروں اول بطور تمہید یہ معلوم کر لینا ضروری ہے
کہ چند سال سے میرا معمول ہے کہ ماہ ربیع الاول کے شروع میں ایک وعظ اس ماہ میں
افراط تفریط کرنے والوں کی اصلاح کے متعلق کہا کرتا ہوں اور اس میں تبعاً واستطراداً
اور فوائد علمیہ ونکات وحقائق کا بیان بھی آجاتا ہے امسال بھی ایسا ہی خیال تھا کہ
ابتداء ربیع الاول میں ایسا وعظ ہو جائے لیکن وجہ التواء یہ ہوئی کہ ہمارے مدرسہ
کے متعلق ایک مکان طلبہ کے لئے بنا ہے - خیال یہ ہوا کہ اس مکان میں اس کے افتتاح
کے ساتھ یہ وعظ ہو تاکہ اس مکان میں برکت ہو لیکن اُس کے افتتاح میں بعض امور کا
انتظار تھا - اتفاق سے وہ جملہ امور دوشنبہ کے روز ختم ہوئے چنانچہ اوس روز ارادہ
بیان کا ہوا - لیکن بعض احباب کی رائے ہوئی کہ جمعہ کے روز جامع مسجد میں یہ بیان ہو
تاکہ اور لوگ بھی منتفع ہوں اس وجہ سے اس بیان میں دیر ہوئی اور عجیب اتفاق ہے کہ آج
۱۲ ربیع الاول ہے اسی تاریخ میں لوگ افراط تفریط کرتے ہیں اس تاریخ کا بالتخصیص
ارادہ نہیں کیا گیا اور نہ نعوذ باللہ اس تاریخ سے ضد ہے بلکہ الحمد للہ ہم اس میں برکت
کے قائل ہیں - مگر یہ اتفاقی بات ہے کہ اس بیان کا اس تاریخ سے اقتران ہو گیا اور یہ حق
تعالیٰ کا فضل ہے کہ متبع سنت کو اللہ تعالیٰ بلا قصد وہ برکات عنایت فرما دیتے ہیں کہ
جنکا متبع رسوم وبدعات ارتکاب بدعات کے ساتھ قصد کرتے ہیں - تفصیل اس اجمال کی
یہ ہے کہ جو شئے دائر بین السنۃ والبدعۃ ہو تو اُس سنت کو ترک کر دینا چاہئے - پس یہ تاریخ
اگرچہ بابرکت ہے اور حضور صلعم کا ذکر شریف اسمیں باعث مزید برکت کا ہے لیکن چونکہ
تخصیص اس کی اور اُس میں اس ذکر کا التزام کرنا بدعت ہے اس لئے اس تاریخ
کی تخصیص کو ترک کر دینگے ہم کو اللہ تعالیٰ نے اس تخصیص کے مفسدہ سے بھی محفوظ
رکھا اور اس تاریخ کی برکات سے بھی محروم نہیں رکھا اور عجیب بات ہے کہ اگر دوشنبہ
کے روز بیان ہوتا تو ہم کو اُس دن بھی یہی برکت حاصل ہوتی - اس لئے کہ حضور کی
ولادت شریفہ اس یوم میں ہوئی ہے اور نیز بعض محققین اس طرف گئے ہیں کہ ولادت

تمہید وعظ ہذا

جو شئے دائر بین السنۃ والبدعۃ ہو وہ سنت واجب الترک ہے

شریفہ ۸ ربیع الاول کو ہوئی ہے اور دوشنبہ کو آٹھویں ہی تاریخ تھی پس اس قول کے موافق ہم کو یوم البرکت اور تاریخ البرکت دونوں سے حصہ مل جاتا اور جمہور کے قول کے موافق ۱۲ ربیع الاول تاریخ ولادت شریفہ ہے اس لئے اب بھی اس تاریخ کی برکت سے محرومی نہ رہی بلکہ اب دو برکتیں حاصل ہو گئیں یوم کی بھی اور تاریخ کی بھی اس لئے کہ دوشنبہ کے روز نیت بیان کی تھی اور مومن کی نیت پر بھی ثواب کا وعدہ ہے۔ یوم کی برکت یوں حاصل ہو گئی اور آج کہ ۱۲ تاریخ ہے اس کا وقوع ہو گیا تاریخ کی برکت اس طرح حاصل ہو گئی یہ برکت ہے اتباع سنت کی اور ہر چند کہ اس یوم میں افراط تفریط کے متعلق بیان کرنا زائد معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ جو افراط تفریط کرنا تھا آج اُن لوگوں نے کر لیا ہوگا۔ پس اب اس بیان سے کیا فائدہ مگر یہ ایام چونکہ پھر بھی انشاء اللہ تعالیٰ آنے والے ہیں اور نیز علاوہ ربیع الاول کے اور دنوں میں بھی لوگ ایسی مجالس منعقد کرتے ہیں اور (۱) ان میں حدود شرعیہ سے متجاوز ہوتے ہیں۔ اس لئے اس کے متعلق بیان کر دینا خالی از نفع نہیں یہ مضمون تو بطور تمہید کے تھا اب آیت شریفہ کے متعلق عرض کرتا ہوں جاننا چاہیئے کہ انہیں کسی مسلمان کو شک و شبہ نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کی ہر نعمت قابل شکر ہے خاص کر جو بڑی نعمت ہو پھر خصوص دینی نعمت اور دینی نعمتوں میں سے بھی خاص جو بڑی نعمت ہو پھر اُن میں بھی خصوص وہ نعمت جو اصل ہے تمام دینی و دنیوی نعمتوں کی اور وہ نعمت کیا ہے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کہ حضور سے دینی نعمتوں کے تو فیوض دنیا میں فائض ہوتے ہی ہیں دنیوی نعمتوں کے بھی سرچشمہ بھی آپ ہی ہیں اور صرف مسلمانوں ہی کے لئے نہیں بلکہ تمام عالم کے لئے چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ یعنی نہیں بھیجا ہم نے آپ کو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مگر جہانوں کی رحمت کے واسطے دیکھئے عالمین میں کوئی تخصیص انسان یا غیر انسان یا مسلمان یا غیر مسلمان کی نہیں ہے۔ پس معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود ہر شے کے لئے

(۱) دینی نعمت بڑی نعمت ہے خصوصاً تشریف آوری حضور صلی اللہ علیہ وسلم

(۲) حضور دینی و دنیوی نعمتوں کے سرچشمہ ہیں تمام عالم کے لئے

باعث رحمت ہے خواہ وہ جنس بشر سے ہو یا غیر جنس بشر سے اور خواہ حضور سے زمانہ متاخر ہو یا متقدم متاخرین کے لئے رحمت ہونا تو بعید نہیں لیکن پہلوں پر رحمت ہونے کے لئے بھی حضور کا ایک وجود سب سے پہلے پیدا فرمایا اور وہ وجود نور کا ہے کہ حضور اپنے وجود نوری سے سب سے پہلے مخلوق ہوئے ہیں اور عالم ارواح میں اس نور کی تکمیل و تربیت ہوتی رہی آخر زمانہ میں اس امت کی خوش قسمتی سے اس نور نے جسد عنصری میں جلوہ گر و تاباں ہو کر تمام عالم کو منور فرمایا پس حضور اولاً و آخراً تمام عالم کے لئے باعث رحمت ہیں۔ پس حضور کا وجود تمام نعمتوں کی اصل ہونا عقلاً و نقلاً ثابت ہوا تو ایسا کون مسلمان ہوگا کہ جو حضور کے وجود با وجود پر خوش نہ ہو یا شکر نہ کرے پس ہم پر یہ خالص تہمت اور محض افتراء اور بڑا بہتان ہے کہ توبہ توبہ نعوذ باللہ کہ ہم لوگ حضور کے ذکر شریف یا اس پر خوش ہونے سے روکتے ہیں۔ حاشا و کلا حضور کا ذکر تو ہمارا جزو ایمان ہے۔ ہاں جو شئے خلاف ان قوانین کے ہوگی جن کی پابندی کا ہمکو خود حضور نے حکم فرمایا ہے۔ اس سے البتہ ہم روکیں گے۔ اگرچہ فی نفسہ وہ شئے مستحسن ہو اور شریعت میں اس کے نظائر بکثرت موجود ہیں دیکھو اس پر سب کا اتفاق ہے کہ عین دوپہر کے وقت نماز پڑھنا مکروہ ہے اور اس پر بھی اجماع ہے کہ قبلہ سے منھ پھیر کر نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ اور یہ بھی سب کے نزدیک مسلم ہے کہ یوم النحر اور یوم الفطر میں روزہ رکھنا حرام ہے اور یہ بھی سب جانتے ہیں کہ ایام تشریق میں افطار ضروری ہے اور یہ بھی تمام امت کا مسئلہ مسلمہ ہے کہ ماہ محرم میں حج نہیں ہو سکتا اور نیز محل حج مکہ ہی ہے۔ بمبئی میں حج ممکن نہیں دیکھئے نماز روزہ حج فرض ہیں لیکن خلاف قاعدہ و قانون شریعت چونکہ کئے گئے اس لئے وہ بھی منہی عنہا ہو گئے اور ان کے ممنوع ہونے کو آپ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ پس اگر کوئی ایسے نماز روزہ حج کو منع کرے تو اس کو کوئی عاقل یوں نہ کہے گا اور یہ تہمت اس پر نہ لگائے گا کہ یہ شخص نماز روزہ حج سے روکتا ہے اگر نماز روزہ سے روکتا تو خود ہی ان پر کیوں عامل ہوتا۔ اسی طرح مسئلہ متنازعہ فیہا کے اندر سمجھو کہ ہمارے حضرات کی نسبت یہ کہنا کہ یہ لوگ حضور کی ولادت شریف کے ذکر

یا اس پر خوش ہونے کو منع کرتے ہیں وہ نری تہمت اور افترا ہے سبحانک ھذا بہتان عظیم حاشا معاذاللہ ہم ہرگز منع نہیں کرتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ہر شے کا ایک طریق ہوتا ہے جب وہ شے اُس طریق سے کیجاوے تو وہ پسندیدہ ہے ورنہ ناپسند اور قابل منع کرنے کے ہے دیکھیئے تجارت ہے اُس کے لئے گورنمنٹ نے خاص خاص قوانین مقرر کر دئے ہیں اگر کوئی شخص ان قوانین کے خلاف تجارت کرے گا تو وہ ضرور قوانین کی خلاف ورزی میں ماخوذ ہوگا۔ چرّہ بارود کی تجارت وہی کر سکتا ہے جس نے لیسنس حاصل کر لیا ہو اسی طرح شریعت میں بھی ہر شئے کا قاعدہ اور قانون ہے جب اُس کے خلاف کیا جاویگا تو وہ ناپسند اور منہی عنہ ہو جائے گی پس حضور کی ولادت باسعادت کا ذکر مبارک عبادت ہے لیکن دیکھنا چاہیئے کہ قانون داں حضرات یعنی خود حضور اور صحابہ رضی اللہ عنہم جنکے اقتداء کا ہم کو حکم ہے انھوں نے اس عبادت کو کس طرز اور کس طریق سے کیا ہے اگر آپ لوگ اسی طریق سے کریں تو سبحان اللہ کون اس سے روکتا ہے اور اگر اس طریق سے نہ کیا جاوے تو بے شک وشبہہ وہ قابل روکنے کے ہے۔ اب فرمایئے کہ کیا ہم لوگ ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روکنے والے ہیں۔ اس کی تو ایسی مثال ہے جیسے کوئی چرّہ بارود کی تجارت کو لیسنس نہ ہونے کی وجہ سے منع کرے اور اُس کو یہ کہا جاوے کہ یہ تو تجارت کو منع کرتے ہیں پس نفس فرح و سرور علی ذکر الرسول کو کوئی منع نہیں کرتا کہ وہ تو عبادت ہے ہاں جب اس کے ساتھ اقتران منہی عنہ کا ہوگا تو بیشک قابل ممانعت ہے۔ فرح اور سرور ہی کو دیکھ لیجیئے کہ اُس کی نسبت قرآن مجید میں ایک مقام پر تو ہے لا تفرح اور دوسرے مقام پر ارشاد ہے فلیفرحوا۔ جیسا اس آیت میں ہے۔ معلوم ہوا کہ بعض فرح کے افراد ماذون فیہ ہیں اور بعض منہی عنہا اور ظاہر ہے کہ اعمال اخرویہ میں ہمارے لئے معیار شریعت ہے پس شریعت کے قواعد سے جو فرحت جائز ہے اُسکی تو اجازت ہے اور جو ناجائز ہے وہ ممنوع ہے چنانچہ جس جگہ لا تفرح ہے وہاں دنیوی فرحت مراد ہے مگر وہی فرحت جو حد سے متجاوز ہو ورنہ نفس فرح نعمت دنیویہ پر بھی لوازم شکر سے ہے اور جہاں امر کا صیغہ ہے وہاں نعمت دینی پر فرحت مقصود ہے۔ لیکن وہی فرح

جس میں قواعد شریعت سے تجاوز نہ ہو مثلاً اگر کوئی نماز پر کہ وہ نعمت دینی ہے خوش ہو اور خوشی میں آکر یہ کرے کہ بجائے چار رکعت کے پانچ رکعت پڑھنے لگے تو بجائے اس کے کہ ثواب ہو الٹا گناہ ہوگا۔ اس لئے کہ اس نے شریعت کے قواعد سے تجاوز کیا خود ذکر رسول کہ جس میں اختلاف ہے اُسی کو لے لیجئے کہ مسئلہ متفق علیہا ہے کہ جو شخص چار رکعت والی نماز میں قعدہ اولیٰ میں تشہد کے بعد اللھم صل علی محمد پڑھ دے تو نماز ناقص ہوگی حتیٰ کہ سجدہ سہو سے وہ نقصان منجبر ہوگا۔ اگر سہواً ایسا کیا دیکھئے درود شریف کہ جسکی نسبت ارشاد ہے۔ من صلی علی مرۃ صلی اللہ علیہ عشراً او کما قال یعنی جو شخص درود بھیجے مجھپر ایک مرتبہ اس پر اللہ تعالیٰ دس مرتبہ رحمت فرماویں گے اور پھر موقع کونسا نماز لیکن حکم شرعی یہ کہ نماز میں نقصان آجائیگا تو اس کی آخر کیا وجہ ہے ؎

بزہد و ورع کوش وصدق وصفا	ولیکن میفزائے بر مصطفےٰ
خلاف پیمبر کسے رہ گزید	کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید
مپندار سعدی کہ راہِ صفا	تواں رفت جز بر پئے مصطفےٰ

پس حضور نے جو موقع درود شریف کا نماز میں مقرر فرما دیا ہے چونکہ اس سے تجاوز ہوا ہے۔ اس لئے نماز میں نقصان آیا اگرچہ درود شریف فی نفسہ عبادت ہے اور یہ مسئلہ ایسا ہے کہ اس پر اہل بدعات کا بھی اتفاق ہے اس لئے کہ وہ بھی حنفی ہیں پس انکو چاہئے کہ امام صاحبؒ پر اعتراض کریں۔ اور اُن پر بھی یہ تہمت لگائیں کہ وہ تو بہ ذکر رسول سے منع کرتے ہیں اور وہ بھی وہابی تھے۔ پس اے حضرات خدا سے ڈرئیے اور اس مادہ فاسدہ کو اپنے دماغ سے نکالئے ورنہ اس کا اثر دور دور تک سرایت کریگا۔ اور احکام میں نظرِ انصاف اور حق طلبی سے غور فرمایئے پھر اگر شبہات رہیں تو شائستگی اور تہذیب سے اُن کو رفع فرمایئے اور خوب سمجھ لینا چاہئے کہ جب قرآن مجید میں خود حضور کے وجود باوجود کی نسبت (کما سیجئی فی تفسیر الآیہ مفصلاً) صیغہ امر فلیفرحوا موجود ہے تو اس فرحت کو کون منع کرسکتا ہے۔ غرض حضور کی ولادت شریفہ پر فرحت اور سرور

حضور کے ذکر کے بغیر کسی مسلمان کو مفر نہیں۔

کو کوئی منع نہیں کر سکتا۔ اور یہ امر بالکل ظاہر تھا لیکن میں نے اس میں اس لئے تطویل
کی کہ ہم پر یہ افترا ہے کہ یہ لوگ حضور کے ذکر کو منع کرتے ہیں صاحبو! حضور کا ذکر مبارک تو وہ
شے ہے کہ اگر اس پر اجر کا بھی وعدہ نہ ہوتا تو خود حضور کی محبت بمقتضائے من احب
شیئا اکثر ذکرہٗ اسکو مقتضی ہے کہ آپکا ہر وقت ذکر کیا کرتے اور چونکہ حضور کا ذکر
عین عبادت ہے اسی واسطے حق تعالیٰ نے خود اس قدر مواقع آپکے ذکر کے مقرر
فرمائے ہیں کہ مسلمان سے لا محالہ ذکر ہو ہی جاوے دیکھئے نماز کے اندر ہر قعدہ میں
السلام علیك ایها النبی موجود ہے اور قعدے ظہر اور عصر اور مغرب اور عشا میں دو دو
ہیں اور فجر میں ایک تو کل نو قعدے ہوئے اور سنن موکدہ اور وتر ہیں لیجئے ظہر میں تین
مغرب میں ایک عشا میں تین اور صبح میں ایک تو کل سترہ قعدے ہوئے پس یہ سترہ
مرتبہ حضور کا ذکر ہوا۔ پھر پانچوں وقت فرائض اور سنن و وتر کے قعدے اخیرہ میں کل
گیارہ مرتبہ درود شریف بھی پڑھا جاتا ہے۔ پس سترہ اور گیارہ کل اٹھائیس بار تو
لا محالہ ہر مسلمان کو آپ کا ذکر مبارک کرنا روزانہ ایسا ضروری ہے کہ اس سے کسی طرح
مفر ہی نہیں پھر پانچوں وقت اذان اور تکبیر ہوتی ہے۔ اسمیں اشهد ان محمد رسول
اللہ موجود ہے جسکو موذن اور سننے والا دونوں کہتے ہیں پھر ہر نماز کے بعد دعا بھی سبھی
مانگتے ہیں اور دعا کے آداب میں سے کر دیا گیا ہے کہ اس کے اول و آخر درود شریف ہو
غرض اس حساب سے اٹھائیس سے بھی زیادہ تعداد حضور کے ذکر شریف کی ہوگی اور یہ
تو وہ مواقع ہیں کہ ان میں پڑھے بے پڑھے سب شامل ہیں اور جو طالب علم حدیث شریف
پڑھتے ہیں وہ تو ہر وقت حضور ہی کے ذکر میں رہتے ہیں۔ اس لئے کہ حدیث کے شروع میں
آپکے نام مبارک کے ساتھ درود شریف موجود ہے چنانچہ احادیث کی کتابیں اٹھا کر دیکھئے
اور ان میں جا بجا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قال النبی صلی اللہ علیہ
وسلم اور عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم واقع ہے اور درمیان میں بھی جہاں کہیں
حضور کا اسم مبارک آیا ہے وہاں بھی درود شریف موجود ہے۔ گویا حضور کے ذکر کو
ایسا گوندھ دیا ہے کہ بغیر ذکر کے مسلمان کو چارہ نہیں مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادی

رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا تھا کہ ذکر ولادت آپ کے نزدیک جائز ہے یا ناجائز انھوں نے فرمایا کہ ہم تو ہر وقت ذکر ولادت کرتے ہیں اس لئے کہ ہر وقت کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتے ہیں اگر آپ پیدا نہ ہوتے تو ہم یہ کلمہ کہاں پڑھتے۔ بس محبت کا مقتضیٰ تو یہ ہے کہ آپ کا ہر وقت ذکر ہو اور اس کے لئے اسکی ضرورت نہیں کہ اُس کے لئے مجالس منعقد کی جاویں اور مٹھائی منگائی جاوے تب ذکر ہو عاشق اور محب کو اتنی دیر کیسے صبر آسکتا ہے دیکھو کسی سے اگر محبت ہو جاتی ہے تو محب کی کیا حالت ہوتی ہے کہ ہر وقت اُس کی یاد میں بے قرار رہتا ہے اگر اُس سے کوئی کہے کہ میاں ذرا ٹھہر جاؤ ہم مجلس آرائی کر لیں اور مٹھائی منگا لیں اس وقت ذکر کیجو وہ کہے گا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تمھاری محبت کاذبہ ہے کہ جو اتنی دیر تک تم ذکر محبوب سے صبر کرتے ہو محبت تو وہ شے ہے جیسے مجنوں کی حالت تھی ؎

دید مجنوں را یکے صحرا نورد — در بیابانِ غمش بنشستہ فرد
ریگ کاغذ بود و انگشتاں قلم — می نمودے بہر کس نامہ رقم
گفت اے مجنون شیدا چیست ایں — می نویسی نامہ بہر کیست ایں
گفت مشق نام لیلےٰ می کنم — خاطر خود را تسلی می کنم

بتلایئے اگر مجنوں کو اس حالت میں کوئی یہ کہتا کہ ذرا ٹھہر جاؤ ہم مجلس بنا لیں اور مٹھائی منگا لیں اُس وقت لیلیٰ کا ذکر کرنا تو وہ یہ جواب دیگا کہ سلام ہے ایسی مجلس کو اور ایسی مٹھائی کو جو میرے اور میرے محبوب کے درمیان میں حجاب ہو اور رہنے تو اکثر مجالس میلاد والوں کو یہی دیکھا ہے کہ یہ محبت سے بالکل خالی ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ بڑا معیار محبت کا محبوب کی اطاعت ہے کسی نے خوب کہا ہے ؎

تعصی الرسول وانت تظهر حبه — هذا العمری فی الفعال بدیع
لو کان حبك صادقا لاطعته — ان المحب لمن یحب مطیع

یعنی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتا ہے اور اُن کی محبت کو ظاہر کرتا ہے بہ جہان کی قسم یہ امر افعال عجیبہ میں سے ہے اگر تیری محبت صادق ہوتی تو ضرور تو حضور کی

اطاعت کرتا اس لئے کہ محب محبوب کا مطیع ہوتا ہے اور مولد پرستوں کو دیکھا ہے کہ مجلس میلاد کا اہتمام کرتے ہیں۔ بالس کھڑے کر رہے ہیں ان پر کپڑے منڈھ رہے ہیں اور سامان روشنی کا فراہم کر رہے ہیں اور اس درمیان میں جو نمازوں کے وقت آتے ہیں تو نماز نہیں پڑھتے اور ڈاڑھی کا صفایا کرتے ہیں کیوں صاحبو کیا محبین رسول کی ایسی ہی صورتیں اور یہی اُن کی حالت ہوتی ہے کیا بس حضور کا اتنا ہی حق ہے کہ پانچ روپیہ کی مٹھائی منگا کر تقسیم کر دی اور سمجھ لیا کہ ہم نے رسول کا حق ادا کر دیا کیا آپ لوگوں نے حضور کو نعوذ باللہ کوئی پیشہ ور پیرزادہ سمجھا ہے کہ تھوڑی سی مٹھائی پر خوش ہو جاویں تھوڑے سے نذرانہ پر راضی ہو جاویں توبہ توبہ نعوذ باللہ یاد رکھو حضور ایسے محبین سے خوش نہیں ہیں سچے محب وہ ہیں جو اقوال و افعال وضع انداز ہر شے میں حضور کا اتباع اور اطاعت کرتے ہیں میرے ایک دوست حافظ اشفاق رسول نامی ہیں وہ ذکر رسول کے فریفتہ ہیں وہ کبھی کبھی محبت کی وجہ سے ذکر ولادت مروج طریق سے کیا کرتے تھے انھوں نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ فرماتے ہیں کہ ہم اس کی شفاعت نہ کریں گے جو ہماری بہت تعریف کرے ہم اُس کی شفاعت کریں گے جو ہماری اطاعت کرے مطلب اسکا یہی ہے کہ جو شخص نرا دعویٰ کرتا ہو اور نعتیہ اشعار بہت پڑھتا ہو لیکن اطاعت کرتا نہ ہو تو اُس کی شفاعت نہ کرینگے میں نے جو "اصلاح الرسوم" کتاب لکھی ہے اس میں ایک فصل ذکر میلاد کے متعلق بھی ہے چنانچہ وہ فصل طریقۂ مولد کے نام سے علحدہ بھی طبع ہو گئی ہے تو جب یہ کتاب لکھی گئی تو مجلس میلاد کے متعلق کانپور میں لوگوں نے بہت شور کیا اسی اثناء میں ایک شخص صالح نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور اس اختلاف کے متعلق حضور سے دریافت کیا کہ اس میں صحیح کیا ہے تو حضور نے فرمایا کہ اشرف علی نے جو لکھا ہے وہ سب صحیح ہے میں نے حضور کے حالات میں جو کتاب "نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب" لکھی ہے اس کے آخر میں ان دونوں خوابوں کو مفصلاً درج کر دیا ہے لیکن میری غرض ان خوابوں کے ذکر کرنے سے مدعا کا اثبات نہیں ہے اثبات مدعا کے لئے تو مستقل دلائل ہیں یہ تو محض تائید اور مزید اطمینان کیلئے لکھ دیا ہے

الحاصل حضورؐ کا وجود باوجود اصل ہے تمام نعمتوں کی اور اس پر شکر اور فرحت مامور بہ ہے
چنانچہ جو آیت میں نے تلاوت کی ہے اُس میں اسی نعمت کا ذکر اور اُس پر فرح کا امر ہے
تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اس آیت کریمہ سے پہلے قرآن مجید کی شان حق تعالیٰ نے
ارشاد فرمائی ہے چنانچہ ارشاد ہے یاایھا الناس قد جاءتکم موعظۃ من ربکم
وشفاء لما فی الصدور وھدی ورحمۃ للمومنین یعنی اے لوگو تمہارے پاس
تمہارے رب کی طرف سے ایک نصیحت اور دل کے امراض کے لئے شفا اور مومنین کے
لئے ہدایت و رحمت آئی ہے یہیں حق تعالیٰ نے قرآن مجید کی چار صفتیں بیان فرمائی ہیں
موعظۃ۔ شفآ۔ ہدیٰ۔ رحمۃ۔ موعظۃ کہتے ہیں وہ کلام جو بُری باتوں سے روکنے والا ہے
اور شفا اُس کی صفت بطور ثمرہ کے فرمائی ہے یعنی نتیجہ اور ثمرہ اس موعظۃ پر عمل کرنے کا
یہ ہے کہ دلوں کے اندر جو روگ ہیں اُن سے شفا حاصل ہوگی۔ یہاں سے ایک تصوف
کا مسئلہ مستنبط ہوتا ہے وہ یہ ہے یہ تو ظاہر ہے کہ ہم لوگ گناہ میں مبتلا ہیں اور شب و روز
ہم سے لغزشیں ہوتی ہیں لیکن اس ابتلا کے ساتھ دو قسم کے لوگ ہیں ایک تو وہ ہیں
کہ گناہ کرتے ہیں اور اُن کو اس کا کچھ احساس نہیں ہوتا اور ایک وہ جن کو احساس ہوتا
ہے سو الحمد للہ کہ گو ہم پھسلتے ہیں اور گناہ ہم سے صادر ہوتے ہیں لیکن اندھے نہیں ہیں
کہ اس کی خبر ہی نہ ہو کہ راستہ کدھر ہے الحمد للہ۔ اللہ تعالیٰ نے آنکھیں عطا فرمائی ہیں
گو بعض وقت نفس کے غلبہ و شرارت سے اُن سے کام نہ لیں پس اُن آنکھوں سے ہم کو
صاف نظر آتا ہے کہ جب کوئی کبھی گناہ ہوا ہے اس سے قلب میں ایک روگ پیدا ہوگیا
اسی روگ کی نسبت حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون
یعنی بلکہ اُن کے دلوں پر اُن کے اعمال کے رنگ کا غلبہ ہوگیا ہے اور اسی کی نسبت
حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب آدمی کوئی گناہ کرتا ہے تو قلب پر ایک داغ لگ جاتا ہے
اگر توبہ کرے تو وہ مٹ جاتا ہے ورنہ بڑھتا ہے مولانا اسی کو فرماتے ہیں ؎

ہر گناہ زنگے است بر مرآۃ دل	دل شود زیں زنگہا خوار و خجل
چوں زیادت گشت دل را تیرگی	نفس دوں را بیش گردد خیرگی

تفسیر آیت کریمہ مذکورہ عنوان وعظ

بعض سالکین کا ایک حزن مفرط اور اس کا علاج

غرض گناہ کے اندر خاصہ ہے کہ قلب میں اُس سے ایک روگ پیدا ہوجاتا ہے پھر اگر اس کا تدارک نہ کیا گیا تو وہ روگ اور بڑھ جاتا ہے یہاں پر بعض اہل سلوک کو ایک عجیب دھوکا ہوا ہے اور ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ شیطان اُن کو گناہ کی رغبت دیتا ہے اور ساتھ ہی اُس کے قوت نور ایمان گناہ سے روکتی ہے جس سے وہ رُک جاتا ہے لیکن شیطان تو اس سے بہت زیادہ پڑھا ہوا ہے وہ جب دیکھتا ہے کہ اس طور سے میرا قابو نہیں چلتا تو وہ گناہ کے اندر ایک دینی مصلحت بتاتا ہے وہ یہ کہتا ہے کہ اگر تم نے یہ گناہ نہ کیا تو ہمیشہ تمہارے دل میں یہ کانٹا سا کھٹکتا رہے گا۔ اور اگر ایک دفعہ دل بھر کر کر لوگے تو دل میں سے اس کا وسوسہ جاتا رہے گا بس اس سے فراغت ہوجائے گی اس میں بڑے بڑے سمجھدار لوگ مبتلا ہوجاتے ہیں۔ لیکن مومن کامل کو اللہ تعالیٰ نے ایک نور عطا فرمایا ہے کہ وہ اُس کے لاکھوں تار و پود کو اُس نور کے ذریعہ سے توڑ پھوڑ دیتا ہے (چنانچہ عنقریب اس مغالطہ کا حل آتا ہے) اسی واسطے تو حدیث شریف میں آیا ہے۔ فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد یعنی ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ گراں ہے کسی نے اس مضمون کو نظم بھی کر دیا ہے ؎

فان فقیہا واحد امتورعا   اشد علی الشیطان من الف عابد

یہ غلطی ہے جو اہل سلوک کو ہوتی ہے اور اہل سادک کو جو غلطی ہوتی ہے در اصل غلطی وہی ہے اور وہ بہت سخت ہوتی ہے اسی واسطے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ تم کو تو گناہ سے اندیشہ ہے اور ہم کو کفر سے اندیشہ ہے بڑا خطرناک راستہ ہے بس عافیت اس ہی ہے کہ اس میں اپنی رائے کو دخل نہ دے اور کالمیت بید الغسال بدست محقق ہو کر رہے شیخ شیرازی اسی مضمون کو فرماتے ہیں ؎

اگر مرد عشقی کم خویش گیر   وگرنہ رہ عافیت پیش گیر

یعنی اگر مرد عشق ہو تو اپنے کو گم کر دو یعنی اپنی رائے کو دخل نہ دو بلکہ یہ مشرب اختیار کرو۔

فکر خود و رائے خود در عالم رندی نیست   کفر ست دریں مذہب خودبینی و خود رائی

جیسے اس شخص نے خود رائی کی کہ شریعت تو حکم کر رہی ہے لاتقربوا الزنا یہ اپنی رائے

سے کہتا ہے کہ میں زنا سے جب بچ سکوں گا جب جی کھولکر پانچ چھ مرتبہ زنا کر لوں گا اور اس احمق کو اتنی خبر نہیں کہ مرض کو اس سے اور زیادہ قوت ہوگی جیسے کسی شاعر کا شعر ہے ؎

کنار و بوس سے دونا ہوا عشق　　　مرض بڑھتا رہا جوں جوں دوا کی

یہ بیوقوف تو سمجھتا ہے کہ درخت میں پانی دینے سے اسکی جڑ نرم اور کمزور ہو جائیگی پھر اس کو سہولت سے باہر نکال لونگا مگر وہ پانی دینے سے اور زیادہ نیچے کو دھستی اور زور پکڑتی جاتی ہے گناہ کرنے کے بعد اسکو قلب خالی معلوم ہوتا ہے اور خبر نہیں کہ وہ گناہ پہلے حوالی قلب میں تھا اس لئے اس کو محسوس ہوتا تھا اور اب عروق کے اندر پیوست ہو گیا اس وجہ سے اس کو محسوس نہیں ہوتا اور وقت پر بہ نسبت سابق کے بہت زور کے ساتھ برآمد ہوگا اور نہیں سمجھتا کہ اب تو اس کا استیصال سہل ہے اور پھر مشکل ہوگا بقول شیخ شیرازی ؎

سر چشمہ شاید گرفتن بمیل　　　چو پر شد نشاید گذشتن بہ پیل
درختے کہ اکنوں گرفتست پائے　　　بہ نیروے شخصے بر آید زجائے
وگر ہمچناں روزگارے ہلی　　　بگردونش از بیخ بر نگسلی

الحاصل گناہ ایسی شئے ہے خواہ بڑا ہو یا چھوٹا اس سے قلب میں ایک روگ پیدا ہو جاتا ہے پس ارشاد ہے کہ قرآن مجید ایسی موعظت ہے کہ اگر اس پر عمل کروگے تو وہ دلوں کے روگ کے لئے باعث شفا ہوگا اور تیسری صفت قرآن مجید کی ھدی ارشاد فرمائی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نیک راہ کا بتلانے والا ہے اور چوتھی صفت رحمت بطور ثمرہ ہدی کے فرمائی ہے یعنی نتیجہ اور ثمرہ اس پر عمل کرنے کا یہ ہے کہ حق تعالی کی رحمت متوجہ ہوگی پس قرآن میں مذکورہ بالا صفات کو جمع کر دیا ہے اور للمومنین کی قید اس لئے لگائی کہ گو مخاطب تو اس کے سب ہیں لیکن منتفع اس سے مومنین ہی ہوتے ہیں اب اس آیت کے بعد بطور تفریع ارشاد ہے ۔ قل بفضل اللہ و برحمتہ فبذلک فلیفرحوا ھو خیر مما یجمعون ۔ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرما دیجئے کہ اللہ کے فضل اور رحمت ہی کے ساتھ بس صرف چاہیے کہ خوش ہوں (اس لئے کہ) وہ بہتر ہے اس شے سے کہ جس کو

یہ لوگ جمع کرتے ہیں یعنی متاع دنیا سے یہ بہتر ہے اور عجیب بلاغت ہے کہ پہلے مضمون کا تو حق تعالیٰ نے خود اپنی طرف سے خطاب فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہے یا ایہا الناس الخ اور اس دوسرے مضمون کی نسبت حضور کو حکم دیا کہ آپ کہئے اسمیں ایک عجیب نکتہ ہے وہ یہ ہے کہ یہ طبعی بات ہے کہ احکام یعنی امر و نہی انسان کو ناگوار اور گراں ہوتے ہیں اس لئے احکام تو خود ارشاد فرمائے تاکہ حضور کی محبوبیت محفوظ رہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت کے ساتھ فرحت کے امر کو حضور کے سپرد فرمایا کہ اس سے حضور کے ساتھ اور زیادہ محبت مخلوق کو بڑھے باقی اس سے کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ بہت جگہ حضور کو بھی احکام پہنچانے کا حکم ہے اس لئے کہ یہ نکتہ اس مقام کے متعلق ہے اور دوسری جگہ دوسرا نکتہ اور حکمت ہو سکتی ہے بہرحال دو چیز پر خوش ہونے کا حکم ہے فضل اور رحمت اور یہ فضل بھی رحمت ہی کے افراد میں سے ہے۔ صرف فرق اس قدر ہے کہ فضل کے اندر معنی زیادتی کے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ رحمت یعنی مہربانی کے دو مرتبہ ہیں ایک نفس مہربانی اور ایک زائد یا یوں کہو کہ ایک وہ مرتبہ جس کا بندہ بحیثیت جزاء کے اپنے کو مستحق سمجھتا ہے اور ایک زائد اگرچہ پہلے مرتبہ رحمت کا اپنے کو مستحق سمجھنا بندہ کی جہالت ہے اور وجہ اس زعم استحقاق کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ پر ہر شخص کو ایک ناز ہوتا ہے بلکہ اگر غور کیا جاوے تو ہم لوگوں میں ناز ہی کی شان رہ گئی ہے نیاز بالکل نہیں رہا اس لئے کہ اگر نیاز ہوتا تو ہم سے نافرمانی نہ ہوتی دیکھ لیجئے کہ حکام دنیا کے ساتھ نیاز ہے اس لئے اُن کی نافرمانی نہیں کرتے نہ ان پر نخرے کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ بالعکس ہے جس کا زیادہ سبب یہ ہے کہ رحمت ہی بے انتہا ہے حتیٰ کہ فوری سزا نہیں دیجاتی سو جس قدر رحمت بڑھتی جاتی ہے اس رحمت و عنایت کو معلوم کر کے اسی قدر اعراض ان حضرت کا زیادہ ہوتا جاتا ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک گدھا ہمیشہ کسی کے کھیت میں گھس جایا کرتا تھا ایک روز کھیت والے نے اُس کے کان میں کہدیا کہ مجھ کو تجھ سے محبت ہے اُس روز سے اس نے وہاں آنا چھوڑ دیا پس اسی طرح حق تعالیٰ کی اس قدر عطایا اور بے انتہا رحمتیں ہیں کہ ہم لوگوں کو ناز ہو گیا اور اپنی جہالت سے یہ سمجھ گئے کہ ہم بھی محبوب میں بس لگے

[illegible]

نخرے بگھارنے مگر چونکہ ناز کی لیاقت نہیں ایسے ناز کا انجام بجز ہلاکت کے کیا ہوگا جیسے کسی بے وقوف نے ایک سپاہی کو دیکھا کہ وہ اپنے گھوڑے کو دانہ کھلا رہا ہے اور وہ گھوڑا کبھی ادھر منھ کر لیتا ہے کبھی اُدھر منھ پھیرتا ہے اور یہ شخص جس طرف وہ منھ کرتا ہے اسی طرف دانہ لیجاتا ہے اور کبھی اس کی پیٹھ سہلاتا ہے۔ اور کبھی منھ پر ہاتھ پھیرتا ہے اور کہتا جاتا ہے کہ بیٹا کھاؤ اس بے وقوف نے جب یہ دیکھا تو اپنے دلمیں کہا کہ مجھ سے تو یہ گھوڑا ہی بہتر ہے میری بیوی تو مجکو بڑی ذلت سے روٹی دیتی ہے آج سے گھوڑا بننا چاہئے یہ سوچکر گھر پہونچے اور بیوی سے کہا کہ آج تو ہم گھوڑے بنیں گے وہ بھی بڑی شوخ تھی اُسنے کہا کہ میری بلا سے آپ گھوڑے بنیں یا گدھے اس شخص نے کہا کہ میں گھوڑا بنتا ہوں تم میری پیٹھ سہلاتا اور دانہ میرے سامنے لانا اور یہ کہنا کہ بیٹا کھاؤ میں اِدھر اُدھر منھ پھیرونگا غرض یہ اُلّو کی دم گھوڑے کی طرح کھڑا ہوا بیوی صاحبہ بھی عقلمند تھیں ایک چادر جھول کی بجائے اس پر ڈالی اور اگاڑی پچھاڑی اس کی باندھ دی اور دم کی جگہ جھاڑو لگائی اور دانہ سامنے لائی اور کہا بیٹا کھاؤ رات کا وقت تھا اور اتفاق سے چراغ پیچھے رکھا تھا جب اس نے اِدھر اُدھر منھ پھیرا اور دولتیاں چلائیں چراغ کی لو جھاڑو میں لگ گئی اور آگ بھڑک اُٹھی بدحواسی میں یہ تو خیال نہ رہا کہ رسیاں کھولدے شور مچا دیا کہ لوگو دوڑو میرا گھوڑا جل گیا محلہ والوں نے جانا کہ یہ پاگل یا مسخرہ ہے اس کے یہاں گھوڑا کہاں یہ یوں ہی بیہودہ بکتا ہے غرض وہ گھوڑے صاحب وہاں ہی جل بھنکر خاک سیہ ہوگئے یہ انجام ہوتا ہے ایسے نخرے اور ناز کا صاحبو! ناز کے لئے صورت بھی تو ہو لو جب ناز زیبا ہوگا۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

ناز را روئے بباید ہمچو ورد | چوں نداری گرد بدخوئی مگرد
زشت باشد روئے نازیبا و ناز | عیب باشد چشم نابینا و باز

ہمارا کیا ناز ہم کو تو نیاز چاہئے لیکن حق تعالیٰ کے کرم اور رحمت بے انتہا سے ہم لوگوں کی عادتیں بگڑ گئی ہیں چاہئے تو یہ تھا کہ جس قدر رحمت ہوتی شرماتے اور تضرع و نیاز زیادہ ہوتی مگر یہاں بالعکس ہے اس لئے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ اگر مجھ کو یہ

ناز کا انجام بجز ہلاکت کے کیا ہوگا حکایت بیوقوف

کہا جاوے مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ یعنی کس شئے نے دھوکہ میں ڈالا تجکو اپنے رب کریم کے ساتھ۔ تو میں جواب دونگا قَدْ غَرَّنِیْ كَرَمُكَ یعنی آپ کے کرم نے مغرور کر دیا یعنی میں خلاف مقتضائے کرم اس کرم پر مغرور ہو گیا مقصود یہ ہے اور اس کو عذر گردانا مقصود نہیں پس یہ سارا ناز اس وجہ سے ہے کہ حق تعالیٰ کی عطایا زائد ہیں اور مواخذات کم ہیں اور اگر یہ ہوتا کہ جب گناہ کرتے تو غیب سے ایک چپت[ع] لگتا تو تمام ناز ایک طرف رکھا رہ جاتا اور کبھی گناہ نہ ہوتا چنانچہ بعض بزرگوں کے ساتھ ایسا معاملہ ہوا بھی ہے۔ ایک بزرگ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے اور نہایت خوف زدہ تھے اور یہ کہتے جاتے تھے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ کسی نے اُن سے پوچھا کہ آپ کی کیا حالت ہے انھوں نے فرمایا کہ طواف کرتے ہوئے میں نے ایک لڑکے کو نظر بد سے دیکھ لیا تھا غیب سے میری آنکھ پر ایک ایسا زور سے چپت لگا کہ میری آنکھ پھوٹ گئی اور یہ ارشاد ہوا اِنْ عُدْتُمْ عُدْنَا یعنی اگر تم پھر کرو گے تو ہم پھر بھی سزا دیں گے۔ غرض حق تعالیٰ پر ایسا ناز ہے کہ اُس کی وجہ سے ہر شخص اپنے کو کسی نہ کسی رحمت کے حصہ کا مستحق سمجھتا ہے۔ چنانچہ اتنا تو ضروری جانتا ہے کہ مجکو کھانے پہننے کو ملے۔ اور اگر اس میں کچھ کمی ہوتی ہے تو شکایت کرتا ہے اور اگر یہ شخص اپنے کو مستحق نہ جانتا تو شکایت نکرتا بلکہ شکایت اُسی کی کیا کرتے ہیں جس پر حق سمجھتے ہیں ایک گنوار کا بیٹا مر گیا تھا تو آپ کہتے ہیں کہ میرے بیٹے کو تو مار دیا اور عیسیٰ (علیہ السلام) جو ذرا نام لگ گیا تھا تو اُسکو گود میں اٹھا لیا مگر اللہ اکبر کیا رحمت ہے سب کچھ سنتے ہیں اور کچھ سزا نہیں دیتے اور دوسری مثال لیجئے دیکھئے اگر کسی کو دس روپیہ ماہوار ملتے ہیں تو اُن پر تو شکر نہیں کرتا اور اگر کہیں سے زائد ملجاوے تو اُس کو رحمت حق تعالیٰ کی جانتا ہے اس پر شکر کرتا ہے یہ صاف دلیل ہے اسکی

[ع] مطلب یہ ہے کہ سزا کا مجکو صاف علم ہوتا کہ یہ گناہ کی سزا ہے اور اسباب ظاہرہ کے ساتھ اُس کا تعلق نہ جانتے ورنہ گناہوں پر تو مصائب و حوادث آفاقی و انفسی سے نہایت لطیف انداز سے سزا ہوتی ہے اور بہت سے معاف بھی ہو جاتے ہیں لیکن ہم کو اپنی جہالت اور اسباب پرستی کی وجہ سے اس کا احساس نہیں ہے اور اگر کچھ غور و فکر سے کام لیں تو اُسکا ادراک کالشمس فی نصف النہار ہونے لگے اور یہ سزا ہونا بھی عین رحمت ہے ۱۲ جامع عفی عنہ

کہ اُن دس روپیہ کا اپنے کو مستحق جانتا ہے ایک جاہل اکھڑ کے سامنے کسی نے دال روٹی کھائی اور کھا کر کہا کہ الحمدللہ اے اللہ تیرا شکر ہے تو بے وقوف کہتا ہے کہ توبہ توبہ ایسے ہی لوگوں نے اللہ میاں کی عادت بگاڑ دی کہ دال روٹی کھا کر شکر کرتے ہیں بس وہ اُن کو دال روٹی ہی دیدیتے ہیں ہم تو بدون بکرے کے کبھی شکر نہیں کرتے پس ہمکو وہ بکرے دیتے ہیں نعوذ باللہ بہر حال ہر شخص اپنے کو کسی نہ کسی حصہ رحمت کا مستحق سمجھتا ہے حالانکہ یہ غلطی ہے اگر کوئی شخص ایسا جانتا ہو جیسا کہ طرز معاملہ سے معلوم ہوتا ہے تو اس کو اس غلطی کی اصلاح کرنا چاہیے اس لیئے کہ اس کا تعلق عقیدہ سے ہے معتزلہ کو بھی اس مسئلہ میں غلطی ہوئی ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالی کے ذمہ ہمارا حق ہے اور ان کو یہ دھوکہ ہوا ہے قران شریف کی بعض آیتوں کے نہ سمجھنے سے چنانچہ ارشاد ہے وکان حقا علینا نصر المومنین یعنی مومنین کی نصرت ہم پر حق ہے اس آیت اور اس کے ہم معنی اور آیات سے معتزلہ نے یہ سمجھا کہ حق تعالے کے ذمہ بندوں کا حق ہے لیکن اہل سنت سمجھ گئے کہ یہ دھوکہ ہے اس لئے کہ حق تعالے غنی بالذات اور لا یسئل عما یفعل اُن کی صفت ہے۔ اُن پر کسی کا حق نہیں ہو سکتا جس کے ساتھ جو معاملہ چاہیں کریں وہ سب مستحسن ہے اور معنی ان آیات کے یہ ہیں کہ اس صیغہ سے ہم کو نصرت وغیرہا کا یقین دلایا گیا ہے۔ اسکو وعدۂ تفضل کہتے ہیں جیسے کوئی حاکم کسی امیدوار سے کہے کہ اب تم یقین رکھو اب ہم نے تمہارا یہ کام ضروری سمجھ لیا ہے تو وہ امیدوار و سائل جانتا ہے کہ یہ حاکم کی مہربانی ہے ورنہ کرنا نہ کرنا دونوں قانوناً ان کے اختیار میں ہے اُنکے ذمہ لازم نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ رحمت کے دو درجہ ہیں ایک کا تعلق تو اس کی ضروریات سے ہے جسکا اپنے کو مستحق سمجھتا ہے اُس درجہ کو تو رحمۃ فرمایا اور دوسرا زائد اُس کو فضل سے تعبیر فرمایا اور آیت کے الفاظ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مراد رحمت وفضل سے قرآن مجید ہے اور اس میں بھی یہی دو درجہ ہیں ایک وہ درجہ جو مدار ہماری نجات کا ہے وہ تو ضرورت کا مرتبہ ہے اور ایک وہ جو اس سے زائد ہے بہرحال دونوں سے مراد قران مجید ہے اور اس پر خوش ہونے کا امر ہے یہ تفسیر اور گفتگو تو الفاظ آیت کے خصوصیت میں نظر کرنے کے اعتبار سے تھی۔ اب قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر دیکھنا چاہیے کہ ان دونوں لفظوں سے کیا مراد ہے

معتزلہ کی غلطی اس مسئلہ میں کہ وہ اللہ تعالیٰ پر بندوں کا حق سمجھتے ہیں اور اس کا جواب

اس آیت میں رحمت اور فضل سے مراد قرآن مجید ہے

دوسری آیات میں لفظ رحمت اور فضل کا کیا مراد ہے

(۱) احیاء نمبر ۱۰ جلد ۱

تو جاننا چاہیئے کہ قرآن مجید میں یہ دونوں لفظ بکثرت آئے ہیں۔ کہیں دونوں سے ایک معنی مراد ہیں کہیں جدا جدا چنانچہ ایک مقام پر ارشاد ہے ولولا فضل اللّٰہ علیکم ورحمتہ لکنتم من الخسرین یہاں اکثر مفسرین کے نزدیک فضل اور رحمت سے حضور کا وجود باوجود مراد ہے اور دوسری جگہ ارشاد ہے ولولا فضل اللّٰہ علیکم ورحمتہ لاتبعتم الشیطان الا قلیلا یہاں بھی بقول اکثر مفسرین حضور ہی مراد ہیں ایک مقام پر ارشاد ہے لولا فضل اللّٰہ علیک ورحمتہ لھمت طائفۃ منھم ان یضلوک۔ یہاں مراد فضل اور رحمۃ سے قرآن مجید ہے اور بعض آیات میں فضل سے مراد رحمت دینوی اور رحمت سے رحمت دینی مراد ہے۔ چنانچہ فضل بمعنی رزق و نفع دینوی قرآن مجید میں آیا ہے چنانچہ ارشاد ہے لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم یہاں فضل سے مراد تجارت ہے اس لئے کہ یہ آیت حج کے موقع کی ہے بعض لوگ مال تجارت حج کے سفر میں ساتھ لیجانے کو مکروہ جانتے تھے۔ اُن کو ارشاد ہے کہ اس میں کچھ گناہ نہیں کہ تم (حج میں) اپنے رب کا فضل طلب کرو۔ حدیث شریف میں بھی رحمۃ سے رحمت دینی اور فضل سے رحمت دنیوی یعنی رزق یا اسباب رزق مراد ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ جب مسجد میں وہی مطلوب ہے اور جب مسجد سے نکلو تو یہ کہو اللھم افتح لنا ابواب رحمتک یہاں رحمت سے رحمت دینی مراد ہے اس لئے کہ مسجد میں وہی مطلوب ہے اور جب مسجد سے نکلو تو یہ کہو اللھم افتح لنا ابواب فضلک اس لئے کہ مسجد سے باہر جا کر تحصیل معاش میں مشغول ہو جاتے ہیں تو وہاں اس کی طلب ہے اور لیجئے سورۂ جمعہ میں ارشاد ہے فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللّٰہ۔ یہاں فضل سے مراد رزق ہے پس مجموعہ تمام تفاسیر کا دنیوی رحمتیں اور دینی رحمتیں ہوا اس مقام پہ ہر چند کہ آیت کے سباق پر نظر کرنے کے اعتبار سے قرآن مجید مراد ہے لیکن اگر ایسے معنی عام مراد لئے جائیں کہ قرآن مجید بھی اُس کا ایک فرد رہے تو یہ زیادہ بہتر ہے وہ یہ ہے کہ فضل اور رحمت سے مراد حضور کا قدوم مبارک لیا جاوے اس تفسیر سے موافق جتنی نعمتیں اور رحمتیں ہیں خواہ وہ دنیوی ہوں یا دینی اور اُس میں قرآن بھی ہے سب اس میں داخل ہو جائیں گی اس لئے کہ حضور کا وجود باوجود اصل ہے تمام

نعمتوں کی اور مادہ ہے تمام رحمتوں اور فضل کا پس یہ تفسیر اجمع التفاسیر ہوجائیگی پس اس تفسیر کی بناپر حاصل آیت کا یہ ہوگا کہ ہم کو حق تعالیٰ ارشاد فرمارہے ہیں کہ حضور کے وجود با جود پر خواہ وجود نوری ہو یا ولادت ظاہری اس پر خوش ہونا چاہیئے اس لئے کہ حضور ہمارے لیئے تمام نعمتوں کے واسطہ ہیں حتیٰ کہ ہم کو جو روٹیاں دو وقتہ مل رہی ہیں اور عافیت اور تندرستی اور ہمارے علوم یہ سب حضور ہی کی بدولت ہیں اور یہ نعمتیں تو وہ ہیں جو عام ہیں اور سب سے بڑی دولت ایمان ہے جسکا حضور سے ہمکو پہنچنا بالکل ظاہر ہے غرض اصل الاصول تمام مواد فضل و رحمت کی حضور کی ذات بابرکات ہوئی پس ایسی ذات بابرکات کے وجود پر جس قدر بھی خوشی اور فرح ہو کم ہے۔ بہرحال اس آیت سے عموماً یا خصوصاً یہ ثابت ہوا کہ اس نعمت عظمیٰ پر خوش ہونا چاہیئے اور ثابت بھی ہوا نہایت ابلغ طرز سے اس لیئے کہ اول تو جار مجرور بفضل اللہ کو مقدم لائے کہ جو مفید حصر کو ہے اُسکے بعد رحمت پر پھر جار کا اعادہ فرمایا کہ جس سے اس میں استقلال کا حکم پیدا ہوگیا پھر اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اُس کو مزید تاکید کے لئے فبذلک سے مکرر ذکر فرمایا اور ذلک پر جار اور فاء عاطفہ کو لائے تاکہ اُس میں اور زیادہ اہتمام ہوجائے پھر نہایت اہتمام دیا اہتمام کی غرض سے فلیفرحوا پر فاء لائے کہ جو مشیر ہے ایک شرط مقدر کی طرف اور وہ ان فرحوا بشئی ہے حاصل یہ ہوا کہ اگر کسی شئے کے ساتھ خوش ہوں تو اللہ ہی کے فضل اور رحمت کے ساتھ پھر اسی کیساتھ خوش ہوں یعنی اگر دنیا میں کوئی شئے خوشی کی ہے تو یہی نعمت ہے اور اس کے سوا کوئی شئے قابل خوشی کے نہیں ہے اور اس سے بدلالۃ النص یہ بھی ثابت ہوگیا کہ یہ نعمت تمام نعمتوں سے بہتر ہے لیکن چونکہ ہم لوگوں کی نظروں میں دنیا اور دنیا ہی کی نعمتیں ہیں اور اسی میں ہم کو انہماک ہے اس لیئے اس پر بس نہیں فرمایا آگے اور نعمتوں پر اس کی تفضیل کے لیئے صراحتاً ارشاد ہوا ھو خیر مما یجمعون یعنے یہ نعمت ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جنکو لوگ جمع کرتے ہیں یعنی دنیا بھر کی نعمتوں سے یہ نعمت افضل و بہتر ہے پس جس نعمت پر حق تعالیٰ اس شد و مد کے ساتھ خوش ہونے کا حکم فرمادیں وہ کس طرح خوش ہونے کے قابل نہ ہوگی یہ حاصل ہوا اس آیت کا جو مبنی ہے

حضور کے وجود باوجود پر فرح کا مامور بہ ہونا بدلالت آیت قل بفضل اللہ وبرحمتہ

حضور کے وجود باوجود پر جو فرح کا امر ہے اس میں مابہ الفرح کیا ہے

اس پر کہ فضل اور رحمت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مراد لیئے جاویں اور دوسرے مقام پر اس سے بھی صاف ارشاد ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی خوشی کی شے دنیا میں اگر ہے تو حضور ہی ہیں۔ اور اس میں مابہ الفرح یعنی حضور کے وجود باوجود پر جو خوشی کا امر ہے وہ کس بنا پر ہے اور حیثیت وجہت فرح کی کیا ہے یہ بھی مذکور ہے۔ وہ آیۃ یہ ہے ارشاد ہے لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلو علیھم اٰیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین یعنی حق تعالیٰ نے مومنین پر احسان فرمایا کہ اُن میں ایک رسول اُن کے جنس سے بھیجا کہ وہ اُن پر اُن کی آیتیں تلاوت کرتے ہیں اور اُن کو (ظاہری و باطنی نجاستوں و گندگیوں سے) پاک کرتے ہیں اور اُن کو کتاب و حکمت سکھلاتے ہیں۔ اور بیشک وہ اس سے پہلے ایک کھلی گمراہی میں تھے اس آیت میں یتلوا علیھم اٰیاتہ ویزکیھم الخ سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ اصلی شے خوشی کی اور مابہ الفرح والمنت یہ ہے کہ حضور ہمارے لیئے سرمایۂ ہدایت ہیں[ٖ] تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضور کے متعلق خوش ہونے کی بہت سی چیزیں ہیں مثلاً حضور کی ولادت اور حضور کی بعثت اور حضور کے دیگر تمام حالات مثلاً معراج وغیرہ یہ سب حالات واقعی خوش ہونیکے ہیں لیکن اس حیثیت سے کہ ہمارے لیئے یہ مقدمات ہیں ہدایت و سعادت ابدی کے چنانچہ اس سے صاف ظاہر ہے اس لیئے کہ بعثت کے ساتھ یہ صفات بھی بڑھائی ہیں یتلو علیھم اٰیاتہ ویزکیھم الخ پس بقاعدۂ بلاغت ثابت ہوتا ہے کہ اصل مابہ المنت یہ صفات ہیں باقی ولادت شریفہ فی نفسہا یا معراج وہ بھی باعث خوشی زیادہ اسی لیئے ہیں کہ مقدمہ ہیں اس دولت عظیمہ کے اس لیئے کہ اگر ولادت شریفہ نہ ہوتی تو ہمکو یہ نعمت کیسے ملتی اور اسی فرق[٢] کی وجہ سے اس آیت میں تو اس مقصود کا ذکر تصریحاً اور قصداً فرمایا اور دوسری آیت میں حضور کے وجود باجود کا ذکر اشارۃً اور ضمناً فرمایا چنانچہ

ذکر ولادت شریفہ اور نبوت شریفہ میں بڑا فرق ہے

ف یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اصلی شے خوشی کی اور قابل اعتداد اللہ تعالیٰ کا ہمکو ایمان عطا فرمانا ہے کہ جو محض فضل ہے پس ذالک خیر مما یجمعون سے یہی فضل اور رحمت مراد ہے اور مما یجمعون اپنے عموم سے تمام احوال باطنہ کو بھی شامل ہے کہ انہیں بھی سالک کو اگر خوشی ہو تو اسی حیثیت سے ہونا چاہئے کہ فضل ہے اپنے کسب کو دخل نہیں نہ سمجھے ۱۲ جامع عفی عنہ۔

ارشاد ہے لعمرک انہم لفی سکرتہم یعمہون اس میں حضور کی بقا اور وجود کو مقسم بہ بنایا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ قسم میں جواب قسم مقصود ہوتا ہے اور مقسم بہ کو تبعاً ذکر کیا جاتا ہے اور ایک مقام پر حضور کی ولادت شریفہ کو بھی اسی طرح ذکر فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں لا اقسم بھذا البلد و انت حل بھذا البلد و والد و ما ولد چنانچہ ما ولد کی تفسیر میں بعض مفسرین کا قول ہے کہ اسکے مصداق حضور کی ذات والا صفات ہے مگر اس اہتمام سے نہیں جیسا آیۃ لقد من اللہ الخ میں نبوت اور بعثت اور ہدایت اور تزکیہ کو بیان فرمایا ہے اور اسی فرق کی وجہ سے فرحت میں بھی تفاوت ہوگا کہ جس قدر ولادت شریفہ پر فرحت ہونا چاہئے اس سے زائد نبوت شریفہ پر ہونا چاہئے اگر ذکر ولادت شریفہ کے لئے مجلس منعقد کی جاوے تو ذکر نبوت مبارکہ کے لئے بطریق اولی کی جاوے اور اسی طرح ان اہل مجالس کو چاہئے کہ معراج شریف اور فتح مکہ معظمہ اور حضور کے غزوات مبارکہ اور ہجرۃ کی بھی مجالس منعقد کیا کریں اس لئے کہ جیسے ولادت شریفہ حضور کا ایک حال ہے اسی طرح یہ بھی تو حضور ہی کے حالات ہیں بلکہ بعض ان میں سے ولادت شریفہ سے بڑھکر ہیں اگر کوئی کہے کہ آجکل مجلس ولادت شریفہ میں حضور کے سب حالات کا اور احکام کا بھی ذکر کیا جاتا ہے حضرت بس رہنے دیجئے اور حالات کا ذکر محض بطور خانہ پری کے یا صرف بالاسا چھوانے کے طور پر ہوتا ہے بخلاف ذکر متعلق ولادت شریفہ کے کہ وہ ذکر تو رمیے اکثر وقت و جمع در ضارع وغیرہ تک کیا جاتا ہے اور اگر کوئی مولوی نماز روزہ کے احکام مجلس مولود میں بیان کر دیتا ہے تو میں نے اہل مولد میں سے ایک بزرگ سے سنا ہے کہ یہ کہتے تھے کہ لوگوں نے آجکل یہ نئی رسم نکالی ہے کہ وعظ کہتے ہیں نماز روزہ کا اور نام کرتے ہیں ذکر ولادت کا یہ خیالات ہیں اہل مولد کے حالانکہ حق تعالیٰ کے کلام سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ فرحت کے قابل یہی شئے ہے جیسا میں نے پہلی آیۃ لقد من اللہ الخ کے ذیل میں بیان کیا ہے اب بتلایئے اس پر فرحت کون کرتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ذکر ولادت میں بوجہ اس کے کہ لڑکے خوش الحان گاتے ہیں اور مضامین اور روایات بھی اکثر موضوع اور عجیب ہوتی ہیں اور اگر روایات صحیحہ بھی ہوں تو وہ ایک واقعہ اور قصہ ہے جو طبعاً دلکش ہے اس لئے اس کے سننے میں نفس کو حظ ہوتا ہے اور احکام

نبوت شریفہ پر ولادت شریفہ سے زیادہ خوشی ہونا چاہیئے

میں کوئی خاص مزہ نہیں اس لئے کہ اس میں تو یہی ہوگا یہ کرو وہ نہ کرو تو اس میں کیا مزہ آیا حالانکہ اصل سب عزوں کی احکام ہی ہیں ایک مدت تک اُن پر التزام کیجئے اور نفس کو خوگر بنایئے پھر اُس میں روحانی لطف دیکھئے لیکن اس میں تو لوہے کے چنے چبانے پڑتے ہیں اور زہر کے گھونٹ پینے پڑتے ہیں اس لئے اس سے نفس بھاگتا ہے اور واقعات مولد شریف کے ذکر میں صرف سن لینا ہوتا ہے اس لئے اسمیں نفس کو مزہ آتا ہے اسی لئے اس کا اہتمام کرتے ہیں اسی طرح تصوف کے رنگین مضامین اور عاشقانہ اشعار کی کیفیت ہے چونکہ اس میں افعل لاتفعل نہیں ہے اس لئے خوب مزہ آتا ہے سر ہلتے ہیں بلکہ یہاں تک دیکھا جاتا ہے کہ جو لوگ اُن اشعار و مضامین کو سمجھتے بھی نہیں ان کو بھی وجد آتا ہے ایک قوال یہ شعر گا رہا تھا ؎ بگزید یار عشقت جگر کباب مارا ۔ ایک گنوار کو وجد آگیا اس نے پوچھا کہ تو نے کیا سمجھا جو تجھکو وجد آیا اُس نے کہا کہ یہ یوں کہتا ہے ”ڈگرے کا باپ مارا“ ڈگرا کہتے ہیں ہندی میں نفس کو ہم نے یہاں تک دیکھا ہے کہ ہندوؤں کے یہاں اور رنڈیوں کے یہاں مروج مولد شریف ہوتا ہے کہ اس میں حظ نفس ہے ورنہ ہندوؤں کو اس سے کیا تعلق غرض قرآن مجید سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ زیادہ اہتمام کے قابل نبوت اور بعثت کا ذکر ہے اور ذکر ولادت اگر کہیں آیا ہے تو اشارۃً یا اجمالاً آیا ہے اگر کوئی کہے کہ حق تعالیٰ نے سورہ مریم میں یحییٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا قصہ مفصلاً بیان فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قصہ مولد عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام کی تفصیل بیان کرنا بھی قابل خاص اہتمام کے ہے پس اس پر ہم حضور کے ذکر ولادت کو بھی قیاس کرتے ہیں بات یہ ہے کہ ؎ حفظت شیئا وغابت عنک اشیاء ۔ آپ نے یہ تو دیکھا کہ ان حضرات کی ولادت کا قصہ اہتمام سے بیان فرمایا ہے مگر یہ نہیں دیکھا کہ کیوں اور کس حیثیت سے ذکر فرمایا اُن کے قصہ ولادت کے اہتمام کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں حضرات کی ولادت ایک عجیب طریقہ سے خرق عادت کے طور پر ہوئی ہے یحییٰ علیہ السلام کے ماں باپ تو بوڑھے بہت تھے کہ اسباب ظاہرہ کے اعتبار سے اُن میں صلاحیت ہی توالد و تناسل کی نہ تھی چنانچہ ارشاد ہے واصلحنا لہٗ زوجہ اس لئے اُن کی ولادت عجیب تھی اور عیسیٰ علیہ السلام

... ولادت عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام ... اور اس کا جواب

بے باپ کے ہوئے اس لئے اُن کی ولادت اس سے بھی زیادہ عجیب تھی پس حق تعالیٰ نے ان دونوں قصوں کے قدرت اور توحید پر استدلال فرمایا ہے یہ وجہ ہے ان قصوں کے بالاہتمام ذکر کرنے کی اور حضور کی ولادت شریفہ عادت کے موافق ہوئی ہے پس اس سے مطلقاً ذکر مولد شریف کی تفصیل کا ذکر نبوت وہجرت کی برابر محل اہتمام ہونا ثابت نہیں ہوتا

بعض لوگوں کا گمان ہے کہ ولادت نبوی بطریق متعارف نہیں ہوئی

مگر آج کل بعض لوگوں نے خود اس مقدمہ میں بھی کلام شروع کیا ہے کہ آپکی ولادت شریفہ بطریق متعارف ہوئی ہے چنانچہ ایک شخص کا میرے پاس خط آیا تھا اُس میں پوچھا تھا کہ کیا حضور بھی اپنی والدہ شریفہ کے بطن سے اسی طرح پیدا ہوئے جیسے اور آدمی ہوتے ہیں اور کسی کا قول نقل کیا تھا کہ ران سے پیدا ہوئے ہیں۔ اس لئے کہ حضور کی شان اس سے ارفع ہے کہ محل غیر طاہر سے پیدا ہوں اور پوچھا تھا کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ طریق معہود سے پیدا ہوئے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ان سائلوں کو ایسے امور کے پوچھنے سے شرم نہیں آتی بہت بے حیائی اور بے ادبی اور گستاخی کی بات ہے۔ میرا جی تو چاہتا نہ تھا کہ اس خط کا جواب لکھوں لیکن طوعاً وکرہاً لکھا تاکہ ان مخالفین کو یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ اہل حق کے پاس کوئی دلیل نہیں میں نے جواب میں یہ لکھا کہ روایات میں حضور کی ولادت کے متعلق یہ الفاظ آئے ہیں ولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ مقدمہ مسلمہ ہے کہ جب تک مجاز کے قرائن نہ ہوں تو الفاظ اپنے حقائق پر محمول ہوتے ہیں یعنی جب تک معنی حقیقی بن سکیں مجاز کی طرف رجوع نہ کیا جاویگا۔ اور یہ بھی مسلم ہے کہ علامت حقیقت کی تبادر الی الفہم عند الخلو عن القرائن ہے پس ان سب مقدمات سے وُلِدَ میں ولادت سے طریق معہود ہی سے پیدا ہونا مراد لیا جاویگا یہ دلیل ہے اس کی کہ حضور بھی اسی طریق سے دنیا میں تشریف لائے ہیں

دلیل اس امر کی حضور کی ولادت شریف بطریق معہود ہوئی ہے

اب لوگ اس کی کوشش کرتے ہیں کہ حضور کی ولادت شریفہ کو عجیب طریقہ سے ثابت کریں اور عادت معروفہ کے موافق پیدا ہونے کو قدح جانتے ہیں۔ حالانکہ اقرب الی الحکمۃ آپ کی شان کے اعتبار سے یہی ہے کہ جس طرح عادۃ اللہ جاری ہے آپ اسیطرح پیدا ہوں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ یہ امر مسلم ہے کہ آدمی کو زیادہ اُنس اس شے سے ہوتا ہے جس سے کچھ مناسبت ہو اور جس قدر مناسبت زیادہ ہوگی اُنس زیادہ ہوگا اور جس قدر

حضور کی ولادت بطریق متعارف ہونے کی حکمت اور راز

مناسبت کم ہوگی اُسی قدر اُس سے توحش بڑھیگا اسی واسطے آدمی کو اپنے ہمجنس کی طرف زیادہ میلان ہوتا ہے اور جانوروں کی طرف کم ہے اور جنوں سے اور بھی کم بلکہ توحش ہے اور اسی وجہ سے انبیاء علیہم السلام سب آدمی ہوئے ہیں۔ فرشتوں کو نبی بناکر نہیں بھیجا گیا ہے اس لئے کہ اُن سے آدمیوں کو توحش ہوتا اور جب توحش ہوتا تو افادہ اور استفادہ ممکن نہیں اس لئے سب رسول آدمی ہوئے ہیں جب یہ امر سمجھ میں آگیا تو اس کے بعد سمجھنا چاہئے کہ حق تعالیٰ کو منظور ہوا کہ حضور کو محبوبیت کاملہ عطا فرماویں اور کسی کو ذرہ برابر بھی حضور سے توحش نہ ہو پس اس لئے بجز معجزات کے حضور کی اور کوئی حالت ولادۃ وغیرہ بھی معمول کے خلاف نہیں بنائی اس لئے کہ اگر عادۃ جاریہ کے ذرا خلاف بھی کوئی بات ہوتی تو مناسبت میں اور پھر اُس کے سبب اُنس میں کمی ضرور ہو جاتی پس ولادۃ بھی حضور کی کسی نئے طرز سے نہیں ہوئی اور یہی آپ کی شان محبوبیت و افادہ کے لئے مناسب ہے اور اس کے خلاف کو ثابت کرنا اس حکمت کو نظر انداز کرنا ہے۔ بلکہ یہ حکمت یہاں تک مرعی رکھی گئی ہے کہ حضور کے اکثر کمالات بھی کہ اُن میں معجزات بھی داخل ہیں نہایت لطیف ہیں جنکا عجیب ہونا امعان نظر کو مقتضی ہے حتیٰ کہ قرآن مجید جو حضور کا بڑا معجزہ ہے وہ بھی سرسری نظر میں عجیب اور اعجاز کی شان اُس میں معلوم نہیں ہوتی اسی واسطے کفار نے کہا تھا۔ لو نشاء لقلنا مثل ھذا۔ یعنی اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا کلام کریں لیکن اُن لوگوں نے جب غور کیا اور اپنی انتہائی قوت اس کے مقابلہ میں صرف کردی تو دانت کھٹے ہو گئے حالانکہ بڑے فصیح اور بلیغ تھے لیکن ایک سورۃ بھی ایسی نہ لاسکے باوجود اس کے کہ حق تعالیٰ نے ان کو جوش دلانے کے لئے علی الاعلان فرمایا۔ فأتوا بسورۃ من مثلہ یعنی لے آؤ کوئی سورت اس جیسی اس کے بعد اُن کے عجز کو بھی خود فرمایا ولن تفعلوا یعنی تم ہرگز ایسی سورۃ نہ لاسکو گے اس کو سن کر اہل عرب کو کیسا کچھ جوش آیا ہوگا اور کس قدر بل کھائے ہوں گے لیکن مقابلہ نہیں کرسکے اور اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ آگے ارشاد ہے فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ اعدت للکافرین یعنی اگر تم اس کا مثل نہ لاسکو تو اُس آگ سے بچتے رہو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ غرض یہ

حضور کے اکثر کمالات نہایت لطیف ہیں

معجزہ بھی نہایت غامض اور لطیف ہے اسی طرح حضور کی ہر شان اور کمال ایسا ہی لطیف ہے جیسے کسی شاعر نے کہا ہے ؎

یزیدك وجهه حسنا　　　اذا ما زدته نظراً

یعنی محبوب کا چہرہ تیرے لئے حسن کو بڑھا دیتا ہے۔ جب تو اس پر نظر زیادہ کرتا ہے چنانچہ بعضوں کا حسن تو ایسا ہوتا ہے کہ دور سے وہ اچھے معلوم ہوتے ہیں لیکن پاس سے دیکھو تو کچھ بھی نہیں جیسے شیخ شیرازی فرماتے ہیں ؎

بس قامت خوش کہ زیر چادر باشد　　　چوں بازکنی مادرِ مادر باشد

اور بعضے دور سے اور سرسری نظر میں معمولی معلوم ہوتے ہیں لیکن جس قدر غور کرو خوبیاں معلوم ہوتی جاتی ہیں حضور کے کمالات بھی ایسے ہی ہیں کہ ان میں سادگی تو اس درجہ ہے جیسے کسی شاعر نے کہا ہے ؎

دلفریبان نباتی ہمہ زیور بستند　　　دلبر ماست کہ با حسن خدا داد آمد

اور نظر تامل کے بعد دلربائی کی یہ عالت ہے ؎

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم　　　کرشمہ دامنِ دل میکشد کہ جا اینجاست

پس ولادت بھی حضور کی کسی عجیب طریقہ سے نہیں ہوئی اور ولادۃ عیسویہ نہایت عجیب طریقہ سے ہوئی اور چونکہ اس سے توحید پر استدلال مقصود ہے اس لئے اس کو اہتمام سے بیان بھی فرمایا خلاصہ یہ ہے کہ مدار منت اور فرحت کا شان یتلوا علیہم آیاتہ ویزکیہم الآیۃ کی ہے اور ولادۃ شریفہ اور نشو و نما کے واقعات کی خوشی بھی اسی واسطے ہے کہ وہ واسطہ ہے اس دولت کی تحصیل کا خوب کہا ہے ؎

آں روز کہ مہ شدی نمی دانستی　　　کانگشت نمائے عالمے خواہی شد

پس اصل میں تو مقصود حالت بدریت کی ہے لیکن ہلالیت کی خوشی بھی اسی واسطے ہے کہ وہ ذریعہ بدریت کا ہے پس اصل سرور تو اس کا ہے کہ ہم کو حضور نے بڑی نعمت عطا فرمائی باقی اس کے جس قدر اسباب ہیں وہ چونکہ اس کے وسائط ہیں اس لئے ان سے بھی خوشی ہے اسی فرح کو مولانا رومی اپنی مثنوی شریف میں چند ابیات کے اندر بیان

چند ابیات مثنوی مولانا روم [illegible]

فرماتے ہیں جو گویا حاصل ہے ان آیات کے مفہوم کا اُن ابیات کو مع مختصر شرح کے یہاں بیان کیا جاتا ہے پس فرماتے ہیں ؎

ایہا العشاق اقبالؔ جدید از جہانِ کہنۂ نو در رسید

یعنی اے عشاق مژدہ ہو کہ نیا اقبال چمکا ہے جو ایک پرانے اور نئے جہان سے پہنچا ہے اقبال جدید سے مراد قرآن مجید ہے اور جدید اُس کو کلام لفظی کے اعتبار سے کہا ہے ورنہ کلام نفسی اور صفت الٰہیہ کے مرتبہ میں تو وہ قدیم ہے باقی رہی یہ بات کہ کلام لفظی کے اعتبار سے تو اس کی ایک صفت کو ذکر فرمایا اور کلام نفسی کے اعتبار سے کوئی صفت ذکر نہیں کی تو وجہ اُس کی یہ ہے کہ ہم کو جو خطاب ہوا ہے اور ہم کو جو یہ دولت ملی ہے تو اسی لباس یعنی کلام لفظی کے ساتھ ملی ہے پس ہمارے نفع میں یہ شان جدید ہی زیادہ دخیل اور سبب قریب ہوئی گو فی نفسہٖ قدیم ہے اور اسی صفت کو حق تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر فرمایا ہے۔ ما یاتیہم من ذکر من ربہم محدث الا استمعوہ وھم یلعبون اور فرمایا و یاتیہم من ذکر من الرحمٰن محدث الا کانوا عنہ معرضین اور جہان سے مراد عالم غیب ہے اور کہنہ اُس کو اس لئے کہا کہ بہت پرانا ہے اور نو اس لئے کہ اُس میں تغیر نہیں ہوا الآن کما کان اس کی شان ہے اور عالم غیب کی تو یہ شان ہے ہی آسمان جو عالم شہادت سے ہے۔ مگر بوجہ منتہائے عالم شہادت ہونے کے اُس کو عالم غیب سے کچھ قرب ہے خود اسکی بھی یہ حالت ہے کہ باوجود اس کے کہ کس قدر پرانا ہے لیکن اُسمیں کچھ تغیر نہیں ہے چنانچہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ما تریٰ فی خلق الرحمٰن من تفاوت فارجع البصر ھل تریٰ من فطور یعنی اے مخاطب تو اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی شئے میں (آسمان مراد ہے) کوئی تفاوت نہ دیکھے گا (اگر کچھ شک ہے) پس نگاہ اُٹھا کر دیکھ کیا کہیں کوئی رخنہ دیکھتے ہو آگے مکرر تاکید کے لئے اور نیز اس لئے کہ شاید ہماری خاطر سے کہدو کہ نہیں کہیں کوئی فرق نہیں اس لئے ارشاد ہے ثم ارجع البصر کرتین یعنی پھر بار بار نظر دوڑاؤ آگے اس کا نتیجہ ارشاد ہے کہ ینقلب الیک البصر خاسئا و ھو حسیر یعنی ہم پیشنگوئی کرتے ہیں کہ تمہاری نگاہ پھر پھرا کر تمہارے پاس تھکی تھکائی واپس آجائیگی اور کہیں

کوئی عیب نہ پائیگی۔ خلاصہ یہ ہے کہ مولانا ارشاد فرماتے ہیں کہ اے حق تعالیٰ کے طالبو اے حق کے شیدائیو اے مدتوں سے وادی ضلال میں بھٹکنے والو خوش ہوجاؤ تمہارے اقبال کا ستارہ چمکا ہے یعنی عالم غیب سے قرآن مجید نازل ہوا ہے کہ راہ حق کی طرف ہادی ہے آگے فرماتے ہیں ؎

زاں جہاں کو چارۂ بیچارہ جوست   صد ہزاراں نادرہ عالم دروست

زاں جہاں بدل ہے جہان کہنہ سے جو شعر بالا میں ہے یعنی وہ اقبال جدید اُس جہان سے آیا ہے کہ وہ لا علاج کا چارہ جو ہے اور لاکھوں عجائبات عالم کے اُس میں ہیں۔ یعنے جو شخص امراض کفر و شرک و گناہ میں مبتلا ہو کر لا علاج ہوگیا ہو اور اس جہان کے اطبا نے اُس کو جواب دیدیا ہو تو اُس کا علاج اُس جہان سے ہوتا ہے چنانچہ قبل از بعثت مشرکین اور کفار ایسے امراض میں مبتلا تھے کہ وہ لا علاج ہو چکے تھے قلوب مسخ ہو گئے تھے شر کو خیر اور خیر کو شر جانتے تھے۔ ہزاروں رسوم جہالت کی ان میں وباء عام کی طرح پھیلی ہوئی تھیں کہ دفعتہً اقبال جدید کا ستارہ چمکا اور اُس نے ایسا نور ڈالا کہ سب کا علاج ہوگیا الا من شاء اللہ اور اگر ایسی زبردست روشنی اُن پر نور افشان نہ ہوتی تو اُن کی درستی کی بالکل امید نہ تھی چنانچہ خود ارشاد فرماتے ہیں۔ لم یکن الذین کفروا من اھل الکتاب والمشرکین منفکین حتی تاتیھم البینۃ رسول من اللہ یتلوا صحفا مطھرۃ فیھا کتب قیمۃ۔ یعنی کفار اہل کتاب و مشرکین اپنی گمراہی سے جدا ہونے والے نہ تھے جبتک اُن کے پاس ایک روشن دلیل نہ آجاوے وہ دلیل ایک ایسا رسول ہے جو اللہ کی جانب سے ہے جو پاکیزہ صحیفے پڑھے جسمیں راست راست مضامین لکھے ہوئے ہوں دوسرے مصرعہ کا حاصل یہ ہے کہ اس جہان میں عالم کے بیشمار عجائب ہیں چنانچہ دوزخ وہاں موجود ہے۔ جس کے ہولناک اور عجائبات اور واقعات کی کسی قدر حکایت احادیث میں آئی ہے اور جنت وہاں موجود ہے جسکے بے شمار اور بیرون از عقل و قیاس نعمتوں کی خبر اللہ و رسول نے دی ہے اسی طرح عالم ارواح اور صراط اور میزان وہاں موجود ہیں اور ان چیزوں کے غیب ہونے میں کوئی شک نہیں چنانچہ اسی وجہ سے ملاحدہ اور فلاسفہ نے انکے

وجود ہی سے انکار کر دیا ہے آگے ارشاد ہے ؎

ابشروا یا قوم اذجاء الفرج افرحوا یا قوم اذزال الحرج

یعنی اے میری قوم خوش ہو جاؤ اس لئے کہ کشادگی آگئی اور اے قوم خوش ہو جاؤ اس لئے کہ تنگی جاتی رہی مطلب ظاہر ہے قال رح ؎

آفتابے رفت در کازہ بلال در تقاضا کہ ارحنا یا بلال

بلال صحابی ہیں مولانا نے ان کی حکایت بیان کی ہے کہ وہ ایک اصطبل میں سائیس تھے وہ بیمار ہو گئے تھے حضور اُن کی عیادت کو وہاں ہی تشریف لے گئے تھے۔ حضور کی فیض رسانی کو مولانا بیان فرماتے ہیں کہ اور فیض رسان تو ایسے ہوتے ہیں کہ طالبین ان کے دروازہ پر آتے ہیں حضور کے اخلاق ایسے تھے کہ ظاہر حال کے اعتبار سے ایک شکستہ حال کے یہاں آپ خود تشریف لے گئے حافظ شیرازی رح ایسے ہی لوگوں کے بارہ میں فرماتے ہیں ؎

مبیں حقیر گدایان عشق راکیں قوم شہان بے کمر و خسروان بے کلہ اند

ایسے ہی حضرات کے بارہ میں حدیث شریف میں وارد ہوا ہے رُبّ اشعث اغبر مدفوع بالابواب لواقسم علی اللہ لابرہ یعنی بہت سے پراگندہ بال غبار آلودہ دروازوں سے دھکے دئے ہوئے اور حالت اُن کی یہ ہے کہ اگر اللہ پر کسی بات کے متعلق قسم کھا بیٹھیں یعنی قسم کھا کر یہ کہدیں کہ اللہ ایسا ہی کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو قسم میں سچا کر دیں اسی شان کو فرمایا ہے حافظ شیرازی رح نے ؎

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کنم

اور فلک اور ستارہ پر ناز کرنا کیا تعجب ہے جب وہ حضرات خالق فلک و ستارہ پر ناز کرتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سطوت و شوکت جو قلوب پر تھی اُس کو تو سب جانتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی عناصر پر بھی آپ کی حکومت گاہے بطور کرامت ظاہر ہوئی ہے چنانچہ ایک مرتبہ زمین کو زلزلہ آیا تو آپ نے فرمایا اسکنی یا ارض یعنی اے زمین ساکن ہو جا۔ زمین فوراً ٹھہر گئی۔ اور سنئے دریائے نیل کی کبھی یہ حالت ہوتی کہ اُس کا پانی دفعۃً

حضرت عمرؓ کی عناصر پر حکومت و تصرف عناصر

ٹھہر جاتا تھا اور اس قدر نہ بڑھتا تھا جس سے زراعت کی آبپاشی ہو سکے وہاں کے لوگ یہ کرتے تھے کہ ایک کنواری حسین لڑکی کو اس میں چھوڑ دیتے تھے اُس وقت اُس کا پانی چڑھ آتا تھا جب مصر فتح ہوا تو لوگوں نے یہ قصہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے جو امیر لشکر تھے بیان کیا انھوں نے فرمایا کہ ایسا ہرگز نہ ہوگا میں اسکی اطلاع امیرالمومنین کو کرتا ہوں وہ ضرور اسکا انتظام فرماویں گے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یہ سب قصہ لکھا آپ نے اسی وقت ایک فرمان دریاءِ نیل کے نام صادر فرمایا جسکا مضمون یہ تھا کہ اے نیل تو اگر خدا کے حکم سے چلتا ہے تو کسی شیطان کے اثر سے مت رک" اور حضرت عبداللہ کو لکھا کہ یہ پرچہ دریا میں ڈالدینا۔ چنانچہ حسب الارشاد وہ رقعہ دریا میں ڈالدیا دریا اس زور و شور سے چڑھا کہ کبھی اس زور سے نہ بہا تھا۔ الغرض حاصل مصرعہ اولیٰ کا یہ ہوا کہ آفتاب فیض یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی عیادت کے واسطے اُن کے مکان پر یعنی اصطبل میں تشریف لے گئے یہ تو حضور کا فیض باعتبار تربیت جسم کے ہوا آگے فیض روحانی وفیض باطنی کا بیان ہے کہ بلال جو کہ ایک عبد حبشی تھے اُنسے آپ نہایت لطف و شفقت سے باتیں کرلیے تھے۔ چنانچہ اُنسے بتقاضا ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ اے بلال ہم کو راحت دو یعنی اذان کہدو تاکہ نماز سے راحت ہو اور نماز و اذان کی تعلیم فرمانا ظاہر ہے کہ روحانی فیض رسانی ہے قال

زیر لب می گفتی از بیم عدو   بر منارہ رو بگو کوری او

اے بلال تم مکہ میں زیر لب آہستہ سے دشمن کے خوف سے اللہ کا نام لیتے تھے یعنی کلمہ توحید کبھی کبھی خفیہ کہتے تھے۔ اب مدینہ میں منارہ پر جاکر پکار کر اللہ کا نام لو یعنی اذان کہو اور دشمن کو نامراد بناؤ اور خفیہ کہنے میں کبھی کبھی کی قید اس لئے لگائی کہ اُن کی تو یہ حالت منقول ہے کہ یہ ایک یہودی کافر کے غلام تھے اور وہ اُن کو تمام دن دھوپ میں گرم پتھر پر لٹایا کرتا تھا۔ اس حالت میں بھی اُن کی زبان سے توحید کے کلمات جاری رہتے تھے۔ اتفاقاً ایک روز حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا اُس طرف گذر ہوا جہاں پر حضرت بلال بتلائے تکلیف تھے۔ حضرت صدیقؓ اُن کے مولیٰ کے پاس تشریف لے گئے

حضور کا فیض روحانی و جسمانی

حضرت بلال کا دور دل میں خفیہ ذکر اور فیض

اور اُن کے پاس ایک غلام نصرانی عباس نامی تھا جو بہت روپیہ کماتا تھا اُس کو دیکر حضرت بلال کو چھڑا لیا اس کافر نے کہا کہ ابوبکرؓ بہت خسارہ میں رہے کہ ایسا اچھا غلام دیکر ان کو لیا ہے حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ ایک غلام کیا اگر تو ان کے عوض میں میرا سارا گھر بھی مانگتا تو میں وہ بھی دیدیتا تو کیا جانتا ہے یہ کیا چیز ہیں اور حق تعالیٰ نے اس کافر کے کہنے کا یہ جواب دیا۔ والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین امنوا الخ یعنی قسم ہے زمانہ کی بیشک انسان (کافر) خسارہ میں ہے مگر وہ مومن جو اعمال صالحہ کرتے ہیں وہ خسارہ میں نہیں ہیں اسی قصہ کی طرف حضرت عمرؓ نے اس نظم میں اشارہ کیا ہے ؎

ابوبکر حبا فی اللہ مالا ۔۔۔ واعتق من ذخائرہ بلالا

لقد اسی النبی بکل فضل ۔۔۔ واسرع فی اجابتہ بلالا

پہلے بلالا سے جو ایک کلمہ ہے مراد حضرت بلال ہیں اور دوسرے بلالا سے جو کہ دو کلمے ہیں مراد بدون لا کے ہے معنی اشعار کے یہ ہیں کہ ابوبکرؓ نے اللہ کی راہ میں مال دیا اور اپنے ذخائر سے حضرت بلال کو آزاد کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر حال کے ساتھ غمخواری اور ہمدردی کی اور بدون انکار کے اُن کی اجابت میں جلدی کی ان ہی حضرت بلال کی شان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکرؓ کی مدح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ابوبکر سیدنا واعتق سیدنا یعنی ابوبکر ہمارے سردار ہیں۔ اور انھوں نے ہمارے سردار یعنی بلال کو آزاد کیا ہے اللہ اکبر کہاں حضرت عمرؓ اور کہاں حضرت بلالؓ حضرت عمرؓ کی تو وہ شان ہے کہ حضور فرماتے ہیں لو کان بعدی نبی لکان عمر یعنی اگر کوئی میرے بعد نبی ہوتا تو عمر ہوتے باوجود اس مرتبہ کے بلال رضی اللہ عنہ کو سیدنا فرماتے ہیں لیکن کسی کو کیا خبر ہے کہ بلال کی کس شے کو انھوں نے سید فرمایا ہے اگرچہ اس شے میں بھی حضرت عمرؓ ہی بڑھے ہوئے تھے لیکن اُن حضرات نے اپنے کو ایسا مٹایا تھا کہ ہر ایک کو اپنے سے افضل جانتے تھے۔ آجکل دیکھا جاتا ہے کہ تھوڑا سا پڑھ لکھ کر یا کسی ادنیٰ بات سے ایسا ناز ہو جاتا ہے کہ دماغ صحیح نہیں رہتا۔ اور جو نسبت میں

گھٹا ہوا ہو اگرچہ زہد و تقویٰ میں بڑھکر ہو اُس میں عیب نکالتے ہیں ...گر حق تعالےٰ کے یہاں نسب حسب کوئی شے نہیں جس پر چاہتے ہیں فضل فرما دیتے ہیں دیکھو ابو جہل شریف ہو کر مطرود ہوا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ باوجود عبد حبشی ہونے کے مقبول ہو گئے عجیب شان ہے ؎

حسن ز بصرہ بلال از حبش صہیب از روم زخاک مکہ ابو جہل ایں چہ بوالعجبی است

غرض حضرت بلال تو بڑے علی الاعلان توحید کو ظاہر کرنے والے ہیں۔ شاید کبھی ایسا ہوا ہو کہ اس مصلحت سے کہ حضور کو کوئی تکلیف نہ پہونچائے کسی خاص موقع پر اس توحید کا اخفاء فرمایا ہو۔ اس لئے ارشاد ہے کہ اب کوئی احتمال نہیں رہا پکار کر منارہ پر جاکر اذان کہو اور دشمن کا دل جلاؤ۔ قال مولانا الرومیؒ ؎

میدمد در گوش ہر غمگیں بشیر خیز اے مدبر رہ اقبال گیر

یعنی اب وہ وقت آگیا ہے کہ ہر طالب دردناک اور غمگین جو درد طلب سے بیقرار ہے اس کے کان میں بشیر یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھونک رہے ہیں کہ اے بدبخت اُٹھ اقبال کا راستہ لے یعنی ہدایت کے ابواب مفتوح ہو گئے ہیں اس کو اختیار کر تمام ہو گئے اشعار مثنوی کے ان اشعار میں مولانا نے فیض وحی اور فیض نبوۃ اول بیان کیا ہے اور اس پر فرحت ظاہر کی ہے۔ پھر صحابہؓ کی طرف فیض رسانی کے لئے جو حضور کی توجہ تھی اُس کو بیان کیا گویا یہ اشعار اُن آیات کے متقارب المعنیٰ ہیں یہ تمام تر تقریر بطور تمہید کے تھی اور اس تقریر سے مقصود تھا کو شبہات کا زائل کرنا تھا کہ جو بعض لوگوں کی نسبت ہیں ورنہ اصل مقصود یہ تھا کہ اس نعمت عظیمہ پر فرحت مامور بہا کا طریقہ بیان کیا جاوے اور اس میں جو لوگوں نے افراط تفریط کی ہے ان کی اصلاح کی جاوے اور مخالفین کے دلائل کا جواب دیا جاوے لیکن تمہید ہی میں بہت تطویل ہو گئی لیکن کچھ حرج نہیں اسلئے کہ بہت سے فوائد اس سے معلوم ہو گئے (یہاں پہونچکر نماز عصر کے لئے اٹھے پھر بعد نماز آگے بیان ہوا) اب میں مقصود شروع کرتا ہوں تقریر سابق سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ حضور کے وجود باجود پر فرحت مامور بہا ہے اب یہ سمجھنا چاہئے کہ اس فرحت کا طریقہ

آغاز مقصود یعنی اصل فرحت کا ذکر اور اس کے طریق کا بیان

صحیح مقبول کیونکہ ہمارے سامنے اس کے طریقے دو ہیں۔ ایک تو وہ طریقہ جس پر خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل فرمایا ہو اس لئے کہ جیسا امت پر اس آیت کا امتثال واجب ہے حضور پر بھی واجب ہے جیسا نبی کو نبی جاننا جس طرح امت کے ذمہ ضروری ہے اسی طرح بلا فرق اس نبی کو بھی اپنی نبوۃ کا اعتقاد فرض ہے اس لئے یہ بات دیکھنا ضروری ہے کہ حضور نے اس فرحت کو کس طریق سے ظاہر فرمایا ہے اور دوسرا طریقہ وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کلیاً یا جزئیاً منقول نہ ہو بلکہ کسی نے ایجاد کیا ہو جس طرح سے آج کل بہت سے محبت کا دم بھرنے والے لوگ مجالس منعقد کرتے ہیں اور ان میں سے بعض تو نرے مدعی ہی ہیں ہاں جو کچھ روپیہ خرچ کرنے والے ہیں ان میں سے اکثر کی نیت بری نہیں وہ محبت سے ہی کرتے ہیں مگر غلطی میں ہیں اس لئے کہ محبت میں غلطی بھی تو ہو جاتی ہے یہ تو ضروری نہیں کہ جس فعل کا منشا محبت ہو اس میں غلطی نہ ہو جیسے کوئی اللہ تعالے کی محبت کے جوش میں مثلاً ٹھیک دوپہر کو نماز پڑھنے لگے باقی جن کا کچھ خرچ بھی نہیں ہوتا بلکہ اُن کو آمدنی ہوتی ہے یعنی مولود خواں مولوی انکیں سے تو اکثر کی نیت بھی اچھی نہیں ان کا مقصود صرف روپیہ ہی ہے بلکہ کچھ عجب نہیں کہ بعض کو ان میں سے حق واضح بھی ہو گیا ہو لیکن اُن کا خیال یہ ہے کہ اگر ہم یہ طریقہ جاری نہ رکھیں گے تو ہم کو جو روپیہ اور نذرانے اور جوڑے ملتے ہیں وہ نہ ملیں گے۔ اس لئے وہ چھوڑتے نہیں میرے پاس ضلع رہتک سے ایک صاحب کا خط آیا اُسمیں لکھا تھا کہ یہاں ایک بی بی ہیں جن کا نام لولو ہے اُن کے بابا بننے کی کسر ہے ورنہ سب حرف علت جمع ہو جاتے (لطیفہ کے طور پر ہے) جیسا ایک عربی کے شعر میں کسی نے یہ حروف جمع کئے ہیں ؎

رأیت صبیا علی کتبۃ یخجل البدر والھلالا
فقلت ما اسمک قال لولو فقلت لی لی فقال لالالا

شاعر نے کمال کیا ہے لولو اور لی لی اور لالا کو خوب جمع کیا ہے۔ ترجمہ یہ ہے کہ میں نے ایک حسین لڑکے کو ایک ٹیلہ پر دیکھا اور نام پوچھا اُس نے کہا لولو میں نے کہا تو میرا ہو اُسنے کہا نہیں اور یہ لولو یعنی موتی کے ہے وہ لولو نہیں جس سے بچوں کو ڈراتے ہیں اس پر ایک اور حکایت یاد آئی نصیر شاعر کا ایک لڑکا بچہ تھا ایک بار چند شعراء نصیر سے ملنے آئے

نضیر موجود نہ تھا یہ بچہ تھا شعرا دنے اس سے فرمائش کی کہ کوئی شعر فی البدیہ بنا کر سناؤ
اُس نے عجیب شعر اپنے بچپن کی شان کے موافق بیساختہ کہا ؎

اے بتو مجکو دُر گوش دکھاتے کیوں ہو ۔۔۔ میں ہوں بالا مجھے لولیسے ڈراتے کیوں ہو

غرض ان صاحب نے لکھا تھا کہ یہاں وہ بی بی مولد شریف پڑھتی ہیں اور اُنکا کچھ نذرانہ بھی مقرر ہے اور ایک نئی بات یہ ہے کہ عید بقر عید کی نماز بھی عورتوں کو پڑھاتی ہیں اور ان سب قصوں کی جڑ وہی نذرانہ ہے اسی واسطے میں تو اپنے دوستوں سے یہ کہا کرتا ہوں کہ ان بدعات کرنے والوں کو منع نہ کرو لیکن ان کو دینا چھوڑ دو جب مُفت محنت کرنا پڑیگی وہ خود ہی تنگ ہو کر ان بدعات کو چھوڑ دیں گے اس لئے کہ کام تو پورا کرنا پڑیگا اور ملیگا کچھ بھی نہیں تو خواہ مخواہ کی مشقت بھی ہو گی اور وصول کچھ نہ ہوگا تو خود ہی چھوڑ دینگے بہر حال ہر عمل کے دو طریقے ہو سکتے ہیں ایک منقول اور دوسرا تراشا ہوا گفتگو اس میں ہے کہ اس فرحت کا طریق مروج کس قسم میں داخل ہے اس کے لئے میں ایک قاعدہ کلیہ بیان کرتا ہوں اُس سے یہ واضح ہو جائیگا کہ جتنی چیزیں بعد خیر القرون کے ایجاد ہوتی ہیں ان میں کونسی بدعت ہے اور کونسی مستحب اور مندوب اور ثابت بالشرع ہیں اور اسی سے یہ بھی واضح ہوگا کہ اس فرحت کے ظاہر کرنے کا آیا کوئی طریقہ مقبول ہے یا نہیں اور نیز طریقہ مروجہ بدعت ہے یا نہیں بس جاننا چاہئے کہ بعد خیر القرون کے جو چیزیں ایجاد کی گئیں ہیں ان کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ کہ اُن کا سبب داعی بھی جدید ہے اور وہ موقوف علیہ کسی مامور بہ کی ہیں کہ بغیر اُن کے اس مامور بہ پر عمل نہیں ہو سکتا جیسے کتب دینیہ کی تصنیف اور تدوین مدرسوں اور خانقاہوں کی بناء کہ حضور کے زمانہ میں ان میں سے کوئی شے نہ تھی اور سبب داعی ان کا جدید ہے۔ اور نیز یہ چیزیں موقوف علیہ ایک مامور بہ کی ہیں تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ یہ سب کو معلوم ہے کہ دین کی حفاظت سب کے ذمہ ضروری ہے اس کے بعد سمجھئے کہ زمانہ خیریت نشانہ میں دین کی حفاظت کے لئے وسائط مجددہ میں سے کسی شئے کی ضرورت نہ تھی تعلق مع اللہ یا بلفظ آخر نسبت سلسلہ سے ببرکت حضرت نبوت سب مشرف تھے۔ قوت حافظہ اس قدر قوی تھی

تمام رسوم بدعات کے مٹ جانیکا ایک عجیب سہل طریقہ

قاعدہ کلیہ بدعت وسنت کے پہچاننے کا

کہ جو کچھ سنتے تھے وہ سب نقش کالحجر ہو جاتا تھا فہم ایسی عالی پائی تھی کہ اس کی ضرورت ہی نہ تھی کہ سبق کی طرح اُن کے سامنے تقریر کریں ورع و تدین بھی غالب تھا بعد اس زمانہ کے دوسرا زمانہ آیا غفلتیں بڑھ گئیں قوے کمزور ہوگئے ادھر اہل اہواء اور عقل پرستوں کا غلبہ ہوا تدین مغلوب ہونے لگا پس علماء امت کو قوی اندیشہ دین کے ضائع ہونے کا ہوا پس ضرورت اس کی واقع ہوئی کہ دین کی بجمیع اجزائہ تدوین کی جاوے چنانچہ کتب دینیہ حدیث اصول حدیث فقہ اصول فقہ عقائد میں تصنیف ہوئیں اور ان کی تدریس کے لئے مدارس تعمیر کئے گئے اسی طرح نسبت مسلسلہ کے اسباب تقویت و ابقا کے لئے بوجہ عام رغبت نہ رہنے کے مشائخ نے خانقاہیں بنائیں اس لئے کہ بغیر ان چیزوں کے دین کی حفاظت کی کوئی صورت نہ تھی پس یہ چیزیں وہ ہوئیں کہ سبب ان کا جدید ہے کہ وہ سبب خیر القرون میں نہ تھا اور موقوف علیہ حفاظت دین مامور بہ کی ہیں پس یہ اعمال گو صورۃً بدعۃ ہیں لیکن واقع میں بدعۃ نہیں بلکہ حسب قاعدہ مقدمۃ الواجب واجبٌ واجب ہیں اور دوسری قسم وہ چیزیں ہیں جنکا سبب قدیم ہے جیسے مجالس میلاد مروجہ اور تیجہ دسواں چہلم وغیرہا من البدعات کہ ان کا سبب قدیم ہے مثلاً مجلس میلاد کے منعقد کرنے کا سبب فرح علی الولادۃ النبویۃ ہے اور یہ سبب حضور کے زمانہ میں بھی موجود تھا لیکن حضور نے یا صحابہ نے یہ مجالس منعقد نہیں کی کیا نعوذ باللہ صحابہ کا فہم یہاں تک نہیں پہونچا اگر سبب اس کا اس وقت نہ ہوتا تو البتہ یہ کہہ سکتے تھے کہ منشاء انکا موجود نہ تھا لیکن جبکہ باعث اور بناء اور مدار موجود تھا پھر کیا وجہ ہے کہ نہ حضور نے کبھی مجلس میلاد منعقد کی اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایسی شے کا حکم کیا ہے کہ وہ بدعۃ ہیں صورۃً بھی اور معنیً بھی اور حدیث من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ میں داخل ہوکر واجب الرد ہیں اور پہلی قسم ما منہ میں داخل ہوکر مقبول ہے یہ قاعدہ کلیہ ہے بدعت اور سنت کے پہچاننے کا اس سے تمام جزئیات کا حکم مستنبط ہوسکتا ہے اور ان دو قسموں میں ایک اور فرق عجیب ہے وہ یہ ہے کہ پہلی قسم کے تجویز کرنے والے خواص یعنی علماء ہوتے ہیں اور اس میں عوام تصرف نہیں کرتے اور دوسری قسم کے تجویز کنندہ عوام کالانعام ہوتے ہیں۔ اور وہی اسمیں ہمیشہ

تصرفات کیا کرتے ہیں چنانچہ مولد شریف کی مجلس کو ایجاد بھی ایک بادشاہ نے کیا ہے کہ اسکا شمار عوام ہی میں ہے۔ اور عوام ہی ابتک اس میں تصرفات بھی کر رہے ہیں۔ چنانچہ چندروز سے اُس میں ایک اور ترقی ہوئی ہے کہ اس دن عید منانے لگے ہیں اور اس کا نام رکھ لیا ہے عید میلاد النبی پُرانی رسم مولد کے متعلق تو علماء نے مستقل رسائل لکھے ہیں جیسے براہین قاطعہ وغیرہ اور احقر نے بھی اصلاح الرسوم میں مفصل بحث لکھی ہے لیکن اس نئی رسم کے متعلق جسکا نام عید میلاد النبی رکھا گیا ہے ابتک کوئی رسالہ نظر سے نہیں گذرا اگرچہ اجمالاً میں نے گذشتہ دو سال کے دو وعظ میں اسکا کچھ بیان کیا ہے جو طبع ہوگیا ہے لیکن مفصل بحث اس کے متعلق نہیں کی گئی آج اسی کے متعلق بیان کرنے کا ارادہ ہے لیکن تمہید میں دیر ہوگئی خیر مقصود اکثر مختصر ہی ہوتا ہے اس لئے اس میں زیادہ دیر نہ ہوگی لیکن اتنا مختصر بھی نہ ہوگا کہ کوئی پہلو رہ جائے۔ جاننا چاہیئے کہ عید میلاد النبی کے نام سے جو ایک رسم شائع ہوئی ہے اس کے متعلق دو کلام ہیں ایک تو اس کے نامشروع ہونے کے متعلق دلائل دوسرے مخالفین کے دلائل کا جواب اس کے بعد سمجھئے کہ شریعت کے دلائل چار ہیں کتاب۔ سنت اجماع۔ قیاس انشاءاللہ چاروں سے گفتگو کی جاویگی اول کتاب اللہ کو لیجئے حق تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ ام لھم شرکاء شرعوا لھم من الدین ما لم یاذن بہ اللہ یعنی کیا ان کے لیئے شرکاء ہیں کہ انھوں نے ان کے لیئے دین کی وہ بات مقرر کردی جس کی اللہ تعالےٰ نے اجازت نہیں دی۔ یہ آیت صاف بتلا رہی ہے کہ دین کی بات بدون اذن الٰہی یعنی بدون دلیل شرعی کسی کو مقرر کرنا مذموم و مستنکر ہے یہ تو کبریٰ ہے اور صغریٰ یہ ہے کہ عید میلاد النبی دین ہی کی بات سمجھ کر بلا دلیل مقرر کی گئی ہے اور دلیل نہ ہونا جزئیاً تو ظاہر ہے کہ امر شریعت میں نہیں ہے امر مستحدث ہے اگر احتمال ہے تو اسکا ہے کہ کسی کلیہ میں داخل کرتے ہوں گے مفصل گفتگو تو اُن کلیات کی جس میں یہ داخل ہوسکتی ہے آگے آوے گی باقی مجملاً یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ سبب داعی اس کا قدیم ہے خواہ وہ فرح ہو یا اظہار شوکت اسلام ہو کہ وہ بھی قدیم ہے بہرحال ان میں سے جو بھی سبب ہو تو ہم یہ کہتے ہیں کہ جبکہ یہ سبب حضور و صحابہ و خیر القرون کے زمانہ میں بھی موجود تھا اور وہ حضرات قرآن و حدیث کو خوب

(حاشیہ: عید میلاد النبی کے عدم جواز کے دلائل — دلیل اول کتاب اللہ)

سمجھنے والے تھے اور ایسا سمجھتے تھے کہ اس کو دیکھ کر اب اجتہاد کو جائز نہیں رکھا گیا پس جب مسلم ہو چکا کہ وہ کتاب وسنت کو ہم سے زیادہ سمجھنے والے تھے اور یہ سبب بھی اس وقت موجود تھے یعنی اظہار فرح اور شوکت اسلام کی اس وقت بھی ضرورت تھی بلکہ اُسوقت سے زیادہ ضرورت تھی مگر ان حضرات نے اس پر عمل نہیں کیا۔ پس معلوم ہوا کہ کسی کلیہ میں داخل کرنا اس کا صحیح نہیں اور یہ بالکل امر مستحدث اور جدید ہے کہ جس کی کچھ اصل نہیں اور بدعت کی حقیقت یہی ہے کہ غیر دین کو دین سمجھکر کیا جاوے اور اسکو یہ لوگ دین سمجھتے ہیں پس یہ بدعت واجب الترک ہے یہ تو قرآن مجید سے اس کے متعلق کلام تھا۔ اب حدیث لیجئے حضور ارشاد فرماتے ہیں من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھو رد یعنی جو شخص ہمارے اس دین میں وہ شے نکالے جو اس میں نہیں پس وہ واجب الرد ہے جو تقریر آیت کے ذیل میں کی گئی ہے وہی یہاں بھی ہے اور مراد نئی شے سے وہ ہے جس کا سبب قدیم ہو اور پھر اوسوقت معمول بہ نہ ہوئی ہو باقی جسکا سبب جدید ہو اور نیز وہ موقوف علیہ کسی مامور کی ہو وہ ما منہ میں داخل ہو کر واجب ہے۔ اور دوسری حدیث لیجئے مسلم کی روایت ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تختصوا لیلۃ الجمعۃ بقیام من بین اللیالی ولا تختصوا یوم الجمعۃ بصیام من بین الایام الا ان یکون فی صوم یصومہ احدکم یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شب جمعہ کو اور راتوں میں سے شب بیداری کے ساتھ خاص مت کرو اور یوم جمعہ کو ایام میں سے روزہ کے ساتھ خاص مت کرو مگر یہ کہ اس دن میں کوئی تم میں پہلے سے روزہ رکھتا ہو اس حدیث سے یہ قاعدہ کلیہ نکلا کہ جو تخصیص منقول نہو وہ منہی عنہ ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ جمعہ کے روز روزہ رکھنا کیسا ہے ہمارے علماء نے دوسری دلیل مستقل سے جواز کا حکم دیا ہے۔ اور نہی کو عارضی کہا ہے۔ اس وجہ سے کہ روزہ رکھکر وظائف جمعہ سے ضعیف نہو جاوے یہ فرعی گفتگو ہے یہاں تو صرف اس قاعدہ کلیہ کا مستنبط کرنا مقصود ہے سو اس قاعدہ کی صحت میں مجوزین صوم جمعہ کو بھی کلام نہیں ہے غرض یہ قاعدہ کلیہ کہ تخصیص غیر منقول دین کے اندر جائز نہیں صحیح ہے یہ تو کبریٰ ہے اب خاص یوم ولادت کو عید

دلیل دوم وجوب ترک بدعت حدیث اول

حدیث دوم

منانے کی تخصیص دیکھئے کہ یہ تخصیص کیسی ہے ظاہر ہے کہ منقول نہیں ہے اور نہ تخصیص عادی ہے بلکہ اس کو دین کی بات سمجھتے ہیں چنانچہ اس کے تارک کو ملامت کرتے ہیں اور بد دین سمجھتے ہیں۔ اگر تخصیص عادی ہوتی تو ملامت نہ کرتے اور نہ اس کو بد دین جانتے جیسے کسی کی عادت ململ پہننے کی ہو تو اس کے تارک کو ملامت نہیں کرتے بہرحال اس کو دین سمجھتے ہیں۔ پس یہ تخصیص دین میں ہوئی اور غیر منقول ہوئی یہ صغریٰ ہوا اور کبریٰ اول آچکا ہے نتیجہ ظاہر ہے کہ یہ تخصیص ناجائز ہے بلکہ اگر غور کیا جاوے تو مقیس علیہ یعنی یوم جمعہ سے بھی یہ بڑھکر ہے اس لئے کہ یوم جمعہ کے فضائل تو احادیث میں صراحۃً وارد بھی ہیں۔ اور یوم ولادت کی کوئی فضیلت صراحۃً وارد نہیں گو قواعد سے فی نفسہ یوم ولادت میں برکت اور فضیلت کے سب ہی مسلمان قائل ہیں۔ ایسا کون ہوگا جو اس دن بلکہ اس ماہ کی برکت کا قائل نہ ہو چنانچہ سیوطی رح یا علی قاری اس ماہ کی فضیلت میں فرماتے ہیں ؎

لھذا الشھر فی الاسلام فضل ومنقبۃ تفوق علی الشھور
ربیع فی ربیع فی ربیع ونور فوق نور فوق نور

اور میں اس پر اضافہ کرکے کہتا ہوں ؎

ظھور فی ظھور فی ظھور سرور فی سرور فی سرور

اور اس میں دو پہلے واعظوں کا نام بھی آگیا نورؔ اور ظہورؔ اور آج کے بیان کا نام "السرور" رکھتا ہوں اسمیں وہ بھی آگیا پس فی نفسہ برکت اور فضیلت کا انکار نہیں گفتگو اسمیں ہے کہ جیسے جمعہ کے فضائل تصریحاً وارد ہیں ایسے یوم ولادت کے نہیں پس جس کے فضائل منصوص ہوں جب اس کی تخصیص ناجائز ہے تو جس کے فضائل منصوص بھی نہیں اس کی تخصیص تو کیسے ناجائز نہ ہوگی بعض لوگوں نے دعوی کیا ہے کہ یوم ولادت کی فضیلت بھی حدیث میں آئی ہے چنانچہ آیا ہے کہ حضور دوشنبہ کے روز روزہ رکھا کرتے کسی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ آپ اس دن روزہ کیوں رکھتے ہیں فرمایا ولدت یوم الاثنین یعنی میں پیر کے دن پیدا ہوا ہوں تو اس کا جواب انشاء اللہ مخالفین کے دلائل کے ذیل میں آویگا۔ اور تیسری حدیث سنئے نسائی نے روایت کیا ہے۔ قال رسول اللہ ﷺ

صلی اللہ علیہ وسلم لا تجعلوا قبری عیدا و صلوا علی فان صلوتکم تبلغنی حیث کنتم ترجمہ یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میری قبر کو عید مت بناؤ اور مجھ پر درود بھیجو کیونکہ تمہارا درود میرے پاس پہونچیگا جہاں کہیں تم ہوگے اس حدیث میں غیر عید کو عید منانے کی بالتخصیص ممانعت ہے شاید کوئی یہ شبہ کرے کہ حضور کی قبر پر تو سب جمع ہوتے ہیں جواب یہ ہے کہ جانا تو جائز ہے لیکن عید کے طرز پر جمع ہونا منہی عنہ ہے مطلب یہ ہے کہ عید میں جیسے جمع ہوتے ہیں اس طرح میری قبر پہ جمع مت ہو اور عید میں اس طرح جمع ہوتے ہیں کہ اس کی تاریخ معین ہوتی ہے اور نیز اس میں تداعی یعنی اسکا ایک اہتمام ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کو وہاں جمع ہونے کے لئے بلاتا ہے پس اس طرح جمع ہونے کی ممانعت ہے اور اتفاق اجتماع سے ممانعت نہیں ہے چنانچہ روضۂ اقدس کی زیارت کے لئے جو جاتے ہیں تو اس میں یہ دونوں امر نہیں ہیں اس کی کوئی تاریخ خاص معین نہیں ہے بلکہ آگے پیچھے جیسا اتفاق ہو قافلے جاتے ہیں اور زیارت کرکے چلے آتے ہیں اور نہ کچھ اہتمام ہے کہ سب کا اجتماع ضروری سمجھا جاتا ہو بہرحال اس حدیث سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے کہ قبر شریف پر بطور عید کے جمع ہونا ناجائز ہے پس جس طرح عید مکانی ممنوع عنہ ہے اسی طرح عید زمانی بھی منہی عنہ ہوگی اب رہ گئی یہ بات کہ اس کے بعد صلوا علی فان صلوتکم تبلغنی حیث کنتم بڑھانے سے تو اجتماع کا عدم جواز بھی مفہوم ہوتا ہے جیسا علت فان صلوتکم ظاہراً اس پر دال ہے سو شراح نے مختلف توجیہات اس کی کی ہیں میرے ذہن میں سب سے اقرب توجیہ اس کی یہ آئی ہے کہ اس سے مقصود یہ ہے کہ اس نہی لا تجعلوا میں اہل بدعات یہ عذر کر سکتے تھے کہ ہم تو صلوۃ یعنی درود شریف پڑھنے کے لئے حضور کے روضۂ اقدس پر جمع ہوتے ہیں اور صلوۃ مامور بہٖ ہے تو ہمارا اجتماع جائز ہوگا تو حضور اس شبہ کا جواب دیتے ہیں اور اس احتمال کا استیصال فرماتے ہیں کہ درود شریف یہاں آنے پر موقوف نہیں ہے جہاں کہیں تم ہوگے درود شریف میرے پاس پہونچتا ہے اس لئے یہ عذر غیر موجہ ہے اور اس سے ایک بہت بڑی بات مستنبط ہوتی ہے کہ صلوۃ جسکے بعض افراد مندوب اور بعض واجب اور بعض

فرض ہیں جب اس کے لئے عید کے طرز پر جمع ہونا جائز نہیں ہے تو کسی اور غرض مخترع کیلئے جمع ہونا تو کیسے جائز ہوگا لیکن اس سے کوئی یہ شبہہ نہ کرے کہ خود زیارت کے لئے جانا بھی جائز نہیں اس لئے کہ وہاں جو جاتے ہیں تو مقصود اصلی صلوٰۃ نہیں ہے بلکہ زیارت مقصود ہے اور وہ بدون حضور قبر ہر جگہ ممکن نہیں اور زیارت کا مندوب ہونا دوسری روایات سے ثابت ہوتا ہے بلکہ قرآن شریف سے بھی اس کا استحباب معلوم ہوتا ہے چنانچہ ارشاد ہے ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما ترجمہ یہ ہے کہ جب ان لوگوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا تھا یعنی معاصی ان سے سرزد ہوئے تھے اگر اسوقت یہ لوگ آپ کی خدمت میں آتے اور وہاں آکر اللہ تعالےٰ سے مغفرت طلب کرتے اور رسول یعنی آپ بھی ان کے لئے دعاے مغفرت فرماتے تو بیشک اللہ تعالیٰ کو توبہ کا قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا پاتے اور جاؤك (آپ کے پاس آنے) یہ عام ہے خواہ حیات میں ہو یا بعد الممات ہو اس سے زیارت کا مندوب ہونا بلکہ تاکد معلوم ہوتا ہے اور اس پر بشارت ہے کہ وہاں حاضر ہوکر توبہ کرنے سے توبہ قبول ہوتی ہے ایک لطیفہ یاد آیا کہ کانپور کے ایک مدرسہ میں بچوں کا امتحان ہو رہا تھا ان کو چہل حدیث یاد کرائی گئی تھی ممتحنین میں ایک صاحب اہل ظاہر[عہ] بھی تھے حدیث یہ آئی من حج ولم يزرني فقد جفاني یعنی جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی تو اس نے میرے ساتھ بے مروتی کی وہ صاحب کہنے لگے کہ یہ حدیث تو حیات کے ساتھ مخصوص ہے بچہ کیا جواب دیتا وہ آگے پڑھنے لگا اتفاق سے اس کے بعد یہ حدیث تھی من زارني بعد مماتي فكانما زارني في حياتي یعنے جس نے میری زیارت میری وفات کے بعد کی تو گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی ایک مولوی صاحب ان کے پاس بیٹھے تھے انھوں نے فوراً کہا کہ مولانا آپکا جواب ہوگیا دیکھئے اسمیں صاف ارشاد ہے کہ جو بعد ممات کے زیارت کرے وہ ایسا ہی ہے جیسے حیات میں زیارت کی اور زیارت فی الحیوۃ کی مشروعیۃ کو آپ بھی مانتے ہیں۔ بہرحال وہاں زیارت کے لئے جاتے ہیں صلوٰۃ سفر سے مقصود بالذات نہیں اور زیارت کی کوئی تاریخ معین نہیں ہے

زیارت قبر شریف کا استحباب قرآن مجید اور احادیث سے ثابت ہے

عہ اہل ظاہر کہتے ہیں کہ زیارت قبر نبوی کے لئے سفر کرنا ناجائز ہے ۱۲-

اور نہ اہتمام عید کا سا ہے پس اس کی ممانعت نہیں اسی طرح[1] اور بھی جن حدیثوں سے بعض
لوگوں نے اس کی ممانعت سمجھی ہے اُن کو غلط فہمی ہوتی ہے زیادہ تر ایسے لوگ اس
حدیث کو پیش کیا کرتے ہیں لا تشد الرحال الا الی ثلثۃ مساجد المسجد الحرام و
مسجدی ھذا و المسجد الاقصی الخ یعنی کجاوے مت باندھو مگر تین مسجدوں کی طرف
مسجد حرام و مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ[1] تقریر ان کے استدلال کی یہ ہے کہ حضور نے سفر کی
ممانعت فرمائی ہے مگر ان تین مسجدوں کی جانب پس معلوم ہوا کہ مدینہ طیبہ اگر سفر کر کے جاوے
تو مسجد کی نیت سے جاوے روضۂ اقدس کا قصد نہ کرے کہ وہ ان ثلثہ کا غیر ہے یہ ہے تقریر
ان کے استدلال کی - جواب یہ ہے کہ اصل یہ ہے کہ مستثنیٰ اجنس مستثنیٰ منہ سے ہو یہاں مستثنیٰ
مساجد ہیں - پس مستثنیٰ منہ بھی مسجد ہی ہونا اصل ہے کہ وہی جنس قریب ہے پس تقریر کلام کی
ہو گی لا تشد الرحال الی المسجد الا ثلثۃ مساجد یعنی کسی مسجد کی طرف سفر کر کے مت جاؤ
مگر ان تین مسجدوں کی طرف پس قبر شریف سے اس حدیث میں کوئی تعرض ہی نہیں اسکی
زیارۃ کا تاکد بحالہ دوسری احادیث سے ثابت ہے اور ان تین مسجدوں کی تخصیص اس لئے
فرمائی کہ ان تین مضاعفت اجر کی منصوص ہے اور کسی مسجد کے لئے منصوص نہیں ہے
پس حاصل حدیث کا یہ ہے کہ ثواب کی زیادتی کے اعتقاد سے کسی مسجد کی طرف سفر نہ کرو
اس لئے کہ کسی مسجد کے لئے زیادتی ثواب کی منقول نہیں ہے بہر حال خاص زیارت قبر
شریف کے قصد سے بھی سفر کرنا مندوب ہے - چوتھی حدیث[2] یہ ہے کہ عید کے روز کچھ لڑکیاں
کھیل رہی تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے - حضرت عمر رضی اللہ عنہ
تشریف لائے اور انھوں نے اُن لڑکیوں کو ڈانٹا حضور نے فرمایا ان لکل قوم عیدا وھذا عیدنا یعنی اے
عمر منع نہ کرو ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے اس حدیث میں علت اُن کے کھیلنے کی
اباحۃ کی یہ فرمائی کہ یہ ہماری عید ہے اسمیں جواز لعب کو یوم عید ہونے سے معلل فرمایا گیا جس سے صاف
معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم عید کے ساتھ خاص ہے سو اگر ہر شخص کو عید بنانا جائز ہو تو ہر روز ایسا لعب جائز
ہو جاویگا اور تخصیص منصوص باطل ہو جاوے گی جس سے کلام شارع کا الغاء لازم آوے گا
یہ تو قرآن و حدیث سے ممانعت اس عید مخترع کی ثابت ہوئی اب رہا اجماع سو اس سے

[1] قصد قبر شریف کی مانعین کی غلط فہمی اور جواب حدیث لا تشد الرحال الخ
[2] حدیث چہارم

بھی ثابت ہے۔ تقریر اس کی یہ ہے کہ قاعدہ اصولیہ ہے کہ تمام امت کا کسی امر کے ترک پر
متفق ہونا یہ اجماع ہوتا ہے اُس کے عدم جواز پر چنانچہ فقہانے جا بجا اس قاعدہ سے
استدلال کیا ہے جس طرح سے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فعل
کو ہمیشہ ترک کرنے سے استدلال کرتے تھے۔ مثلاً وہ فرماتے ہیں کہ حضور نے عید کی نماز پڑھی
لیکن اس میں اذان اور تکبیر نہیں کہی اسی طرح جس شئے کو تمام امت نے ترک کر دیا ہو
وہ واجب الترک ہے اسی بنا پر فقہا نے صلوٰۃ عیدین میں بلا اذان و تکبیر کہا ہے پس اگر
یہ قاعدہ مسلم نہ ہوتا تو آج سے عیدین میں اذان اور تکبیر کا بھی اضافہ کر دینا چاہیئے اور اگر
مسلم ہے تو اس قاعدہ سے اور جگہ بھی کام لو اس پر ایک شبہ ہو سکتا ہے کہ تمام امت
نے عید میلاد النبی کو ترک نہیں کیا اس لئے کہ امتی تو آخر ہم بھی ہیں سو ہم اس کو کرتے ہیں
پس اجماع کہاں رہا جواب اس کا یہ ہے کہ اصول فقہ کا قاعدہ مسلمہ ہے کہ اختلاف متاخر
اتفاق متقدم کا رافع نہیں ہے یعنی جس امر پر تمام امت کا اتفاق زمان سابق میں متحقق ہو چکا ہو
اب اس اتفاق کو بعد کا اختلاف نہ اٹھا دیگا پس جب تک تم لوگوں نے اس کو ایجاد نہیں
کیا تھا اُس وقت تک تو امت کا اس کے ترک پر اتفاق تھا اب وہ اتفاق مرتفع نہیں
ہو سکتا اس قاعدہ کی ایک جزئی اور ہے کہ علماء حنفیہ نے نماز جنازہ کا تکرار جائز نہیں رکھا
اور دلیل یہی لکھی ہے کہ صحابہ اور تابعین سے ثابت نہیں۔ غرض یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ امت
کا کسی امر کو ترک کرنا اس کے عدم جواز کی دلیل ہے پس بفضلہ تعالیٰ اجماع امت سے بھی
ثابت ہو گیا کہ یہ عید بدعت اور امر مخترع واجب الترک ہے۔ اب رہا قیاس تو قیاس
کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ قیاس جو مجتہد سے منقول ہو اور ایک وہ جو مجتہد سے منقول
نہ ہو اور یہ قاعدہ کہ غیر مجتہد کا قیاس منقول نہیں ہے یہ ان واقعات میں ہے کہ جو مجتہدین کے
زمانہ میں پائے گئے ہیں۔ اور جو نئے واقعات پیش آویں انمیں قیاس غیر مجتہد کا معتبر ہے
چنانچہ جس قدر نئی تجارتیں اور ایجادات اس زمانہ میں ہوئی ہیں سب کا حکم قیاس سے ہی
ثابت ہوتا ہے مع ہذا ہم خود نہیں قیاس کرتے اس لئے ہم کو قیاس کرنے کی ضرورت تو
جب تھی جبکہ سلف کے کلام میں اس سے تعرض نہ ہوتا اس لئے کہ اُن حضرات کا قیاس

تقریر دلیل اجماع

تقریر دلیل قیاس

دلائل مجوزین عید میلاد کی تقریر اور جوابات

ہمارے قیاس پر مقدم ہے اور اُن کے کلام میں اس سے تعرض ہے چنانچہ تبعید الشیطان وصراط مستقیم میں بہت زور شور سے اس پر گفتگو کی ہے اور فیصلہ کیا ہے کہ کسی زمان یا مکان کو عید بنانا ممنوع ہے اس میں کی کچھ ضروری عبارت اشاعت کے وقت آخر میں ملحق کر دی جاوے گی (چنانچہ اب ایسا ہی کیا گیا ہے) قیاس سے بھی اس عید کا ناجائز ہونا ثابت ہوا۔ یہ تو ہمارے دلائل تھے۔ اب موجدین عید کے دلائل کی تقریر اور اُنکا جواب سنیئے اور ان کی طرف نسبت دلائل کی میں نے اس احتمال سے کر دی ہے کہ شاید ان میں سے کبھی کوئی ان سے استدلال کرنے لگے ورنہ میں نے یہ دلائل اُن سے منقول نہیں دیکھے بلکہ اگر وہ تو برسوں بھی کوشش کریں تو ان کو ایک دلیل بھی میسر نہ ہو اسی واسطے جی تو نہ چاہتا تھا کہ ان کو دلائل دئے جاویں لیکن صرف اس وجہ سے کہ کسی کو کوئی گنجائش نہ رہے اسلئے میں ان دلائل کو بھی مع جواب نقل کئے دیتا ہوں۔ اول وہ آیت قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذلک فلیفرحوا سے استدلال کر سکتے ہیں کہ اس آیت سے فقط فرحت کا مامور بہ ہونا ثابت ہوا اور یہ عید بھی اظہار فرحت ہے لہذا جائز ہے جواب ظاہر ہے کہ اس آیت سے فقط فرحت کا مامور بہ ہونا نکلا اور گفتگو اس ہیئت خاص میں ہے لہذا اس آیت سے اس کو کوئی مس نہیں اور اگر اس کلیہ میں داخل کرنا اسکا صحیح ہو تو فقہا نے کتب فقہ میں جن بدعات کو رد کیا ہے وہ بھی کسی نہ کسی ایسے ہی کلیہ میں داخل ہو سکتی ہیں چاہیئے کہ وہ بھی جائز ہو جاویں۔ حالانکہ کتب فقہ جو مسلم عند الفریقین ہیں ان میں ان کی ممانعت مصرحاً مذکور ہے اور ان اہل زیغ کو ہمیشہ یہ دھوکہ ہوتا ہے اور یا تجاہل ہے کہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے اور اہل حق کے قضیہ کا موضوع ایک ہے۔ اسی بنا پر اہل حق پر اعتراض کر دیتے ہیں چنانچہ یہاں بھی مغالطہ ہے ہم جس بات کو ناجائز کہتے ہیں وہ ہیئت خاصہ ہے اور جو فرحت آیت فلیفرحوا سے ثابت ہوتی ہے وہ فرحت مطلقہ ہے پس یہ یوں سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ فرحت کو منع کرتے ہیں حالانکہ یہ صحیح نہیں بلکہ اگر غور سے کام لیا جائے تو ہم اس فرحت پر زیادہ عمل کرتے ہیں اس لئے کہ یہ موجدین تو سال بھر میں ایک ہی مرتبہ خوش ہوتے ہیں اور درمیان میں انکی فرحت منقطع ہو جاتی ہے اور ہم ہر وقت[ع] خوش ہیں۔

استدلال بآیت قل بفضل اللہ الخ اور اس کا جواب

ع اس لئے کہ اہل نسبت ایمان کی بشاشت اور اس کے ذوق سے ہر وقت مخمور رہتے ہیں اور اہل حق میں ہی بہت سے افراد اس دولت سے مشرف ہیں وذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء وھذا ھو الفرح المامور بہ کما فی تفسیر الائمۃ ۱۲ جامع

پس جو فرح کو منقطع کردیں وہ آیت کے تارک ہیں ہم تو کسی وقت بھی قطع نہیں کرتے
پس ہم بفضلہ تعالیٰ آیت پر بھی ہر وقت عمل کرتے ہیں اور دلائل منع بدعات پر بھی عامل
ہیں اور اہل بدعات کو دونوں امر نصیب نہیں ہیں خلاصہ یہ ہوا کہ فرح مامور بہ کے تین درجہ
ہیں۔ افراط۔ تفریط۔ اعتدال۔ تفریط تو یہ ہے کہ تحدید بالحاء المہملہ کردیں کہ فلاں وقت پر
یہ فرح ختم ہوگئی جیسا بعض خشک مزاجوں کے کلام سے مترشح ہوگیا ہے اور افراط یہ ہے
کہ فرح کو جاری رکھیں مگر حدود شرعیہ سے تجاوز کریں جیسا اہل تجدید بالجیم المعجمہ کا طریق
متعارف ہوگیا اور اعتدال ادامۃ ہیں ہے پس ہم نہ محدود ہیں نہ مجدد بلکہ مدیم ہیں والحمد للہ
علیٰ ذالک۔ دوسرا استدلال موجدین کا اس حدیث سے ہوسکتا ہے کہ جب ابولہب نے حضور
کی ولادت کی خبر سنی تو خوشی میں آکر ایک باندی آزاد کردی تھی اور اس پر عقوبت میں
تخفیف ہوگئی پس معلوم ہوا کہ ولادت پر فرح جائز و موجب برکت ہے جواب اس کا بھی
ظاہر ہے کہ ہم نفس فرحت کے منکر نہیں ہیں بلکہ اسپر ہر وقت عامل ہیں گفتگو تو اس ہیئت
کذائیہ میں ہے۔ تیسرا استدلال اس آیت سے ہوسکتا ہے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں واذ قال
الحواریون یعیسی بن مریم ھل یستطیع ربک ان ینزل علینا مائدۃ من السماء
الی قولہ ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء تکون لنا عیدا لاولنا واخرنا وایۃ
منک یعنی یاد کرو اس وقت کو جبکہ حواریوں نے کہا کہ اے عیسیٰ بن مریم کیا یہ ممکن ہے
کہ اللہ تعالیٰ ہم پر آسمان سے ایک خوان نازل فرماویں عیسیٰ علیہ السلام کی اس دعا تک
کہ اے اللہ ہمپر آسمان سے خوان نازل فرما کہ وہ ہمارے لئے عید بن جاوے ہمارے پہلوں
کے لئے اور ہمارے پچھلوں کے لئے اور ایک نشانی قدرت کی ہو آپ کی طرف سے اس آیت سے
معلوم ہوا کہ عطاء نعمت کی تاریخ کو عید بنانا جائز ہے اور ہمارے اصول میں یہ طے ہوچکا
کہ امم سابقہ کے شرائع اگر حق تعالیٰ ہمپر نقل فرماکر ان پر انکار نفرماویں تو وہ ہمارے
لئے حجۃ ہیں اور یہاں کوئی انکار میں پس معلوم ہوا کہ عطاء نعمت کی تاریخ کو عید بنانا جائز
ہے اور حضور کی ولادت ظاہر ہے کہ نعمت عظیمہ ہے پس اپ کی تاریخ ولادت کو عید بنانا
جائز ہوگا۔ جواب اس کا یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ اس امر پر انکار اسی جلہ ہو جہاں وہ منقول ہے

دوسرا استدلال از حدیث و جواب اس

تیسرا استدلال از آیت و اذ قال الحواریون الخ و جواب

دیکھئے واذ قلنا للملئکۃ اسجدوا لآدم میں سجدہ تحیۃ منقول ہے اور سجدہ تحیۃ وسجدہ تعظیمی ہماری شریعت میں منسوخ ہوچکا لیکن یہاں اس پر انکار منقول نہیں اس کے لئے دوسرے دلائل ہیں اسی طرح یہاں سمجھئے کہ جو آیت و احادیث ہم نے عید بنانے کی ممانعت میں اپنے دلائل میں بیان کی ہیں۔ وہ اسپر انکار کے لئے کافی ہیں یہ جواب تو اس تقدیر پر ہے جبکہ آیت کے معنی یہی ہوں جو مستدل نے بیان کئے ہیں ورنہ اس آیت سے یہ ثابت ہی نہیں ہوتا کہ عیسی علیہ السلام کا مطلب یہ ہے کہ نزول مائدہ کی تاریخ کو عید بنادیں اس لئے کہ تکون میں ضمیر مائدہ کی طرف راجع ہے پس اس سے یوم نزول المائدہ لینا مجاز ہوگا اور یہ قاعدہ ہے کہ جبتک حقیقی معنی بن سکیں مجاز کی طرف رجوع نکیا جاویگا پس معنی یہ ہیں تکون المائدۃ سرورا لنا یعنی وہ مائدہ ہمارے لئے سرور کا باعث ہوجاوے عید کے معنی متعارف نہیں ہیں بلکہ عید کا اطلاق مطلق سرور پر بھی آتا ہے یہ کیا ضرور ہے کہ جہاں کہیں لفظ عید آوے اس سے عید میلاد النبی ہی مراد ہو جیسے حضرات شیعہ کے نزدیک جہاں کہیں م۔ت۔ع آتا ہے اس سے متعہ کا جواز ہی نکال لیتے ہیں ان کے نزدیک گویا شیخ سعدی کے شعر "تمتع زگوشۂ یافتم" سے بھی متعہ نکلتا ہے اور آیت ربنا استمتع بعضنا ببعض کے بھی یہی معنی ہیں کہ اے رب ہمارے ہمارے بعض نے بعض سے متعہ کیا ہے ایسے ہی ان حضرات کے نزدیک جہاں کہیں ع۔ی۔د آوے اُس سے عید میلاد النبی کا جواز ثابت ہوتا ہے

چوتھا استدلال اور جواب

چوتھا استدلال اس قصہ سے ہوسکتا ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ جب آیت الیوم اکملت لکم دینکم الخ نازل ہوئی تو ایک یہودی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے کہا کہ اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید بنالیتے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یہ آیت عید کے ہی دن نازل ہوئی ہے یعنی یوم جمعہ اور یوم عرفہ کو نازل ہوئی ہے اور ترمذی میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے۔ نزلت فی یوم جمعۃ ویوم عرفۃ یہ حدیث کا مضمون ہے تقریر استدلال کی اس حدیث سے یہ ہے کہ حضرت عمر و ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عید بنانے پر انکار نہیں فرمایا معلوم ہوا کہ عطائے نعمت کی تاریخ کو

عید بنانا جائز ہے اگرچہ یہ استدلال ان کو قیامت تک بھی نہ سوجھتا لیکن ہم نے تبرعاً نقل کیا ہے کہ ان کو اس میں بھی گنجائش ہو سکتی ہے اس کے دو جواب ہیں ایک جواب تو یہی ہے کہ تم جو یہ کہتے ہو کہ انکار نہیں کیا تو یہ کیا ضرور ہے کہ انکار یہاں ہی منقول ہو چنانچہ ہمارے فقہا نے تعریف یعنی یوم عرفہ میں حجاج کے مشابہت سے جمع ہونے پر انکار فرمایا ہے یہ تو ضروری نہیں ہے کہ اسی مقام پر انکار کریں نیز حضرت ابن عباسؓ نے تحصیب کو لیس بشئ کہا ہے حالانکہ وہ منقول بھی ہے مگر صرف عادت کو عبادت سمجھنے سے انھوں نے یہ انکار فرمایا تو غیر منقول کو قربت سمجھنا تو ان کے نزدیک زیادہ منکر ہوگا اور حضرت عمرؓ کا انکار اجتماع علی شجرۃ الحدیبیہ پر مشہور ہی ہے پس دونوں حضرات کا انکار ایسے امور پر ثابت ہو گیا کہ ہر ہر مقام پر منقول نہ ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ وہ شخص مسلمان نہ تھا یہودی تھا اس کو خاص طور پر الزامی جواب دیا کہ ہمارے یہاں تو پہلے سے عید ہے بلکہ اس جواب سے خود معلوم ہوتا ہے کہ عید بنانا جائز نہیں یعنی مطلب حضرت عمرؓ کا یہ ہے کہ ہماری شریعت میں چونکہ تعیید جائز نہیں ہے اس لئے ایسے عوارض سے ہم کسی دن کو اپنی طرف سے عید نہیں بنا سکتے تھے مگر خدا تعالیٰ نے پہلے ہی سے اُس یوم کو عید بنا دیا

پانچواں استدلال اس حدیث سے وہ کر سکتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیر کے دن روزہ رکھا کسی نے وجہ پوچھی تو یہ ارشاد فرمایا ذلك اليوم الذى ولدت فيه یعنی یہ اس دن پیدا ہوا ہوں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یوم الولادۃ عبادت اور قربت کا دن ہے اور فرحت وسرور علی الولادۃ قربت ہے لہذا یہ جائز ہے اسکے بھی دو جواب ہیں اول تو یہ ہے کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ یوم ولادۃ ہونا علت روزہ رکھنے کی ہے اسلئے کہ دوسری حدیث میں اس کی علت یہ منقول ہے کہ حضور نے فرمایا کہ جمعرات اور پیر کو نامۂ اعمال پیش ہوتے ہیں تو میرا جی چاہتا ہے کہ میرے اعمال روزہ کی حالت میں پیش ہوں اس سے صاف معلوم ہوا کہ علت صوم کی عرض اعمال ہے پس جب یہ علت ہوئی تو ولادت کا ذکر فرمانا محض حکمت ہوگا اور مدار حکم کا علت ہوتی ہے اب آپ لوگ جو دیگر قربات کو قیاس کرتے ہو تو تم نے حکمت کو اصل علت ٹھہرا دیا حالانکہ حکمت کے ساتھ حکم دائر

پانچواں استدلال کا جواب

نہیں ہوتا دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ علت حکم کی یہی ہے لیکن علت کی دو قسمیں ہیں ایک وہ علت جو اپنے مورد کے ساتھ خاص ہو۔ ایک وہ جسکا تعدیہ دوسری جگہ بھی ہو اگر یہ علت متعدیہ ہے تو کیا وجہ ہے کہ اس دن میں تلاوت قرآن اور اطعام طعام وغیرہا کیوں منقول نہیں اور نیز مثل صوم یوم الاثنین کے کہ یوم ولادت ہے تاریخ ولادت میں بھی کہ ۱۲ ربیع الاول ہے روزہ رکھنا چاہیئے دوسرے یہ کہ نعمتیں اور بھی ہیں۔ مثلاً ہجرت فتح مکہ معراج وغیرہا آپ نے ان کی علت سے کوئی عبادت کیوں نہ فرمائی پس اس سے معلوم ہوا کہ علت اگر ہے تو عام ہے بلکہ اسی مقام کے ساتھ خاص ہے۔ اور اصل مدار روزہ رکھنے کا وحی ہے باقی حکمت کے طور پر ولادۃ کو ذکر فرمایا ورنہ دوسری نعمتوں کے دن بھی روزہ وتعیید چاہیئے اور اگر اسپر کہا جاوے کہ تخصیص یوم ولادت کی وجہ یہ ہے کہ یہ اصل ہے تمام نعمتوں کی پس ولادۃ اور ہجرت وغیرہ میں یہ فرق ہے اس فرق کی وجہ سے یہ تخصیص کی گئی تو ہم کہتے ہیں کہ حمل اسکی بھی اصل ہے اس کو اصل ٹھہرانا چاہیئے پھر حیرت یہ ہے کہ یوم الولادۃ دوشنبہ کے روز تو عید نہ کریں اور تاریخ الولادۃ یعنی ۱۲ ربیع الاول کو عید مناویں یوم الاثنین میں تو حضور نے ایک عبادت بھی کی ہے اور تاریخ ولادت میں تو کچھ بھی منقول نہیں ہے پس اس دلیل کا مقتضی تو یہ تھا کہ ہر پیر کو عید کیا کریں غرض اس حدیث سے بھی مدعا موجدین عید کا ثابت نہیں ہوتا۔ یہ تو ان حضرات کے نقلی دلائل تھے۔ اب ہم اس بات میں عقلی گفتگو کرتے ہیں اس لئے کہ ان لوگوں میں بعضے عقل پرست بھی ہیں اور وہ اس عید میں کچھ عقلی مصلحتیں پیش کیا کرتے ہیں جو راجع ہیں ملک اور قوم کی طرف اس لئے ہم اس طرز پر بھی اس مسئلہ کو بیان کئے دیتے ہیں جاننا چاہیئے کہ جس قدر عبادات شارع علیہ السلام نے مقرر فرمائی ہیں ان کے اسباب بھی مقرر فرمائے ہیں اور اس اعتبار سے مامور بہ کی چند قسمیں نکلتی ہیں اول تو یہ کہ سبب میں تکرار ہو یعنی سبب بار بار پایا جاتا ہو تو سبب کے مکرر ہونے سے مسبب بھی مکرر پایا جاویگا مثلاً وقت صلوۃ کے لئے سبب ہے پس جب وقت آویگا صلوۃ بھی واجب ہوگی اسی طرح صیام رمضان کے لئے سبب ہے جب شہود شہر ہوگا صوم واجب ہوگا اور عید کے لئے فطر اور

اضحیہ کے لئے یوم اضحیہ بھی اسی بات سے ہے دوسری قسم یہ ہے کہ مسبب بھی ایک و سبب بھی ایک جیسے بیت اللہ شریف حج کے لئے چونکہ سبب ایک ہے اس لئے مامور بہ یعنی حج بھی عمر بھر میں ایک ہی فرض ہے یہ دونوں قسمیں تو مدرک بالعقل ہیں اس لئے کہ عقل بھی اسی کو مقتضی ہے کہ سبب کے تکرر اور توحد سے مسبب متکرر اور متوحد ہو تیسری قسم یہ ہے کہ سبب ایک ہو اور سبب کے اندر تکرار ہو جیسے حج کے طواف میں رمل کا سبب اراءۃ قوت تھی اب وہ اراءۃ قوت تو ہے نہیں اس لئے کہ قصہ اسکا یہ ہوا تھا کہ جب مدینہ طیبہ سے مسلمان حج کے لئے مکہ معظمہ آئے تو مشرکین نے کہا تھا کہ ان لوگوں کو یثرب کے بخار نے ضعیف اور بودا کر دیا ہے تو حضور نے صحابہؓ سے فرمایا کہ طواف میں رمل کریں یعنی شانے ہلاتے ہوئے اکڑ کر طواف کرو تاکہ ان کو قوت مسلمین کی مشاہد ہو اب وہ سبب تو نہیں لیکن مامور بہ یعنی رمل فی الطواف بحالہ باقی ہے یہ امر غیر مدرک بالعقل ہے اور جو امر خلاف قیاس ہوتا ہے اس کے لئے نقل اور وحی کی ضرورت ہوتی ہے اب ہم پوچھتے ہیں کہ عید میلاد النبی کا سبب کیا ہے ظاہر ہے کہ حضور کی ولادت کی تاریخ ہوتا ہے۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ وہ تاریخ گذر گئی یا بار بار آتی ہے ظاہر ہے کہ وہ ختم ہو گئی کیونکہ اب جو ۱۲ ربیع الاول کی تاریخ آتی ہے وہ اس خاص یوم الولادۃ کی مثل ہوتی ہے نہ کہ عین اور یہ ظاہر ہے پس مثل کے لئے وہی حکم ثابت ہونا کسی دلیل نقلی کا محتاج ہو گا بوجہ غیر مدرک بالعقل ہونیکے قیاس اس میں حجت نہیں ہو گا لیکن یہاں یہ شبہہ ہو سکتا ہے کہ حضور نے یوم الاثنین میں روزہ رکھنے کی وجہ ولدت فیہ سے فرمائی ہے تو اسمیں بھی یہ کلام ہو سکتا ہے کہ یوم الولادۃ تو گذر گیا ہے اب یہ اس کا مثل ہے اس کو حکم اصل کا کیوں ہوا جواب یہ ہے کہ یہ صوم تو خود منقول ہے اور آپ نے وحی سے روزہ رکھا ہے اس لئے اس پر قیاس نہیں ہو سکتا۔ اب ہم بترعان حضرات کی بھی ایک عقلی دلیل لکھ کر اور اس کا جواب دیکر اس مضمون کو ختم کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ یہ مقابلہ ہے اہل کتاب کا کہ وہ ولادت مسیح کے دن عید کرتے ہیں ہم مقابلہ کے لئے حضور کے یوم ولادت میں عید کرتے ہیں تاکہ اسلامی شوکت ظاہر ہو جواب یہ ہے کہ یہ تو اس وقت کسی درجہ میں صحیح ہو تا کہ جب ہمارے یہاں اظہار شوکت کے لئے

عید میلاد کی ایک عقلی دلیل کا جواب

کوئی شے نہ ہو ہمارے یہاں جمعہ۔ عیدین سب اظہار شعائر اسلام کے لئے ہیں دوسرے یہ کہ اگر ان کا مقابلہ ہی کرنا مقصود ہے تو ان کے یہاں اور۔ دنوں میں بھی عیدین اور میلے ہوتے ہیں تم کو بھی چاہئے کہ ہر ہر دن کے مقابلہ میں تم بھی عید کیا کرو اسی طرح عاشوراء کے دن تعزیہ داری بھی کیا کرو تاکہ اہل تشیع کا مقابلہ ہو چنانچہ بعض جاہل محض مقابلہ کے لئے ایسا کرتے بھی ہیں اور جناب اگر یہی مصلحت ہے تو ہندوؤں کے یہاں ہولی دوالی ہوتی ہے تم بھی اُن کے مقابلہ کے لئے ہولی دوالی کیا کرو میں ایک قصہ بیان کرتا ہوں اس سے آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ اصل اور قاعدہ آپ کا بالکل بے اصل ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے کفار نے ایک درخت بنا رکھا تھا اس پر ہتھیار لٹکاتے تھے اور اس کا نام ذات انواط رکھا تھا بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اجعل لنا ذات انواط یعنی یا رسول اللہ ہمارے لئے بھی ایک ذات انواط مقرر فرما دیجئے کہ اس پر ہم ہتھیار کپڑے وغیرہ لٹکا دیا کریں دیکھئے بظاہر اس میں کچھ حرج معلوم نہیں ہوتا اس لئے کہ کسی درخت پر کپڑے یا ہتھیار لٹکا دینا ایک امر مباح ہے اس میں تشبہ بھی کچھ نہیں لیکن چونکہ صورۃ اُن کی مشابہت تھی اس لئے حضور کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا اور فرمایا سبحان اللہ یہ تو ایسی ہی بات ہوئی جیسے قوم موسیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا اجعل لنا الٰھا کما لھم الٰھۃ پس جب اتنی مشابہت کو بھی حضور نے ناپسند فرمایا تو جس صورت میں اُن کی پوری شکل بنائی جاوے یہ تو بطریق اولیٰ ناجائز ہوگا یہ اس بات میں گفتگو تھی جو اختصار کے ساتھ بیان کی گئی۔ غرض عقل سے نقل سے ہر طرح بحمد اللہ ثابت ہو گیا کہ یہ عید مخترع ناجائز اور بدعت واجب الترک ہے خلاصہ یہ ہے کہ ہم کو فرحت کا حکم ہوا ہے اور اس کی تحدید یا تجدید کا حکم نہیں بلکہ فرح دائم اور مسرت دائمی کا حکم ہے اس لئے کسی خاص دن کو اس کے لئے مخصوص نہ کریں اور ہر وقت اس آیت پر عمل کریں چونکہ یہ باب سرور اور فرحت کے مامور بہ ہونے کے باب میں ہے اس لئے میں اس کا نام السرور رکھتا ہوں اور عید المیلاد النبی پر چونکہ اسمیں مفصل کلام ہے اس لئے اس کو ارشاد العباد فی عید المیلاد کے لقب سے ملقب

کرتا ہوں اب اللہ تعالی سے دعا کریں کہ اللہ تعالی ہمکو اپنی مرضیات کی توفیق عطا
فرماویں اور بدعات اور تمام نامرضیات سے
محفوظ رکھیں آمین یارب العالمین

ضمیمہ وعظ ہذا

اب حسب وعدہ مذکورۂ وعظ بعض عبارات صراط مستقیم وتبعید کے آخر میں ملحق کیجاتی ہیں۔

فائدۃ فی الروایات المتعلقۃ بتعیید یوم من الایام وتقئیدہ ببعض الاحکام

فی تبعید لشیطان بتقریب اغاثۃ اللہفان لابن القیم ومن ذلک اتخاذ ہا ای القبور عیداً وھو ما یعتاد قصدہ من مکان وزمان فالزمان کقولہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم عرفۃ ویوم النحر وایام منی عیدنا اہل الاسلام رواہ ابوداؤد وغیرہ والمکان کما روی ابوداؤد فی سننہ ان رجلا قال یارسول اللہ انی نذرت ان انحر ببوانۃ قال انہا وثن من اوثان المشرکین او عید من اعیادھم قال لا قال فاوف بنذرک وکقولہ لا تجعلوا قبری عیدا وھو ماخوذ من المعاودۃ والاعتیاد فاذا کان اسما للمکان فھو المکان الذی یقصد لاجتماع فیہ وقصدہ للعبادۃ او لغیرھا کما ان المسجد الحرام ومنی ومزدلفۃ وعرفۃ والمشاعر جعلہا اللہ عیدا للحنفاء ومثابۃ کما جعل ایام التعبد فیہا عیدا فکان للمشرکین اعیاد زمانیۃ ومکانیۃ ابطلہا الاسلام وعوض الحنفاء من الزمانیۃ عید الفطر وعید النحر وایام منی ومن المکانیۃ الکعبۃ وعرفۃ ومنی والمشاعر

ص۲۱ فی القول الفاصل الفارق عن الصراط المستقیم لابن تیمیۃ ومن المنکرات فی ھذا الباب سائر الاعیاد والمواسم المبتدعۃ فانہا من المنکرات المکروھات سواء بلغت الکراھۃ التحریم او لم تبلغہ وذلک ان اعیاد اھل الکتاب والاعاجم نھی عنہما لسببین احدھما ان فیہما مشابہۃ للکفار والثانی انہما من البدع فما احدث من المواسم والاعیاد فھو منکر وان لم یکن فیہ مشابہۃ لاھل الکتاب لوجہین احدھما ان ذلک دخل فی مسمی البدع والمحدثات فیدخل فیما رواہ مسلم فی

صحیحہ الی ان قال وایاکم ومحدثات الامور فان کل بدعۃ ضلالۃ ثم قال هذہ قاعدۃ قد دلت علیها السنۃ والاجماع مع ما فی کتاب اللہ من الدلالۃ علیها ایضا قال اللہ تعالی ام لهم شرکاء شرعوا لهم من الدین مالم یاذن بہ اللہ وفیہ عن الصراط المستقیم ایضا فاما اتخاذ اجتماع راتب یتکرر بتکرر الاسابیع والشهور والاعوام غیر الاجتماعات المشروعۃ فان ذلک یضاهی الاجتماعات للصلوات الخمس والجمعۃ والعیدین والحج وذلک هو المبتدع المحدث ففرق بین ما یتخذ سنۃ وعادۃ فان ذلک یضاهی المشروع وهذا الفرق هو المنصوص عن الامام احمد رض وغیرہ من الائمۃ الخ وفیہ عن فتح الباری وقد مضی فی کتاب العلم ان ابن مسعود کان یذکر الصحابۃ کل خمیس الی قولہ وقد کان ذلک فی عهد النبی صلی اللہ علیہ وسلم لکن لم یجعلہ راتبا کخطبۃ الجمعۃ بل بحسب الحاجۃ الخ

خلاصہ مقصود وعظ یعنی حصہ دلائل وجواب دلائل متعلقہ عید المیلاد در قمزدہ حضرت مولٰنا صاحب مدظلہم العالی

یہاں دو مقام پر کلام ہے ایک دلائل تعیید کے غیر مشروع ہونے کے دوسرے جواب اہل تعیید کے دلائل کے سو امر اول کا بیان یہ ہے کہ اسمیں چند دلائل ہیں نمبر اول قرآن مجید میں ہے ام لهم شرکاء شرعوا لهم من الدین مالم یاذن بہ اللہ اس سے ثابت ہوا کہ کوئی امر بدون اذن شرعی دین کے طور پر مقرر کرنا ناجائز ہے اور بدعت یہی ہے یہ تو کبری ہوا اور صغری ظاہر ہے کہ یہ عمل کہیں وارد نہیں جزئیاً تو ظاہر ہے اور کلیاً بھی نہیں اور یہ محتاج بیان ہے کیونکہ اہل ابتداع اسکو کسی کلیہ میں داخل کرسکتے ہیں مگر وہ ادخال بدلیل قوی غیر صحیح ہے وہ دلیل یہ ہے کہ جو داعی ہے اس کے ایجاد کا خواہ اظہار سرور وفرح نعمت الٰہیہ پر یا اظہار شوکت اسلام مخالفین پر وہ داعی جدید نہیں قدیم ہے اور باوجود اسکے کسی نے خیر القرون میں ایسا عمل نہیں کیا اور وہ حضرات قران مجید وحدیث شریف کو تمام امت سے زیادہ سمجھنے والے تھے پس یہ دلیل ہے اسکی کہ یہ ادخال صحیح نہیں۔ نمبر ۲ حدیث صحیح ہے من احدث فی امرنا هذا مالیس منہ فهو رد۔ اسمیں بھی وہی تقریر ہے جو ابھی مذکور

ہوئی۔ نمبر ۳ مسلم کی روایت ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتختصوا لیلۃ الجمعۃ بقیام من بین اللیالی ولاتختصوا یوم الجمعۃ بصیام من بین الایام الا ان یکون فی صوم یصومہ احدکم۔ اس حدیث سے تخصیص غیر منقول بطور قربت کا منہی عنہ ہونا بطور قاعدہ کلیہ کے ثابت ہوا گو بعض علماء نے صوم جمعہ کو بانفرادہ بھی جائز رکھا مگر وہ بھی اس کلیہ کو مانتے ہیں انھوں نے اس تخصیص کو نقل سے ثابت کرکے اجازت دی ہے اور نہی کو اعتقاد وجوب وغیرہ پر محمول کیا ہے سو یہ دوسری بات ہے مقصود ہم کو صرف اس کلیہ کی صحت کا ثابت کرنا ہے سو وہ بالاجماع ثابت ہے۔ یہ تو کبریٰ ہوا اور صغریٰ ظاہر ہے کہ عمل مبحوث فیہ میں صریح تخصیص ہے اور تخصیص بھی بطور دین وعبادت کے کیونکہ اسکو عوام کیا بلکہ خواص بھی دین کی بات سمجھتے ہیں جسکی کھلی نشانی یہ ہے کہ اس تخصیص کے تارکین کو دینًا برا سمجھتے ہیں اور تخصیصات عادیہ میں ایسا نہیں سمجھتے دوسری علامت اسکے تخصیص عادی نہ سمجھنے کی یہ ہے کہ اسمیں کبھی تقدیم وتاخیر گوارا نہیں کرتے اور تخصیصات عادیہ میں عوارض سے تقدیم وتاخیر ہوجاتی ہے پس یقینًا یہ تخصیص منہی عنہ میں داخل ہے بلکہ اس سے بھی بڑھکر کیونکہ یوم جمعہ کے تو فضائل بھی وارد ہیں جب اسمیں ایسی تخصیص جائز نہیں تو جس تاریخ کے فضائل بھی منقول نہیں اسمیں ایسی تخصیص کب جائز ہوگی اور اسکے منقول ہونے پر جو ان موجدین کا استدلال ہے اسکا جواب وہاں آویگا جہاں دوسرے مقام پر کام ہوگا۔ یہ دلائل عامہ ہیں آگے دلیل خاص ہے درباب خصوص تعیید کے۔ نمبر ۴ نسائی نے حدیث روایت کی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتجعلوا قبری عیدا وصلوا علی فان صلاتکم تبلغنی حیث کنتم یہ حدیث صریح ہے اس امر میں کہ عید کے طرز پر کہ اسمیں اہتمام اجتماع کا ہوتا ہے جمع ہونے کو منع فرمایا ہے اور اس اجتماع کی اگر کوئی تاویل کرتا کہ ہمتو صلاۃ کے لئے جمع ہوتے ہیں جیسا عادت ہے اہل ابتداع کی کہ کلیات منقولہ میں زبردستی جزئیات مبتدعہ کو داخل کیا کرتے ہیں اس کو رد فرما دیا کہ صلوٰۃ ہر جگہہ سے ہوسکتی ہے یہ اجتماع پر موقوف نہیں اور اس رد سے بہت بڑی بات ثابت ہوگئی کہ جب صلاۃ کے لئے جو کہ مندوب وقربۃ ہے ایسا اجتماع کالعید جائز نہیں تو دوسرے اغراض کے لئے جو اس سے بھی ادنی ہیں ایسا اجتماع کہاں جائز ہوگا یہ حدیث خاص عید کی تخصیص پر دال ہے کہ کسی عید کا ابتداع ناجائز ہے اور اس

تقریر سے نفس زیارت قبر نبوی یا اس کے لئے سفر کرنیکی نہی نہیں لازم آئی کیونکہ وہاں صرف زیارت کے برکات حاصل کرنا مقصود ہے جو کہ دوسری روایات سے مندوب ہے وہاں تاریخ مقصود نہیں اور نہ محض صلاۃ کے لئے سفر کیا جاتا ہے جسپر صلوا علی فان صلاتکم تبلغنی حیث کنتم سے شبہ ہوسکے نمبر ۵ حدیث میں ہے کہ عید کے روز خاص طرق فرح و سرور پر حضرت عمرؓ نے انکار فرمایا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "ہذا عیدنا" اس سے صاف معلوم ہوا کہ رائے سے عید بنانا جائز نہیں ورنہ یہ تعلیل خاص نہ رہیگی۔ عید منقول کے ساتھ کیونکہ جس روز کو کوئی عید بنالے وہاں ہی یہ تعلیل جاری ہوجاویگی حالانکہ خاص ہونا تعلیل کا صاف ظاہر ہے اور عدم تخصیص سے الغاء کلام شارع لازم آویگا۔ یہ تو دلائل کتاب و سنت سے ہیں۔ نمبر ۶۔ امت کا اجتماع کسی امر کے ترک پر یہ اجماع ہے جس سے استدلال کرنا خلفاً عن سلف منقول ہے چنانچہ ماہر اصول و فقہ پر مخفی نہیں جیسا عیدین میں اذان نہ ہونے کو اسی غرض کے لئے نقل کیا گیا ہے اور جمعہ میں صلوٰۃ کی تقدیم کو خطبہ پر نظر انکار سے دیکھا گیا ہے حنفیہ نے صلوٰۃ جنازہ کے عدم تکرار یا صلوٰۃ علی القبر کی نفی پر اسی سے استدلال کیا ہے کہ سلف نے نہیں کیا یہی قصہ عید میلاد میں ہے کتاب و سنت کے بعد یہ اجماع ہوگیا۔ نمبر ۷۔ علماء نے اپنی کتب میں اسی سے بحث بھی کی ہے۔ کما فی تنبیہ الشیطان و فی الصراط المستقیم پس یہ شبہ بھی جاتا رہا کہ شاید تمہارے استدلال میں کوئی خدشہ ہو پس قیاس بھی اس پر دال ہوگیا۔ دوسرا مقام جواب ہے موجدین کے دلائل کا اور جو دلائل میں نقل کرتا ہوں میں نے اُنسے کہیں منقول نہیں دیکھے اور شاید اُنکے ذہن میں بھی نہ آئے ہوں مگر احتیاطاً تمام محتملات کا جہاں جہاں گنجائش محتمل بھی انسداد کئے دیتا ہوں نمبر ۱۔ یہ جو آیت میں نے پڑھی ہے اسمیں احتمال ہے کہ شاید استدلال کرسکیں جواب ظاہر ہے کہ فرح کو کون منع کرتا ہے اسکی خاص ہیئت کو منع کرتے ہیں اور اسکا جواز آیت میں منقول نہیں اگر ایسے کلیات سے استدلال ہوتا تو فقہاء کی تصریحاً منع کی ہوئی بدعات صلاۃ الرغائب وغیرہ سب جائز ہونگی کسی نہ کسی کلیہ میں تو وہ بھی داخل ہیں اور یہی ایک خرابی ہے اہل زیغ میں کہ تامل نہیں کرتے کہ قضیہ ناہیہ میں موضوع اور ہے اور قضیہ مجوزہ میں اور پھر تناقض کہاں کہ ایک کے اثبات سے دوسرے کی نفی ہوجاوے اسکی نظیر الزنجی اسود و الزنجی لبس باسود ہے بلکہ اگر غور سے کام لیا جاوے تو اس آیت پر ہم زیادہ عامل ہیں اس لئے کہ موجدین کا فرح تو متجدد ہے جسکے معنی یہ ہیں کہ درمیان میں

فرح نرہا تھا پھر تازہ کیا ہے اور ہمارا فرح دائم ہے پس آیت اُن کے خلاف ہو گی جو فرح کو منقطع سمجھتے ہوں یعنی اس نعمت کا شکر ترک کر دیا ہو جسکو حق تعالیٰ نے لقد من اللہ الخ میں بھی ذکر فرمایا ہے اور اس آیت میں بھی فضل و رحمت کی سب سے بڑھکر فرد وجود باجود ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پس جو فرح کو منقطع کر چکے ہوں وہ آیت کے مخالف ہوں گے جیسے کہ جو فرح کو متجدد کرتے ہیں وہ دوسری آیت ناھیبۃ من الابتداع کے خلاف کرتے ہیں حاصل تقریر کا یہ ہے کہ اس فرح کی تحدید تو تفریط ہے اور اس کی تجدید بالجیم افراط ہے اور اسکی ادامت مطلوب ہے سو بحمد اللہ تعالیٰ ہم اس نعمت و برکت سے مشرف کئے گئے ہیں نہ محدد ہیں نہ مجدد۔ نمبر ۲۔ ایک استدلال مشہور ہے کہ ابولہب نے ثویبہ کو آزاد کر دیا تھا اور اسکو تخفیف ہو گئی جواب اسکا بھی وہی ہے جو گذرا کہ نفس فرح کو کون منع کرتا ہے مگر اس سے قیود و خصوصیات یا تعئید کیسے ثابت ہوئی۔ نمبر ۳۔ شاید کوئی اس آیت سے استدلال کرے قال عیسیٰ بن مریم اللھم ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء تکون لنا عیداً لاولنا و اخرنا الآیہ کہ دیکھو اسمیں مصرح ہے کہ یوم عطائے نعمت کو عید بنانا تجویز کیا اور اصول میں مقرر ہے کہ اذا قص اللہ الخ اور اس پر یہاں انکار کیا نہیں گیا پس حجۃ ہمارے لئے بھی ہو جاویگی جواب اسکے لئے دو ہیں اول یہ کہ یہ ضرور نہیں کہ اسی جگہ انکار ہو شریعت میں کہیں بھی ہو کافی ہے چنانچہ سجدہ ملائکہ لآدم علیہ السلام و سجدۂ والدین و اخوۂ یوسف علیہ السلام جس جگہ منقول ہے وہاں انکار نہیں اور پھر فقہاء نے سجدۂ تحیۃ للمخلوق کی حرمت مانی ہے اور اس تعئید کے انکار کے دلائل شرعیہ اول منقول ہو چکے ہیں پس استدلال تام نرہا دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں یوم نزول مائدہ کا عید بنانا مذکور ہی نہیں صرف مائدہ کی طرف ضمیر راجع ہے اور عید بمعنی سرور ہے یعنی وہ مائدہ ہمارے اول و آخر کے لئے مایہ سرور بنجاوے کہ اس نعمت پر دائماً فرحاں و شاداں و شاکر رہیں کما ذکر فی فضل اللہ و رحمتہ۔ نمبر ۴ بخاری میں قصہ ہے کہ ایک یہودی نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ اگر آیۃ اکملت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس یوم عید کو عید بنالیتے جسکے جواب میں حضرت عمرؓ نے نزلت یوم جمعہ و عرفۃ و کلاھما بحمد اللہ لنا عید اور طبری اور طبرانی میں یہ ہے وھما لنا عیدان اور ترمذی میں ہے کہ حضرت ابن عباس نے یہ جواب دیا نزلت فی یوم عید من یوم جمعہ و یوم عرفۃ

دیکھو ان دونوں حضرات نے تعیید پر انکار نہیں کیا بلکہ اسکو ثابت کیا کہ اس روز ہماری بھی عید تھی اسکے بھی دو جواب ہیں ایک یہ کہ انکار اسی جگہ ضرور نہیں جیسا کہ مذکور ہوا دلائل شرعیہ انکار کے کافی ہیں چنانچہ ہمارے فقہا سے تعریف پر انکار کہ وہ بھی ایک عید ہے اور حضرت عمرؓ سے شجرہ حدیبیہ پر اجتماع کا انکار کہ وہ بھی مشابہ عید کے تھا منقول ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسی تعیید کو جائز نہ سمجھتے تھے نیز حضرت ابن عباس کا قول صحیحین و سنن ترمذی ونسائی میں مروی ہے لیس التحصیب بشئ انما هو منزل نزله رسول الله صلی الله علیه وسلم کذا فی التعلیق الممجد حالانکہ تحصیب منقول بھی ہے لیکن صرف اتنی بات پر کہ کوئی شخص عادت کو عبادت سمجھ جاوے اسکو لیس بشئ کہتے ہیں تو جو سرے سے منقول بھی نہ ہو نہ کلیاً نہ جزئیاً اسکو عبادت سمجھنا اُن کے نزدیک کس قدر قابل انکار ہوگا اور یہاں ہی سے معلوم ہوا کہ انسے جو تعریف مذکور نقل کیگئی ہے وہ روایت یا اس علت سے جس پر انکا فتوی تحصیب کے باب میں دال ہے معلول ہے یا ماؤل ہے قصد دعا بلا التزام و بلا تشبہ باہل عرفات کیساتھ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہودی کو اس مسئلہ فرعیہ کے بتلانیکی حاجت نہ تھی کہ یہ تعیید کیسی ہے بلکہ اُس کو ایک خاص طرز پر جواب دیا کہ تو جو کہتا ہے کہ ایسی نعمت عظمیٰ میں عید نہیں ہوئی یہ غلط ہے ہم تو پیچھے عید کرتے ہمارے یہاں پہلے سے عید ہے بلکہ اگر غور کیا جاوے تو اس سے بھی نکیر علی التعیید ثابت ہوتا ہے یعنی ہماری شریعت میں چونکہ ایسے اسباب سے عید کرنا درست نہ تھا اور اللہ تعالیٰ کو اسکے نزول کے یوم کو عید کرنا مقصود تھا اسلئے ایسے ہی دن نازل فرمایا کہ عید بھی ہو جائے اور بدعت سے بھی بچے رہیں نمبر ۵۔ ایک احتمال اس حدیث سے استدلال کرنیکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوشنبہ کے روز روزہ رکھتے تھے اور سوال کیا گیا تو آپنے فرمایا ذلك اليوم الذي ولدت فيه اس سے معلوم ہوا کہ یوم ولادت میں کچھ قربات ادا کرنا مشروع ہے اور فرح و سرور یا اجتماع للذکر و تقسیم طعام یا شیرینی یہ سب قربات ہیں پس یہ بھی مشروع ہونگے۔ جواب اسکے دو ہیں ایک یہ کہ حدیث میں ایک دوسری وجہ بھی منقول ہے وہ یہ کہ اس یوم میں اور خمیس میں بھی اعمال پیش ہوتے ہیں میں چاہتا ہوں کہ حالت صوم میں میرے اعمال پیش کئے جاویں پس اس صورت میں احتمال ہو گیا کہ ذلك اليوم الذي ولدت فيه علت نہو بلکہ علت تو غرض اعمال ہو اور وہ حکمت ہو اور حکمت کے ساتھ حکم دائر نہیں ہوتا دوسرے دو حال سے خالی نہیں آیا یہ علت عام اور یہ حکم موافق قیاس کے ہے یا علت خاص اور حکم خلاف قیاس ہے اگر شق اول ہے تو کیا وجہ کہ یوم الاثنین میں کہ یوم ولادت ہے نوافل اور تلاوت قران و طعام طعام حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ سے منقول نہیں باوجود توفر رغبت الی الخیر کے نیز ربیع الاول کی ۹ یا ۱۲ کہ تاریخ ولادت ہے خود روزہ کیوں منقول نہیں نیز ولادت جیسی نعمت ہے

بہت سی اور نعمتیں بھی آپ کو عطا ہوئیں ہنبوت۔ ہجرت۔ فتح مکہ وغیرہا انکے ساتھ کسی عبادت کو معلل کیوں نہیں فرمایا پس معلوم ہوا کہ نہ علت عام ہے نہ حکم موافق قیاس کے ہے علت بھی خاص ہے اور حکم بھی خلاف قیاس ہے اور اصل مدار اسکا وحی اور نقل ہے پس اس حالت میں قیاس کہاں جائز ہوگا خاص کر غیر مجتہد کو جبکہ ایسے مقام پر مجتہد کو بھی جائز نہیں اگر کسی کو شبہہ ہو کہ ہے تو موافق قیاس کے لیکن اور نعمتیں فرع ہیں اور ولادت اصل ہے اس لئے اس روز قربات مشروع ہوئیں تو جواب اسکا یہ ہے کہ حمل ولادت کی بھی اصل ہے اس تاریخ میں کوئی قربت کیوں نہیں مشروع ہوئی پھر یہ کہ دوسری قربات آپ سے خود یوم ولادت یا تاریخ ولادت میں کیوں منقول نہیں علاوہ اسکے اگر اس سے استدلال کیا جاوے تو حیرت ہے کہ یوم ولادت کہ یوم الاثنین ہے جو کہ حدیث میں مذکور بھی ہے اسمیں تو عید نکریں اور تاریخ ولادت جسمیں کوئی چیز بھی حضور سے منقول نہیں اس میں عید کریں پس چاہیئے کہ ہر دوشنبہ کو وہی اہتمام کیا کریں جو ۱۲ ربیع الاول کو کیا جاتا ہے یہ گفتگو تھی دلائل سمعیہ میں جانبین سے اب ہم اہل سنت کی طرف سے ایک عقلی دلیل بھی بیان کرتے ہیں وہ یہ کہ شریعت میں ہر فعل کا ایک سبب خاص ہوتا ہے واس سببیت اور مسببیت کی تین صورتیں شریعت میں پائی جاتی ہیں ایک یہ کہ سبب بھی بار بار پایا جاتا ہے جیسے اوقات صلوٰۃ صلوٰۃ کے لئے اور رمضان صوم کے لئے فطر صیام عید کے لئے یوم اضحیٰ اضحیہ کے لئے دوسرے یہ کہ سبب بھی ایک ہی ہے مسبب بھی ایک جیسے بیت اللہ حج کے لئے اور یہ دونوں امر مدرک بالعقل ہیں اور تیسری صورت یہ کہ سبب ایک بار پایا گیا اور مسبب بار بار پایا جاوے جیسے مشرکین کو قوت دکھلانے کے لئے رمل کیا گیا تھا پھر ارادۂ قوت تو نہ رہی مگر رمل رہ گیا اور یہ امر مدرک بالعقل نہیں اس لئے اسمیں بجز وحی کے کوئی سبیل نہیں جب یہ قاعدہ ممہد ہو گیا اب ہم یہ پوچھتے ہیں کہ عید میلاد کا سبب کیا ہے ظاہر ہے کہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی تاریخ ہونا اب دیکھئے کہ وہ تاریخ واحد ہے جو منقضی ہوگئی یا متجدد ہے ظاہر ہے کہ وہ منقضی ہو چکی دوسری تاریخ اسکا عین نہیں صرف مثل ہے اور مثل کا مدار حکم ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں پس اس حالت میں عید کا متجدد ہونا امر غیر مدرک بالعقل ہوگا اس لئے محتاج وحی ہوگا قیاس اسمیں حجۃ نہ ہوگا اور وحی ہے نہیں اس لئے اس کو زیادت علی الشرع کہیں نگے اور اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ذلک الیوم الذی ولدت فیہ پر شبہہ نہ کیا جاوے کہ وہ یوم تو منقضی ہو گیا تھا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں ہم کہہ چکے ہیں کہ وحی کی ضرورت ہے اور آپ کے پاس اس حکم پر

وحی تھی اور جس طرح یہ ہمارے پاس دلیل عقلی ہے اسی طرح اُن کے پاس بھی ایک دلیل عقلی ہے وہ یہ کہ اس میں مقابلہ ہے اہل کتاب کا کہ وہ ولادت مسیح علیہ السلام کے دن اظہار شوکت کرتے ہیں۔ پس ہم ولادت نبویہ کے روز کرتے ہیں۔ اس کا جواب ایک تو یہ ہے کہ ہمارے لئے اظہار شوکت کا دن شارع علیہ السلام مقرر فرما چکے ہیں۔ عید بقر عید بلکہ ہر جمعہ پھر اس اختراع کی کون حاجت رہی دوسری اگر یہی بات ہے کہ اُن کے ہر عمل کے مقابلہ میں ایک ایسا ہی عمل ہو تو چاہیئے کہ اہل سنت محرم کی دسویں بھی کیا کریں تاکہ اہل تشیع کے مقابلہ میں اظہار شوکت اہل حق ہو اور نیز عوام اُن کی دسویں میں جانے سے بچیں اور اگر اس کا کوئی التزام کرے تو اس کے جواب کے لئے ایک حکایت نقل کرتا ہوں کہ جونپور میں ایک صاحب ہر مہینہ کی دسویں کو مجلس کیا کرتے تھے اور ایسی ہی مصلحت بیان کرتے تھے ایک محقق عالم نے ان سے کہا کہ اگر ایسی ہی مصلحت ہے تو ہنود کے ہولی دوالی ہوتی ہے تو چاہیئے مسلمان بھی ایک ہولی دوالی کیا کریں اسی راز کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مقابلہ پر انکار صریح فرمایا ہے جبکہ صحابہ نے عرض کیا کہ اجعل لنا ذات انواط کما لھم ذات انواط تو آپ نے فرمایا یہ تو ایسی ہی بات ہوگئی جیسے بنی اسرائیل نے کہا تھا اجعل لنا الٰھا کما لھم اٰلھۃ۔ اور جاننا چاہیئے کہ بعض مقامات پر ایک مجلس رجبی کے نام سے بتخصیص تاریخ ۲۷ رجب نہایت اہتمام سے منعقد ہوتی ہے دلائل مذکورہ منع کے اور جوابات وشبہات جواب اُس میں بھی اکثر جاری ہیں پس اُس کا حکم بھی یہی ہے کہ وہ بھی داخل بدعت ہے۔

کتبتہٗ لیلۃ الاثنین ثامن ربیع الاول تاریخ المولد الشریف عند کثیر من العلماءٔ سنۃ ۱۳۳۳ ھجریہ

ثم بعد ھذا التحریر ذکر ھذا المضمون تقریرا یوم الجمعۃ ثانی عشر من الشھر المذکور تاریخ المولد الشریف علی القول المشھور من السنۃ المذکورۃ۔

الحبور
لنور الصدور

این	متی	کیف	کم	لماذا	شان من ای	من ضبط	ان المستمعون	الاشتات
کہاں	کب	کیسے	کتنا	کس لئے	کیا مضمون تھا	کس نے لکھا	مقدار سامعین	متفرقات
جامع مسجد تھانہ بھون	۳۰ ربیع الاول سنہ ۱۳۳۲ھ جمعہ	بیٹھکر	۲ گھنٹہ ۳۰ منٹ	×	متعلق ماہ ربیع الاول و ربیع الثانی	ظفر احمد عفی عنہ	۱۰۰ تقریباً	اہل بدعت کیلئے بالخصوص مفید تھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و نشھد ان سیدنا و مولانا محمدا عبدہ و رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ الہ و اصحابہ و بارک وسلم **امابعد** فاعوذ باللہ من الشیطان

الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ویوم تقوم الساعۃ یومئذ یتفرقون فاما الذین آمنوا وعملوا الصٰلحٰت فھم فی روضۃ یحبرون واما الذین کفروا وکذبوا بایاتنا ولقاء الاخرۃ فاولئک فی العذاب محضرون ط یہ آیتیں جو میں نے پڑھی ہیں انکے الفاظ کا مدلول تو صرف اعمال صالحہ وعقائد صالحہ کا ثمرہ ثواب جنت ہونا اور اعمال غیر صالحہ وعقائد باطلہ کا ثمرہ عذاب جہنم ہونا ہے اور عجب نہیں کہ سننے والے اس ظاہری مدلول سے یہی سمجھے بھی ہوں گے کہ اس وقت مقصود اعمال صالحہ کی ترغیب اور اعمال غیر صالحہ سے ترہیب کا بیان کرنا ہے ایک حد تک یہ بات صحیح ہے مگر مجھے اس وقت اسپر اکتفا کرنا مقصود نہیں بلکہ اُس کے ساتھ اور دوسری باتیں اور بعضے خاص مسائل بھی بیان کرنا مدنظر ہیں جن کی وجہ خصوصیت ایام ہے۔

یہ بات اکثر احباب کو معلوم ہے کہ ان ہی ایام ربیع الاول میں کبھی تو ربیع الاول سے پہلے اور کبھی خاص اسی مہینے میں چند سالوں سے میرا یہ معمول ہو گیا ہے کہ اُن اعمال و عقائد کی بابت کچھ بیان کیا کرتا ہوں جو ان ایام میں اکثر لوگ آجکل کرتے ہیں چنانچہ اس مقصد میں چند وعظ النور الظہور وغیرہ شائع بھی ہو چکے ہیں پارسال بھی ایک مضمون السرور کے نام سے بیان ہوا تھا اُسوقت آئندہ سال کے لئے یہ نیت تھی کہ اسی مضمون کو بعنوان دیگر بیان کر دیا جاویگا مگر بزرگوں کا مقولہ ہے۔ "عرفت ربی بفسخ العزائم" یہ نیت بعد میں بدل گئی۔ چونکہ مضامین جدیدہ ذہن میں کچھ نہیں اور اعادہ کو جی نہ چاہا اس لئے ارادہ امسال فسخ ہو چکا تھا چنانچہ مہینہ ختم ہونے کو بھی آگیا اور ابتک اسی لئے کہ مضمون جدید ذہن میں نہ تھا کوئی بیان ان امور مروجہ کے متعلق نہیں ہوا مگر حق تعالیٰ کی قدرت ہے کہ اُس ارادہ کا پھر حشر ہوا چونکہ وہ ارادہ پہلے موجود ہوا تھا پھر فنا ہو گیا پھر اب موجود ہوا اس لئے یہ گویا اس کا حشر ہوا حشر کے معنی ہیں مردہ کا زندہ ہو جانا۔ یہ مضمون اگرچہ پہلے ہفتہ میں ذہن میں آچکا تھا مگر اس وقت ایک دوسرے مضمون کو مقدم کرنا مناسب معلوم ہوا وہ یہ کہ اسوقت قحط سالی کی عام طور پر شکایت ہو رہی ہے تو اس میں بتلایا گیا تھا کہ اسکا اصلی سبب کیا ہے پھر خیال ہوا کہ جس طرح

اس ارض ظاہری کی حیات کا سبب بیان کیا گیا ہے تو ارض باطنی جو کہ قلب ہے اسکی حیات کا طریقہ اور راز بھی کیوں نہ بیان کیا جائے۔ ان دونوں مضمونوں کو پہلے ہفتہ میں الگ الگ بیان کرکے مجموعہ کا نام **اساس الربیعین** رکھ دیا گیا۔ چونکہ وہ دونوں مضمون مستقل تھے اس لئے ہر ایک ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ لقب **حیات الجدوب** و **حیات القلوب** بھی مقرر کر دیا لفظ جدوب کے معنی میں نے لغت میں تلاش کئے تو جدب کی جمع معلوم ہوئی جس کے معنی قحط کے ہیں جیسے قلوب قلب کی جمع ہے اب چونکہ وہ مضمون جسکا مقدم کرنا مناسب تھا بیان ہو چکا تو اس ہفتہ میں اس معمول کو پورا کرنے کا خیال پیدا ہوا کیونکہ مانع بھی مرتفع ہو گیا اس لئے اس سال بھی اس معمول کو پورا کیا گیا اور اس کا نام پارسال ہی ذہن میں الحبور آچکا تھا اس میں یہ بیان کیا جاویگا کہ ایمان اور اعمال صالحہ آپ کی بعثت کی اصل غایت ہے جسکا ثمرہ جنت کی راحت ہے لہذا حضور کی بعثت قابل فرح در اصل اس لئے ہے کہ آپ کی بدولت اعمال صالحہ اور ایمان کی نعمت ہمکو نصیب ہوئی یہ مضمون تو گذشتہ مضامین کی مانند ہے جو آیت کے دو جملوں سے سمجھ میں آگیا ہوگا اگرچہ اس کی تفصیل بہت کچھ کیجا سکتی ہے مگر اسوقت کا بیان زیادہ اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ اس کے ساتھ ایک دوسرا مضمون بھی ذہن میں آگیا جو زیادہ تر اس وعظ میں مذکور ہوگا اور پہلا مضمون بقدر ضرورت و اختصار ذکر ہوگا زیادہ حصہ دوسرے ہی مضمون کا ہوگا۔ اور وہ مضمون ہر سال ذہن میں آتا تھا مگر بیان سے رہجاتا تھا کیونکہ ہمیشہ بعد وقت گذر جانے کے اسکا خیال آتا تھا اب بھی وہ مضمون وقت کے بعد ہی ذہن میں آیا کیونکہ مہینہ بالکل قریب ختم آگیا ہے اور اس ضرورت کا موقع اوائل ماہ ہے مگر اس سال پھر بھی اسکو بیان کرنا ضروری معلوم ہوا تاکہ رہ نجاوے اور آئندہ ایسے ہی موقع پر کام آوے اور وہ مضمون تبرکات کا ہے جسکو حضور کی ذات سے اس لئے تعلق ظاہر ہے کہ آپ تمام تبرکات کے سردار اور سب کی اصل ہیں اور اسی لئے اس وقت صرف اُن ہی تبرکات کا بیان نہ ہوگا جن کو حضور کی ذات سے تعلق ہے بلکہ عموماً تمام تبرکات کے متعلق بیان کیا جاویگا خواہ وہ تبرکات انبیاء کے ہوں

عنوان بعثت کی اصل غایت ایمان اور اعمال ہے

مضمون گیارھویں

یا تبرکات اولیاء کے خصوصیت وقت و مقام یہ ہے کہ جہاں ہے قصبے کے قریب ایک تبرک موجود ہے اور وہ جُبہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسکی سند مثل احادیث کے تو متصل نہیں مگر ہمارے بزرگوں نے اسکا انکار نہیں کیا اور جی کو بھی یہ بات لگتی ہے کہ وہ صحیح ہے اور اسکی زیارت اسی ماہ ربیع الاول میں ہوتی ہے اس لئے اس ماہ سے بھی اس مضمون کو تعلق ہے مگر چونکہ ہم لوگ عرس وغیرہ کرتے نہیں اس لئے مثل اہل عُرس کے کبھی وقت پر یہ مضمون خیال میں نہ آیا کیونکہ آجکل ایک جماعت درویشوں کی ہے جو صرف عُرسوں ہی میں شریک ہونے کے لئے پیدا ہوئے ہیں جسوقت دیکھئے اُن کا بستر کسی نہ کسی عُرس کے لئے بندھا رہتا ہے اور یہ اُن کے نزدیک بڑا سرمایۂ آخرت ہے یہ اللہ کے بندے گھبراتے بھی تو نہیں نہ معلوم روز کے روز ان سے سفر کس طرح ہوتا ہے ہمیں تو ذرا سی دور کے سفر سے بھی پریشانی ہوتی ہے اب یا تو اس کی یہ وجہ ہے کہ وہ لوگ بڑے باہمت ہیں اور ہم لوگ کم ہمت ہیں یا یہ کہ وہ لوگ نکمے ہیں اور ہم لوگ کام کے ہیں پھر وہ اپنے آپ کو باہمت سمجھتے رہیں اور ہم لوگ اپنے کو باکار سمجھتے رہیں غرض ایسے لوگوں کو عرسوں کی تاریخیں خوب یاد رہتی ہیں مگر ہم لوگوں کو اسواسطے یاد نہیں رہتیں کہ اسکا ہمارے یہاں کسی قسم کا چرچا نہیں ہوتا نیز زیادہ چرچا ان باتوں کا بچوں سے بھی ہوا کرتا ہے ہمارے یہاں ان باتوں کے لئے مدرسہ میں بچوں کو تعطیل ہی نہیں ہوتی اور نہ طلبہ کو اس میں شریک ہونے کی اجازت ہے۔ بلکہ سخت ممانعت ہے ان وجوہ سے اس مرتبہ بھی یہ مضمون وقت پر ذہن میں نہیں آیا بلکہ اس وقت اُس کا خیال آیا مگر احکام شرعیہ کے لئے وقت ہی کیا جب یاد آجاوے وہی وقت ہے اور چونکہ یہ مضمون آخر وقت میں ذہن میں آیا اس لئے ایک دوسرا مضمون بھی اس کے ساتھ بیان کرنا مناسب ہو گیا یہ دن چونکہ ربیع الاول و ربیع الثانی کے وسط میں ہے کہ یا تو آج ربیع الاول کی تیس تاریخ ہے یا ربیع الثانی کی پہلی ہے اس لئے ربیع الثانی کے متعلق گیارھویں کا مضمون بھی ذہن میں آگیا۔

تو اب اس وعظ کے بھی دو جزو ہو جائیں گے ایک جزو جناب رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے قدوم مبارک کے متعلق جو کہ اصل ہے۔ دوسرا گیارھویں اور تبرکات کے
متعلق یہ سب مضامین الگ الگ بیان کروں گا ہر چند کہ ان تینوں جزؤوں کے متعلق
جو مضمون ہے اُس کے لئے ایک حدیث ذہن میں ہے جسکا تعلق اس مضمون سے بے تکلف
واضح طور پر ہے اور سارا بیان قریب قریب اُسی حدیث پر متفرع ہوگا مگر چونکہ آیت
شریفہ اول ذہن میں آچکی تھی اس لئے اُس کے چھوڑنے کو جی نہ چاہا نیز وہ حدیث
اس آیت کی شرح ہے اس لئے آیت کو حدیث کی اصل قرار دیا گیا اور حدیث کو تمام وعظ
کی اصل۔ پس حدیث آیت پر متفرع ہے اور وعظ حدیث کی فرع ہے اس طرح اس
بیان کو حدیث اور آیت دونوں سے تعلق ہوگا اول آپ آیت کا مطلب سنئے حق تعالٰے
شانہ اس مقام پر قیامت کا ذکر فرما رہے ہیں "یوم تقوم الساعۃ یومئذ یبلس المجرمون
ولم یکن لھم من شرکائھم شفعاء وکانوا بشرکائھم کفرین ویوم تقوم الساعۃ یومئذ یتفرقون"
جسدن قیامت قائم ہوگی اُسدن مجرم ناامید ہوں گے پھر ایک آیتہ کے بعد یوم تقوم
الساعۃ کا اعادہ فرماتے ہیں" ویوم تقوم الساعۃ یومئذ یتفرقون" جسدن قیامت قائم
ہوگی اسدن لوگ جُدا جدا ہو جائیں گے۔ اس لفظ کے اعادہ میں نکتہ زیادت تہویل
ہے۔ چنانچہ اُردو محاورہ میں بھی ایسے موقع پر اسی طرح کلام کیا جاتا ہے کہ فلاں روز
یوں واقعہ ہوا۔ اس روز اس طرح حادثہ پیش آیا۔ اس روز کے لفظ کو بار بار اعادہ
کرتے ہیں نیز اس طرز سے حق تعالٰی شانہ کی رحمت صاف صاف ٹپکتی ہے کہ جس زور کے
ساتھ قیامت کے متعلق کفار کا حال ابلاس بیان فرمایا عین اسی بیان ابلاس میں
جو کہ ظاہراً اس کے مقابل کی طرف توجہ کے ضعف کا سبب متوہم ہوتا تھا اسی زور
کے ساتھ مومنوں کی حالت بھی بیان فرمائی اور اگر ایسا نہ ہوتا تو بہت سے لوگ رحمت
خداوندی سے مایوس ہو جاتے کیونکہ جن کو حق تعالٰی نے اپنے کلام کا فہم اور اثر عطا
فرمایا ہے جب وہ نہایت بلاغت و فصاحت اور شد و مد کے ساتھ یہ مضامین وعید و
تہدید کے کفار کی بابت سنتے تو اُن پر غلبۂ خوف کی وجہ سے وہی حالت طاری ہو جاتی
جو حقتعالٰی شانہ نے قرآن کے اثر میں بیان فرمائی ہے" لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل لرایتہ

خاشعًا متصدعًا من خشیۃ اللہ کہ اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم اس کو اللہ کے خوف سے پست اور پھٹنے والا دیکھتے اگر قرآن میں وعید کے ساتھ ساتھ بشارت نہ ہوتی تو سب سے قلوب مارے خوف کے شکستہ ہو جاتے سو اس طرز سے حق تعالیٰ شانہ نے یہ ظاہر فرما دیا کہ ہم کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو کہ غصہ کے وقت رحمت نہ ہو سکے جیسا کہ انسان اپنے آپ کو دیکھتا ہے کہ غصہ کے وقت اگر کوئی دوست سامنے آجائے تو اس سے بھی اسی سختی کے لہجہ میں گفتگو کی جاتی ہے انسان سے یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ عین شدت غضب میں اگر کوئی دوست سامنے سے آجائے تو لہجہ بالکل بدل جائے اور دل میں سکون ہو جانے چہرہ کی حالت بالکل بدل جائے جسکی وجہ یہ ہے کہ ہمارے اوپر جب کوئی حالت طاری ہوتی ہے تو ہم اس سے مغلوب ہو جاتے ہیں اگر اس وقت دوسری حالت کے اسباب پیدا بھی ہو جائیں تو دفعتًا حالت کا بدلنا قریب قریب محال ہے تو شاید کوئی شخص آیات وعید کو شد و مد کے ساتھ قرآن میں دیکھکر خدا تعالیٰ کو اپنے اوپر قیاس کرنے لگتا کہ ایسے غصہ کے وقت اگر کسی مطیع بندے کا خیال آگیا تو کہیں اس پر بھی سختی نہ ہونے لگے کیونکہ لوگوں نے ہمیشہ حق تعالیٰ شانہ کو اپنے آپ پر قیاس کیا ہے چنانچہ حدیث شریف میں تین شخصوں کا واقعہ آتا ہے کہ وہ تینوں اس بات میں مشورہ کرنے بیٹھے کہ حق تعالیٰ ہماری باتوں کو سنتے ہیں یا نہیں۔ ایک صاحب بولے کہ جب ہم زور سے بولتے ہیں تو سنتے ہیں آہستہ بولتے ہیں تو نہیں سنتے۔ دوسرے صاحب بولے کہ نہ زور سے بولنے میں سنتے ہیں نہ آہستہ بولنے میں یہ سمجھے کہ جسقدر بعد ہے اس نسبت سے آواز بلند نہیں ہے۔ تیسرے صاحب بولے جو انمیں ذرا عقلمند اور بوجھ بجھکڑ تھے کہ اگر سنتے ہیں تو ہر طرح کی بات سنتے ہیں آہستہ کی بھی اور زور کی بھی اور جو نہیں سنتے تو کوئی سی بھی نہیں سنتے اس لئے کہ حق تعالیٰ سے ہم اسقدر دور ہیں کہ اتنی دوری میں زور کی آواز بھی آہستہ ہی کے حکم میں ہے چنانچہ ہم یہاں بیٹھے ہوئے کسقدر آواز سے باتیں کرتے ہیں مگر جو لوگ دور ہیں جیسے کلکتہ والے وہ ہماری اس آواز کو نہیں سن سکتے اس پر آیت نازل ہوئی۔ وما کنتم تستترون ان یشہد علیکم سمعکم

حق تعالیٰ کو اپنے اوپر قیاس کرنے کی غلطی

ولا ابصارکم ولا جلودکم ولکن ظننتم ان اللہ لا یعلم کثیرا مما تعملون وذلکم ظنکم الذی ظننتم بربکم اردٰکم فاصبحتم من الخاسرین ٭ اس ان اللہ لا یعلم کثیرا مما تعملون پر ایک قصہ یاد آیا منگلور میں ایک حافظ صاحب نے یہ آیت نماز میں پڑھی ولکن ظننتم ان اللہ لا یعلم کثیرا مما تعملون ان کے پیچھے ایک نیم ملّا بھی تھے انھوں نے حافظ کو لقمہ دیا ان اللہ یعلم کثیرا مما تعملون حافظ نے پھر آیۃ کا اعادہ کیا چونکہ اس کو اچھی طرح لا یعلم کثیراً مما تعملون یاد تھا اُس نے پھر یہی پڑھا اور اُن مولوی صاحب کے لقمہ کی پروانہ کی بعد نماز کے مولوی صاحب نے حافظ صاحب سے سخت لہجہ میں کہا کہ ہم نے تم کو لقمہ دیا تم نے لیا کیوں نہیں سب کی نماز خراب کی حافظ کو چونکہ خوب یاد تھا اُس نے صاف کہہ دیا کہ قرآن شریف میں لا یعلم ہی ہے دیکھ لیا جائے قرآن شریف کو دیکھا تو واقعی اس میں بھی لا یعلم نکلا اب تو مولوی صاحب کو بڑی حیرت ہوئی کہ یہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے ان اللہ لا یعلم کیونکہ اللہ تعالے کا عدم علم تو محال ہے معلوم ہوتا ہے کہ کاتب سے غلطی ہو گئی ایک عالم بھی وہاں تھے انھوں نے سمجھایا کہ ان اللہ لا یعلم کثیراً مما تعملون ہی صحیح ہے اور یہ تو ظن کفار کا معمول ہے کہ تم یوں گمان کرتے ہو کہ خدا کو ہمارے بہت سے اعمال کی خبر بھی نہیں تو ان اللہ لا یعلم ظننتم کے تحت میں داخل ہے جب اُن نیم ملا صاحب کی حیرت ختم ہوئی اور سمجھے کہ میں نے کتنی بڑی غلطی کی کہ ظننتم پر خیال نہ کیا دوسرے اس بھلے مانس کو یہ بھی خیال نہ ہوا کہ ان اللہ یعلم کثیرا مما تعملون میں کثیراً کی قید کے کیا معنی ہوں گے اسکا تو یہ مطلب ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمھارے بہت اعمال کو جانتے ہیں یعنی سب کو نہیں جانتے مگر خیر چونکہ بیچارے کسی قدر ذی علم تھے اسی لئے تنبیہ سے سمجھ گئے شاید کوئی یہ کہے کہ نیم ملّا ہونا تو بُرا ہے پھر اسے اچھا کیوں کہا گیا کہ ذی علم تھے بات یہ ہے کہ نیم ملا ہونا اُس وقت بُرا ہے جبکہ وہ اپنے کو مستقل سمجھے اور جو نیم ملا محقق کا تابع ہو کر رہے تو ایسا نیم مُلّا تو اچھا ہے۔ یہ تو ان اللہ لا یعلم کثیراً مما تعملون کے متعلق ایک لطیفہ تھا میں یہ بیان کر رہا تھا کہ لوگ خدا تعالیٰ کو اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں چنانچہ ایک واقعہ تو حدیث کا بیان کیا

گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ مرض لوگوں میں قدیم سے ہے۔ آجکل بھی ایسے واقعات سننے میں آتے ہیں خود ہمارے اسی قصبہ میں ہمارے محلہ کی ایک بوڑھی[1] عورت میرے پاس آئیں اب تو اس بیچاری کا انتقال ہو چکا مگر اُن کی اولاد موجود ہے آکر کہنے لگی کہ مولوی جی میں یوں پوچھوں کہ اللہ میاں زندہ ہیں اُن کی اس بات پر گھر میں جو مستورات تھیں سب ہنسنے لگیں میں نے منع کیا کہ ہنسو مت اس کو اس کی فہم کے مطابق جواب دو تاکہ یہ سمجھ جائے غنیمت ہوا کہ اُس نے یہ اعتقاد قائم نہیں کیا تھا کہ معاذ اللہ حق تعالیٰ زندہ نہیں بلکہ کم فہمی کی وجہ سے ہی تردد میں رہی میں نے اُسکی سمجھ کے موافق اس سے کلام کیا اور یہ پوچھا کہ بڑی بی آخر تم دیکھتی ہو کہ لوگ پیدا ہوتے ہیں مرتے ہیں دنیا میں اولاد ہوتی ہے تو یہ کام کون کرتا ہے کہنے لگی کہ اللہ میاں میں نے کہا کہ اچھا بارش کون برساتا ہے کہنے لگی کہ اللہ میاں میں نے کہا جب یہ سارے کام حق تعالیٰ کرتے ہیں اور یہ سب کام بدستور جاری ہیں تو اس سے تو خود معلوم ہو گیا کہ حق تعالیٰ زندہ ہیں زندہ نہ ہوتے تو یہ کام کیسے ہوتے کہنے لگیں کہ اب سمجھ میں آگیا تو اس بیچاری بڑھیا نے بھی حق تعالیٰ کو اپنے اوپر قیاس کیا کہ اتنے زمانہ طویل سے موجود ہیں معاذ اللہ بوڑھے ہو گئے ہوں گے نہ معلوم زندہ بھی ہیں یا نہیں یہ حکایت تو محلہ محلت کی ہے ایک قصہ محلہ[2] نوگانوے کا ہے کہ وہاں سے ایک بڑی بی آئیں اور مجھ سے کچھ فقر و فاقہ کی شکایت کی پھر کہنے لگیں کہ مولوی جی میں زیادہ کہتی بھی نہیں کہیں اللہ میاں خفا ہوں کہ میرے عیب کھولتی پھرتی ہے ایک قصہ بنت کا ہے کہ وہاں ایک بڑی بی کہنے لگیں کہ میں یوں کہوں جب قیامت میں سب مرجائیں گے تو اللہ میاں کا اکیلے جی نہ گھبرائیگا اب اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انسان کی عادت ہے کہ وہ ہر چیز کو اپنے اوپر قیاس کرتا ہے خدا کو بھی لوگ اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں۔ ایک قصہ کانپور میں پیش آیا وہاں ایک صاحب پوچھنے آئے تھے کہ توبہ توبہ حق تعالیٰ کے والدین کس جزیرہ میں رہتے ہیں میں نے اس سوال کو سنکر کہا کہ معلوم ہوتا ہے سائل طالب ہے مگر جاہل ہے بیچارہ کو حق تعالے کے والدین کی سکونت دریافت کرنے کا خیال اس لئے پیدا ہوا کہ اللہ میاں کے دربار میں

[1] ایک بوڑھی نادان عورت کی حکایت کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر قیاس کیا

[2] مثل سابق کئی نادانوں کی حکایتیں

مغفرت کے لئے انکا وسیلہ پکڑے جبکہ حق تعالیٰ نے بندوں کو والدین کی اطاعت کا حکم دیا ہے تو خود بھی ضرور اُس پر عمل کریں گے اور اپنے والدین کے حکم کے خلاف نہ کرینگے تو اس خیال کا منشا تو محض محبت ہے مگر بوجہ جہالت کے حق تعالیٰ کو اپنے اوپر قیاس کیا اور یہ نہ سمجھا کہ حق تعالیٰ والدین سے پاک ہے۔ حافظ عبداللہ صاحب مہتمم مدرسہ نے اس سوال کے جواب میں سورۂ اخلاص کا ترجمہ سنا دیا مگر یہ باتیں ان جاہلوں کی اسلئے بُری نہیں معلوم ہوتیں کہ محبت سے کہی گئی ہیں محبت کے ساتھ سب باتیں پیاری معلوم ہوتی ہیں۔ چنانچہ شبان موسیٰ علیہ السلام کی سب باتیں اللہ تعالیٰ کو پسند ہوئیں کیونکہ سب کا منشاء محبت تھی اُس نے بھی خدا کو اپنے اوپر قیاس کیا تھا جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ انسان خدا کو اپنے اوپر قیاس کرتا ہے تو شاید آیات وعید کو دیکھ کر جہلاء حق تعالیٰ کے غصہ کو اپنے غصہ پر قیاس کرتے جس سے ضعفاء کے دل ٹوٹ جاتے اس لئے حق تعالیٰ نے یوم تقوم الساعۃ یومئذ یبلس المجرمون فرما کر ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ویوم تقوم الساعۃ یومئذ یتفرقون۔ یعنی گو جسدن قیامت ہو گی اس دن مجرم نا امید ہو جائیں گے مگر سب کا یکساں حال نہ ہو گا۔ جس دن قیامت آئے گی اُسدن لوگ جُدا جُدا ہو جائیں گے جو لوگ ایمان والے ہیں اور انھوں نے اچھے عمل کئے ہیں وہ ایک بڑے باغ میں خوش کئے جائیں گے۔ یوم تقوم الساعۃ کے بعد یومئذ پھر زیادت تہویل کے لئے مکرر لایا گیا۔ فی روضۃ میں تنوین تعظیم کے لئے ہے یعنی بڑے باغ میں خوش کئے جائینگے یحبرون احبار سے ہے جو باب افعال کا مصدر ہے بمعنی سرّ جس کے بے تکلف معنی اردو محاورہ کے موافق یہ ہوئے کہ وہ بڑے باغ میں مسرور ہوں گے کیونکہ سرّ بھی لازمی نہیں متعدی ہے اور دیکھئے حق تعالیٰ نے اس مقام پر یفرحون نہیں فرمایا کیونکہ فرح لازم ہے اسکے معنی یہ ہوئے کہ ایمان والے جنت میں خوش ہوں گے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر طبعی خوشی انسان کو ہو سکتی ہے اُس قدر اُن کو خوشی حاصل ہو گی سو یفرحون سے طبعی خوشی پر زیادتی سمجھ میں نہ آتی یحبرون سے یہ بات بتلا دی گئی کہ اُن کو طبعی خوشی سے بہت زیادہ خوشی حاصل ہو گی کیونکہ اُن کو خوش

کیا جائیگا یعنی اُن کے خوش کرنے کا اہتمام ہوگا کوئی خوش کرنے والا اُن کو خوش کریگا جیسا کہ علماء نے یہی نکتہ مطہرۃ میں بیان فرمایا ہے کہ ازواج مطہرۃ کے معنی یہ ہیں کہ ہمنے ان کو پاک کیا ہے صرف یہی نہیں کہ وہ خود بخود پاک ہیں کیونکہ جو پاکی خود بخود حاصل ہوتی ہے وہ کم ہوتی ہے دیکھئے اگر ایک کپڑہ کو نہر میں دن رات ڈالے رکھیں تو وہ خود بخود پاک ہو جائیگا مگر جو خوبی اس وقت حاصل ہوگی کہ اُس کو کسی شخص کے سپرد کیا جائے اور وہ پانی میں ڈال کر تختہ پر اُسے کوٹ پیٹ کر صاف کرے وہ صرف نہر میں ڈالے رکھنے سے حاصل نہیں ہوسکتی یہی نکتہ یحبرون میں ہوسکتا ہے یعنی یہی صرف نہیں کہ وہ خوش ہوں گے بلکہ خوش کیئے جائیں گے۔ اور ان کو حق تعالیٰ شانہ خوش کرینگے اور ظاہر ہے کہ حق تعالےٰ کتنے بڑے ہیں۔ ان کی عظمت کے موافق اُن کی دی ہوئی خوشی بھی عظیم ہوگی اتنا فرق ہوگا کہ حق تعالیٰ شانہ کی عظمت تو بالفعل بھی غیر متناہی ہے اور اہل جنت کی خوشی بالفعل اگرچہ متناہی ہوگی مگر لاتقف عند حد کے اعتبار سے وہ بھی ایک طرح غیر متناہی ہوگی اور اس فرق کی یہ وجہ ہے کہ عظمت الٰہی داخل مشیت نہیں اور عظمت و سرور اہل جنت داخل مشیت ہے یعنی حق تعالیٰ کے ارادہ و اختیار کو اس میں دخل ہے اور حادث کی لا متناہی بالفعل محال اور لاتقف عند حد جائز غرض غیر متناہی دونوں ہیں ایک غیر متناہی بالفعل دوسری غیر متناہی بمعنی لاتقف عند حد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب نے الا ماشاء ربک کی تفسیر بھی یہی لکھی ہے کہ خلود اہل جنت و اہل نار داخل تحت القدرت ہے اگرچہ منقطع کوئی بھی نہ ہوگا ورنہ بدون اس توجیہ کے بظاہر اس استثناء پر شبہ یہ وارد ہوتا ہے کہ اہل جنت و اہل جہنم کے خلود کے ساتھ الا ماشاء ربک کے کیا معنی کیونکہ بظاہر اس کا یہ ترجمہ ہے کہ وہ لوگ ہمیشہ جنت اور دوزخ میں رہیں گے مگر جبکہ چاہیں حق تعالےٰ تو اُس سے شبہ یہ ہوتا ہے کہ شاید کبھی نکالے بھی جائیں گے سو مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خوب تفسیر فرمائی ہے کہ مطلب یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اسی حال میں رہینگے مگر خدا جب چاہے تو اُن کو نکالنے پر بھی قادر ہے اگرچہ ایسا کیا کبھی نہ جائے تو مطلب آیۃ کا یہ ہے کہ اہل جنت ہمیشہ جنت میں رہیں گے مگر خدا تعالیٰ اس پر مجبور نہیں مگر یہ سب

اوسی کی مشیت سے ہوگا۔ وعلی ہذا اہل نار بھی پس جس طرح کہ اہل جنت واہل نار کا خلود بوجہ داخل تحت القدرت ہونے کے غیر متناہی بمعنی لاتقف عند حدٍّ ہے اسی طرح اہل جنت کی خوشی بھی غیر متناہی اسی معنی کے لحاظ ہی سے حضرت شاہ صاحب نے اُس دقیق مضمون کو اپنی تفسیر میں بہت ہی سلیس الفاظ میں بیان فرمایا ہے جس سے ہر شخص کا ذہن اس معنی کی طرف منتقل بھی نہیں ہوتا اور ظاہر میں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ کسی بڑے اشکال کا جواب ہے البتہ جو لوگ مدرس ہیں اور مواقع اشکالات سے واقف ہیں وہ اس کی قدر کر سکتے ہیں اور یہ شاہ صاحب کا اور بھی بڑا کمال ہے کہ ایسے دقیق مضمون کو معمولی لفظوں سے تعبیر فرما دیتے ہیں اس کی قدر بھی پڑھانے والے ہی جانتے ہیں کہ کم فہم لوگوں کے لئے مضمون کے سہل کرنے میں کس درجہ تعب برداشت کرنا پڑتا ہے۔ غرض اسی تقریر سے یہ معلوم ہو گیا کہ اس آیۃ میں ایمان واعمال صالحہ کا ثمرہ مذکور ہے کہ ایمان اور اعمال صالحہ والے جنت میں خوش ہوں گے اور ظاہر ہے کہ ایمان اور اعمال صالحہ بغیر انبیاء علیہم السلام کے نہیں معلوم ہو سکتے اسی لئے حق تعالیٰ نے ہر زمانہ میں انبیاء علیہم السلام کو بھیجا تاکہ لوگوں کو ایمان واعمال صالحہ کا رستہ بتلا دیں اور اسوقت میں اول تو کسی اور نبی کی شریعت موجود نہیں اور اگر پہلے انبیاء میں سے کسی کی کوئی شریعت ہے بھی تو محرف ہے جسکا ہونا نہ ہونا برابر ہے پھر اگر غیر محرف بھی ہوتی تو منسوخ تھی اس لئے اس وقت ایمان اور اعمال صالحہ کی دولت صرف ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع ہی سے حاصل ہو سکتی ہے اگر حضور تشریف نہ لاتے تو ہم اُس دولت سے بالکل محروم رہتے حق تعالیٰ شانہ کا بہت بڑا احسان ہمارے اوپر ہوا کہ آپ کی برکت سے ہم کو اس دولت سے سرفراز فرمایا اسی کو حق تعالیٰ شانہ نے بطریق امتنان احسان جتلا کر جابجا قران شریف میں ذکر فرمایا ہے کہیں فرماتے ہیں ولولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ لاتبعتم الشیطان الا قلیلا۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ ولولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ لکنتم من الخاسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان مواقع میں فضل اللہ ورحمتہ

کی تفسیر بعثت محمدیہ سے کی ہے تو معنی آیت کے یہ ہوئے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر خدا تعالیٰ تمپر اپنا فضل و رحمت نہ فرماتے تو تم ناکام اور محروم رہتے اور اگر اللہ تعالیٰ بعثت محمدیہ سے تم پر رحم و کرم نفرماتے تو تم شیطان کا اتباع کرنے لگتے سوائے تھوڑے سے آدمیوں کے۔ اس جگہ ایک اشکال طالب علمی ہو سکتا ہے کہ الا قلیلا کے بڑھا دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو بدون بعثت محمدیہ کے بھی راہ مستقیم پا لیتے۔ جواب یہ ہے کہ اتباع سے مراد اتباع مطلق ہے نہ کہ مطلق اتباع پس معنی یہ ہوئے کہ تم شیطان کے پورے متبع ہوتے۔ صرف بعضے لوگ جنکو خدا تعالےٰ نے عقل کامل و سلیم عطاء فرمائی ہے وہ البتہ کامل اتباع شیطان کا نہ کرتے یعنی ایسے امور میں جن میں عقل کام دے سکتی ہے صرف انھیں اتباع شیطان کا خاص ایسے لوگ نکرتے گو مطلق اتباع شیطان سے یہ بھی نہ بچتے کیونکہ جن میں عقل کام نہیں دیتی انمیں کوئی مانع اتباع شیطان سے نہ تھا۔ تفصیل امور مذکورہ کی یہ ہے کہ بعض احکام شریعت کے بدیہی اور ظاہر بھی ہیں جنکا حُسن و قبح عقل سے بھی معلوم ہو سکتا ہے تو ایسی باتوں میں عقل سلیم سے راہ راست معلوم ہو سکتی ہے مثلاً ظلم کا قبیح ہونا انصاف کا پسندیدہ ہونا۔ زنا کی بُرائی۔ عفت و پارسائی کی خوبی ان باتوں میں بعض لوگ راہ مستقیم پر چل سکتے اور شیطان کے اتباع سے بچ سکتے تھے۔ گو تفصیلی احکام بدون نبوت کے ان میں بھی نصیب نہ ہوتے مگر خیر کسی قدر اتباع شیطان سے ان باتوں میں محفوظ رہ سکتے تھے مگر چونکہ ایسی باتیں بہت تھوڑی ہیں اُن کے معلوم کرنے ہی سے کیا کام چلتا بہت سی باتیں عبادت الٰہی کے متعلق ایسی ہیں جنکو عقل کبھی دریافت نہیں کر سکتی تھی بالخصوص صفات و ذات باری تعالیٰ اور امور معاد کا تو بدون بعثت محمدیہ کے کچھ بھی پتہ نہ چلتا اور نہ معلوم خدا تعالیٰ کے متعلق کیسا کیا اعتقاد قائم کر لیتے جیسا کہ کفار نے کر لئے ہیں پھر خود وہ عقل بھی بدولت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے عطاء ہوئی کیونکہ حضور واسطہ ہیں تمام کائنات کے پس آپکے وجود کو اُس وقت بھی سلوک صراط عقل میں دخل رہتا بہر حال اصل فضل و رحمت جو قابل مسرت و خوشی ہے وہ یہ امر ہے کہ ہم کو

بعض احکام کا حسن و قبح عقلی یعنی مدرک بالعقل ہونا اور بعض کا نہونا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود کی برکت سے ایمان و اعمال صالحہ کی توفیق ہوئی اور یہ عظیم نعمت حاصل ہوئی جس سے ہماری دنیا و آخرت سنور گئی اور انشاء اللہ اسکی برکت سے ہم جنت میں خوشیاں منائیں گے اب آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ اس آیت کے مضمون کو مقصود کے ساتھ پورا تعلق ہے اس آیۃ میں ایمان اور اعمال کا ثمرہ مذکور ہے اور ایمان و اعمال صالحہ وجود باوجود محمدی کے ثمرات ہیں تو یہ ثمرات بھی جو اس آیۃ میں مذکور ہیں حقیقت میں حضور ہی کے وجود باوجود و نور مزپور السرور کے ثمرات ہیں تو اسکو دوسرے دلائل کے ساتھ منضم کرنے سے حضور کے نور مبارک کے برکات دو قسم پر معلوم ہوئیں ایک صوری جو کہ اشیاء کے وجود و ظہور کے متعلق ہیں۔ دوسرے معنوی جو ان اشیاء میں سے خاص اہل ایمان کے صدور کے متعلق ہیں۔ ظہور کے متعلق تو آپ کے نور مبارک کی برکت یہ ہے کہ تمام عالم کا وجود آپ کے نور سے ہوا اور لوگ اسی کو آجکل زیادہ بیان کرتے ہیں صدور کے متعلق آپ کی برکات یہ ہیں کہ ایمان و معرفت الٰہی سب کو حضور ہی کے واسطہ سے حاصل ہوئی ان برکات کو لوگ آجکل بیان ہی نہیں کرتے بالکل ہی چھوڑ دیتے ہیں حالانکہ زیادہ ضرورت اسی کے بیان کرنے کی ہے کیونکہ جو اثر آپ کے نور کا ظہور کے متعلق ہے اس کے آثار تو محسوس ہیں اور جو اثر صدور کے متعلق ہے اُسکے آثار یعنی خاص ثمرات مقصودہ وہ قیامت و جنت میں معلوم ہوں گے اور یہاں اُنسے ذہول ہے نیز وہ رُتبہ میں بھی اعظم ہیں اس لئے زیادہ ضرورت اسی کے بیان کرنیکی ہے اور اعظم ہونے کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ ظہور پر تو صرف اسی قدر اثر ہوا کہ ہم موجود ہوگئے مگر صرف موجود ہو جانے سے کچھ زیادہ فضیلت نہیں حاصل ہو سکتی پوری فضیلت ایمان و معرفت الٰہی سے حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے انسان کو حیوانات پر شرف ہے تیسرے یہ جو اثرات نور مبارک کے ظہور پر ہوئے وہ متناہی اور محدود ہیں کیونکہ موجودات اپنی ذات کے اعتبار سے متناہی ہیں اور صدور پر جو اثر ہوا وہ غیر متناہی ہے کیونکہ معرفت الٰہی کے مراتب اور ان کے ثمرات غیر متناہی ہیں جو ہم کو جنت میں نصیب ہوں گے بس آپ کے نور مبارک کے وہ برکات زیادہ بیان کرنے کے قابل ہیں جو صدور پر متجلی ہیں

اس آیتہ شریفہ میں انھیں ثمرات کا ذکر ہے مگر یہ ثمرات اس آیت کے آخر میں مذکور ہیں
اور ایک ثمرہ آپ کے تبرکات متعلقہ صدور کا اس آیت کے شروع ہی میں مذکور ہے
جو عجیب ثمرہ ہے وہ یہ کہ حق تعالی شانہ فرماتے ہیں ویوم تقوم الساعۃ یومئذ
یتفرقون قیامت جب قائم ہوگی تو لوگ جدا جدا ہوجائیں گے یہ جدا جدا ہونا بھی
حضور ہی کے نور مبارک کا ایک ثمرہ ہے کیونکہ ایمان و معرفت و اعمال صالحہ کا حصول
آپ کی برکت سے ہوا اور ایمان و اعمال صالحہ ہی کی وجہ سے مخلوق کے دو فرقے ہوگئے
بعض مومن بعض کافر تو اس تفریق کا اصل منشا بھی نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہے
اسی تفریق کے ظاہر کرنے کے لئے قیامت قائم ہوگی تو دراصل حقیقی قیامت آپ
ہی کی ذات ہے اور عرفی قیامت اسکا ایک ایک اثر اور ثمرہ اسی کو مولانا نے مثنوی
میں ایک جگہہ بیان فرمایا ہے ع صد قیامت بود احمد در جہاں۔ حدیث میں بھی
اس کی طرف اشارہ ہے محمد فرق بین الناس قرآن شریف کا لقب بھی فرقان اسی
وجہ سے ہے کہ وہ فارق ہے غرض قیامت قائم ہونے کا سبب یہی تفریق ہے اور یہ
تفریق قیامت تابع ہے تفریق محمدی کے اسی کے اظہار کے لئے قیامت قائم کیجائیگی
غرض اصل سروران برکات محمدیہ سے یہ ہے کہ ہم اطاعت و معرفت الہی کی دولت
حاصل کریں جسکے ثمرات قیامت و جنت میں حاصل ہوں گے نہ وہ باتیں جو آجکل ہملوگ
خود بخود گڑھتے ہیں یعنی عید میلاد وغیرہ کیونکہ حضور نے ہمکو ان باتوں کی تعلیم نہیں
دی بلکہ صراحۃً منع فرمایا ہے اور عید میلاد کے متعلق گو بہت دفعہ بیان ہوچکا ہے اور اصول
شریعت سے بتلادیا گیا ہے کہ یہ فعل بالکل ناجائز اور بدعت ضلالت ہے مگر اس دفعہ مجھے
ایک حدیث اس کے متعلق بہت صریح ملی ہے جس سے صاف صاف اس کی ممانعت ثابت
ہوتی ہے وہ حدیث یہ ہے لا تتخذوا قبری عیداً اس حدیث سے عید میلاد کی نفی نہایت
واضح ہے اور میرے لئے یہ حدیث بالکل تسلی بخش ہوگئی میں دوسروں کے لئے بھی تفصیل
کے ساتھ اس کو بیان کرتا ہوں کہ اس حدیث سے عید میلاد کی نفی کیونکر ہوگئی حدیث کا
ترجمہ یہ ہے کہ میری قبر کو عید نہ بناؤ۔ اول بطور مقدمہ کے جانئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

عید میلاد و مولد بدعت و ضلالت ہے

قبر مبارک کے لئے بہت کچھ شرف حاصل ہے کیونکہ جسدِ اطہر اس کے اندر موجود ہے بلکہ حضور خود یعنی جسد مع تلبس الروح اس کے اندر تشریف رکھتے ہیں کیونکہ آپ قبر میں زندہ ہیں قریب قریب تمام اہل حق اس پر متفق ہیں صحابہ کا بھی یہی اعتقاد ہے حدیث میں بھی نص ہے ان نبی اللہ حی فی قبرہ یرزق کہ آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور آپ کو رزق بھی پہنچتا ہے مگر یہ یاد رہے اس حیات سے مراد ناسوتی نہیں ہے وہ دوسری قسم کی حیات ہے جسکو حیات برزخیہ کہتے ہیں باقی یہ کہ حیات برزخیہ تو سب کو حاصل ہے پھر اس میں نبی کی کیا تخصیص ہے تو اس کی تحقیق یہ ہے کہ اس کی مختلف مراتب ہیں ایک مرتبہ تو تمام جماعت مومنین کو حاصل ہے جسکے ذریعہ سے تعلیم قبر کی ہر مسلمان کو حس ہوگی دوسری حیات شہدا کی ہے یہ تمام مومنین کی حیات برزخیہ سے اقوی ہوگی عام مومنین کی حیات برزخیہ نسبت شہید کے کمزور ہوتی ہے اگرچہ اس حیات ناسوتیہ سے وہ بدرجہا اعلیٰ ہو پس یہ کوئی نہ سمجھے کہ عام مومنین کی حیات برزخیہ اس حیات دیوی سے بھی کمزور ہوگی اور حیات شہید کے اقوی ہونیکا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ زمین اس کی لاش کو نہیں کھا سکتی اور یہ نہ کھانا ایک اثر ہے حیات کا پس شہید میں اس اثر کا ظاہر ہونا اور عام مومنین کا نہ ہونا یہ دلیل ہے شہید کے حیات کی اقوی ہونے کے بہ نسبت عام کی حیات کے بعض لوگوں نے اسکا انکار بھی کیا ہے کہتے ہیں کہ مشاہدہ اس کے خلاف ہوا ہے مگر یہ کوئی انکار کی وجہ نہیں بن سکتی کیونکہ جس طرح اس کے خلاف مشاہدہ ہوا ہے اس کے موافق بھی مشاہدہ ہوا ہے جب دونوں مشاہدہ موجود ہیں تو سرے سے اسکا انکار کیونکر کیا جاسکتا ہے بہت سے بہت یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ قاعدہ کلی نہیں اکثری ہے اور نصوص کا محمل بھی اسی کو کہا جاویگا باقی مطلقاً انکار تو صحیح نہیں ہوسکتا یہ تو جواب تسلیمی ہے اس تقدیر پر جبکہ ہم مان لیں کہ جہاں تم نے اس کے خلاف مشاہدہ کیا ہے وہ شہید ہی تھا مگر یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ شہید ہی نہ ہو کیونکہ شہادت صرف اسی کا نام نہیں کہ معرکہ میں قتل ہو جائے بلکہ حقیقی شہادت کے لئے کچھ باطنی شرائط بھی ہیں مثلاً نیت کا خالص لوجہ اللہ ہونا جسکی خبر سوائے خدا کے کسی کو نہیں ہوسکتی تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس کو آپ نے اس کے خلاف مشاہدہ کیا ہے

وہ شہید حقیقی نہ تھا صرف شہید احکام تھا اور یہ حیات کا قوی درجہ صرف شہید حقیقی کے ساتھ خاص ہوگا اور اگر مان بھی لیا جائے کہ وہ حقیقی شہید تھا تو ممکن ہے کہ کسی عارض کی وجہ سے ایسا ہو گیا ہو کہ اس کی لاش گل گئی مثلاً اُس جگہ کی مٹی تیز ہو ہم نے یہ کب دعوی کیا ہے کہ شہید کی حیات ایسی ہوتی ہے کہ اگر جلاؤ بھی تو اس کی لاش نہ جلے بلکہ دعوی یہ ہے کہ اگر شہید کو موافق عادت کے دفن کر دیا جائے جیسا کہ عموماً مردے دفن ہوتے ہیں کہ اس کی قبر میں کوئی خاص عارض دوسروں سے زیادہ مثل شوریت زمین وغیرہ کی نہ ہو تو اس کی لاش مثل دوسرے مردوں کے نہیں گلے گی بعینہٖ محفوظ رہے گی تیسرا درجہ جو سب سے قوی ہے وہ انبیاء علیہم السلام کی حیات برزخیہ کا ہے کہ وہ شہید کے حیات سے بھی زیادہ قوی ہوتی ہے چنانچہ اس کا ایک اثر تو محسوس ہے اور وہ وہی ہے جو شہید کے لئے ہے کہ ان کے جسم مبارک کو زمین نہیں کھا سکتی حدیث میں ہے حرم اللہ اجساد الانبیاء علی الارض اور دوسرا اثر محسوس تو نہیں مگر منصوص ہے اور وہ حرمت نکاح ازواج انبیاء علیہم السلام ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ازواج مطہرات سے بعد اُن کے وصال کے کسی امتی کو نکاح جائز نہیں نیز انبیاء علیہم السلام کی میراث ورثہ میں تقسیم نہیں ہوتی نحن معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکنا صدقۃ انبیاء علیہم السلام کا تمام ترکہ صدقہ ہوتا ہے یہ باتیں شہید کے لئے شریعت نے مشروع نہیں کیں تو اگرچہ شریعت نے اس کا خاص کوئی راز نہیں بیان کیا مگر علماء محققین یوں کہتے ہیں اس کا راز قوت حیات انبیاء علیہم السلام ہے کہ حیات مانع ہے ان دونوں امروں سے اور گو ازواج ہی سے بعد وفات نبی کے نکاح حرام ہونا تمام انبیاء کے بارہ میں منقول نہیں ہوا صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ خصوصیت قرآن میں ذکر کی گئی ہے مگر علماء حکم میراث پر قیاس کر کے اس حکم کو بھی عام جملہ انبیاء علیہم السلام کی ازواج کے لئے سمجھتے ہیں اور میراث کا تقسیم نہ ہونا حدیث سے جملہ انبیاء علیہم السلام کے لئے عام طور پر معلوم ہو چکا ہے کہ ان امتیازات سے حیات برزخیہ انبیاء کا شہداء اور عام مومنین سے اقویٰ ہونا ثابت ہوا بہر حال غرض یہ بات باتفاق امت ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام قبروں میں زندہ رہتے ہیں اور خاص ہمارے حضور کے بارہ میں تو مخالفین بھی حیات کے معتقد

انبیاء کی حیات برزخیہ شہداء کی حیات سے قوی ہے

الاحیاء قسم ۲ جلد ۱

ہیں اُن کو بھی حضور کی حیات کا اقرار ہے۔ چنانچہ ایک واقعہ سے اُنکا اقرار معلوم ہوجائیگا تاریخ مدینہ میں یہ واقعہ لکھا ہے اور میں نے خود اُس تاریخ میں دیکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چند صدی بعد (یاد نہیں رہا کس بادشاہ کے وقت میں) دو شخص[۱] مدینہ میں حضور کے جسد اطہر کو نکال لینے کے لیئے آئے تھے اور[۲] مسجد نبوی کے پاس ایک مکان کرایہ پر لے لیا تھا اور دن بھر نماز و تسبیح میں مشغول رہتے تھے لوگ اُن کے معتقد بھی ہوگئے تھے زاہد مشہور ہوگئے تھے وہ کمبخت رات کے وقت اس مکان سے قبر شریف کی طرف سرنگ کھودتے تھے اور جس قدر سرنگ کھودلیتے راتوں رات مٹی مدینہ سے باہر پھینک آتے تھے اور جگہ برابر کر دیتے تاکہ کسی کو پتہ نہ چلے کئی ہفتہ تک وہ لوگ سرنگ کھودنے میں مشغول رہے جب اِدھر ان لوگوں نے یہ کام شروع کیا حق تعالیٰ نے اس زمانہ کے سلطان کو (نام یاد نہیں رہا) بذریعہ خواب کے متنبہ کر دیا خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپکے چہرہ مبارک پر حزن و غم کے آثار ہیں اور آپ اس بادشاہ کا نام لیکر فرما رہے ہیں کہ مجھے ان دو شخصوں نے بہت ایذا دے رکھی ہے جلد مجھے اُنسے نجات دو۔ خواب میں دونوں شخصوں کی صورت بھی بادشاہ کو دکھلا دی گئی۔ خواب سے بیدار ہوکر بادشاہ نے وزیر سے اسکا تذکرہ کیا وزیر نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ میں کوئی حادثہ پیش آیا ہے آپ جلد مدینہ تشریف لیجائیں بادشاہ نے فوراً فوج ساتھ لیکر بہت تیزی کے ساتھ مدینہ کی طرف سفر شروع کیا اور بہت جلد مدینہ پہونچ گیا اس عرصہ میں وہ لوگ بہت سرنگ کھود چکے تھے اور بالکل جسد اطہر کے قریب پہونچ گئے تھے ایک دن کی بادشاہ کو اور تاخیر ہوجاتی تو وہ لوگ اپنا کام پورا کر لیتے بادشاہ نے مدینہ پہونچکر تمام لوگوں کی مدینہ سے باہر دعوت کی اور سب کو مدینہ سے ایک خاص دروازہ سے باہر نکلنے کا حکم کیا اور خود دروازہ پر کھڑے ہوکر ہر شخص کو خوب غور سے دیکھتا جاتا تھا یہاں تک کہ مدینہ کے سب مرد شہر سے باہر نکل آئے مگر اُن دو شخصوں کی صورت نظر نہ پڑی جنکو خواب میں دیکھا تھا اس لیئے بادشاہ کو سخت حیرت ہوئی اور لوگوں سے کہا کہ کیا سب لوگ باہر آگئے لوگوں نے کہا کہ اب کوئی اندر نہیں رہا بادشاہ نے کہا یہ ہرگز نہیں ہوسکتا ضرور کوئی اندر رہا ہے لوگوں نے کہا کہ

۱ حضور کے روضۂ اقدس کی طرف دو شخص ملعون کی سرنگ کھودنے کا واقعہ

۲ حضور کے قبر اقدس کا معجزہ

دو زاہد اندر رہ گئے ہیں وہ کسی کی دعوت میں جایا نہیں کرتے اور نہ کسی سے ملتے ہیں بادشاہ نے کہا مجھے اُن ہی سے کام ہے چنانچہ جب وہ پکڑ کر لائے گئے تو بعینہ وہ دو صورتیں نظر پڑیں جو خواب میں دکھلائی گئی تھیں ان کو فوراً قید کر لیا گیا اور پوچھا گیا کہ تم نے حضور کو کیا ایذا دی ہے۔ چنانچہ بڑی دیر کے بعد اُنھوں نے اقرار کیا کہ ہم نے جسد اطہر کے نکالنے کے لئے سرنگ کھودی ہے چنانچہ بادشاہ نے وہ سرنگ دیکھی تو معلوم ہوا کہ قدم مبارک تک پہنچ چکی ہے بادشاہ نے قدم مبارک کو بوسہ دیکر سرنگ بند کرادی اور زمین کو پانی کی تہہ تک کھدوا کر قبر مبارک کے چاروں طرف سیسہ پلا دیا تاکہ آئندہ کوئی سرنگ نہ لگا سکے۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ مخالفین کو بھی جسد اطہر کے صحیح و سالم ہونے کا ایسا پختہ اعتقاد ہے کہ کئی سو برس کے بعد بھی اس کے نکالنے کی کوشش کی اگر ان کو جسد اطہر کے محفوظ ہونے کا یقین نہ ہوتا تو وہ سرنگ کیوں لگاتے محض وہم و شبہہ پر اتنا بڑا خطرہ کا کام کوئی نہیں کرتا جو لوگ اہل کتاب ہیں وہ بھی خوب سمجھتے ہیں کہ نبی کے جسم کو زمین نہیں کھا سکتی وہ خوب جانتے ہیں کہ حضور نبی برحق تھے مگر بوجہ عناد کے اقرار نہیں کرتے جب حضور کا جسد اطہر موافقین و مخالفین سب کے نزدیک بالاتفاق محفوظ ہے اور مع روح ہے جیسا کہ بیان کیا گیا تو ظاہر ہے اور علماء نے بھی تصریح کی ہے کہ وہ بقعہ جس سے جسم مبارک خصوص مع الروح مس کئے ہوئے ہے عرش سے بھی افضل ہے کیونکہ عرش پر معاذ اللہ حق تعالیٰ شانہٗ بیٹھے ہوئے نہیں اگر بیٹھے ہوئے ہوتے تو بیشک وہ جگہ سب سے افضل ہوتی مگر خدا تعالیٰ مکان سے پاک ہیں اس لئے عرش کو مستقر خداوندی نہیں کہا جا سکتا اور اس سے یہ بھی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ استوٰے علی العرش کے معنی استقرار کے نہیں ہو سکتے کیونکہ بیٹھنے کی جگہ وہ ہو سکتی ہے جو بیٹھنے والے سے زیادہ یا کم سے کم اس کی برابر تو ہو مثلاً اگر ہم تخت یا کرسی پر بیٹھیں اور اُس کے اوپر ایک تنکا پڑا ہوا ہو تو نہیں کہا جا سکتا کہ ہم تنکے پر مستقر ہوئے کیونکہ اس کو ہم سے کچھ بھی نسبت نہیں اس لئے وہ ہمارا مکان نہیں بن سکتا پس اسی طرح عرش خدا تعالیٰ کا مکان نہیں بن سکتا کیونکہ اُس کو خدا تعالیٰ سے وہ نسبت بھی نہیں جو رائی کے دانہ کو ہم سے ہے۔ اسی دلیل سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ استوٰے

علی العرش کے معنی بیٹھنے کے ہرگز یہاں نہیں ہو سکتے۔ اب سوال ہوگا کہ پھر کیا معنی مراد ہیں
اس میں سلف کا مسلک تو یہ ہے کہ سکوت کرو اور واقعی سلامتی اسی میں ہے مگر متاخرین
نے بہ مصلحتِ وقت کسی مناسب تاویل کر دینے کی اجازت دیدی ہے جب مصلحت کی بنا پر
باب تاویل مفتوح ہو گیا تو ہر شخص کو مناسب تاویل کر دینے کا حق ہے ایک تاویل میرے
ذہن میں اس آیت کی آئی ہے جو دوسری تاویلوں کی بہ نسبت اقرب اور بہت صاف ہے
اگرچہ میرا مذاق طبعی اس بارہ میں سلف کے موافق ہے لیکن جو لوگ بضرورت تاویل کرنا ہی
پسند کرتے ہیں وہ میری اس تاویل کو بھی ان ہی تاویلوں میں جگہ دیدیں۔ میرے ذہن میں
استوی علی العرش کے متعلق یہ بات آئی ہے کہ نص آیات میں استوی
علی العرش کے بعد یدبر الامر بھی آیا ہے جس کو استوے
علی العرش کا بیان قرار دیا جاوے تو یہ محاورہ ایسا ہو جائیگا جیسا کہ ہماری زبان میں
بولا جاتا ہے کہ ولیعہد تخت نشین ہو گیا عرف میں تخت نشین ہونے کے معنی حکمران ہونے کے
ہیں خاص تخت پر بیٹھنا ضروری نہیں اسی طرح استوی علی العرش کے معنی تدبیر و حکمرانی
فرمانے کے ہیں یعنی زمین و آسمان کو پیدا فرما کر حق تعالیٰ شانہ اُن آسمان و زمین میں حکمرانی
و تدبیر و تصرف کرنے لگے پس اگر تاویل کی جاوے تو یہ تاویل بھی عمدہ اور لطیف تاویل ہے
بس یہ کنایہ ہوگا غرض حق تعالیٰ شانہ پر بوجہ مانعات عقلیہ کے استواء متعارف کا حکم نہیں کیا
جا سکتا تو عرش کو محل استقرار حق کی وجہ سے فضیلت نہیں ہے کہ بقعہ شریفہ سے وہ افضل ہوتا
بلکہ اس کو صرف اس وجہ سے اور اماکن پر فضیلت ہے کہ وہ ایک تجلّی گاہ ہے اور ظاہر ہے کہ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون تجلی گاہ الٰہی ہوگا پس اس حیثیت کے اثر سے بھی بقعہ
شریفہ خالی نہ رہا اس لئے ہر طرح وہ جگہ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں سب سے
زیادہ اشرف ہوئی کیونکہ تجلیات حق بواسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ تمام اماکن
سے زیادہ فائض ہوتے ہیں بہرحال اس مسئلہ میں تمام علماء کا اتفاق ہے یہ تو ایک مقدمہ تھا
کہ بقعہ شریفہ و قبر شریف تمام اماکن سے افضل ہے اب اس مقدمہ کے بعد یہ سمجھنا چاہیئے
کہ قبر شریف تو بلا اختلاف بعینہ باقی ہے اس میں کسی کو بھی شک نہیں ہو سکتا اور یوم الولادت

ویوم المعراج ویوم البعثت وغیرہ یقیناً باقی نہیں کیونکہ زمانہ غیر قار ہے وہ دن جس میں حضور کی ولادت ہوئی تھی اب یقیناً نہیں لوٹتا بلکہ اس کا مثل عود کرتا ہے ایک مقدمہ یہ ہوا اس کے بعد سمجھو کہ جب حضور نے قبر کو عید بنانے سے منع فرما دیا اور اسکا عید بنانا حرام ہوگیا جو کہ یقیناً باقی ہے۔ تو ان چیزوں کو عید بنانا جو کہ بعینہ باقی نہیں کیونکہ جائز ہو سکتا ہے میرے نزدیک تو اس حدیث سے عید میلاد کی صراحتہً نفی ہوتی ہے۔ اب بھی کسی کو اسکی حرمت میں شک ہو تو وہ جلنے اور اسکا کام جانے اس تقریر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بلاغت اور کلام کی جامعیت بھی واضح ہوگئی ہوگی۔ کہ حضور نے خاص طور پر قبر ہی کی عید بنانے سے کیوں منع فرمایا سو اس لئے منع فرمایا کہ اس کی فضیلت و شرافت تو بوجہ معین اور یقینی ہونے کے سب کو مسلم ہوگی جب ایسی چیز کی بابت کوئی حکم بیان کر دیا جائیگا اس پر ادنیٰ کو قیاس کر کے بقیہ سب چیزوں کا حکم معلوم ہو جائیگا۔ جب ان چیزوں کا عید بنانا معلوم ہوگیا کہ حرام ہے اور قرآن میں نعیم جنت کا ایمان و عمل صالح پر ترتب صاف صاف مذکور ہے اور عمل صالح میں حرام امور کے ترک پر موقوف ہے۔ تو اگر نعیم جنت حاصل کرنے کا اشتیاق ہے اور یقیناً ہر مسلمان کو ہے تو ان غیر مشروع کاموں کو چھوڑنا چاہئے کیونکہ نجات کلی بغیر اعمال صالحہ کے حاصل نہیں ہو سکتی قرآن میں جا بجا اٰمنوا کے بعد عملوا الصلحت ضرور مذکور ہے اگر بدرجۂ اتم و اکمل نجات چاہیں تو ان چیزوں کو ترک کریں بدرجۂ اتم و اکمل اس لئے کہا کہ کسی نہ کسی وقت تو یہ اہل بدعت بھی نجات پا ہی لیں گے اگرچہ وہ ہمیں کافر کہیں مگر ہم ان کو کافر نہیں کہتے کہ محروم عن النجات سمجھیں اس پر ایک طالب علم کا شبہ ہے جس کو میں دفع کر دینا چاہتا ہوں۔ شبہ یہ ہے کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس امت کے تہتر فرقے ہوں گے جن میں بجز ایک فرقہ کے سب ناری ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرقہ ناجیہ صرف ایک ہے باقی ناجی نہیں کیونکہ اگر باقی فرقے بھی کچھ عذاب بھگت کر نجات پا جائیں تو ان فرقوں میں اور فرقۂ ناجیہ میں کیا فرق ہوگا کیونکہ فرقۂ ناجیہ جو کہ اہل حق ہیں ان کے لئے یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ وہ سب کے سب بدون حساب کتاب اور بدون کسیقدر مواخذہ کے جنت میں جائیں گے جیسا اہل حق میں بھی عصاۃ کو بھی نجات اولی حاصل نہیں

فرق غیر ناجیہ کے عدم خلود پر ایک شبہ کا جواب

تو دونوں میں فرق کیا ہوا پھر حضور کے اس ارشاد کا مطلب کیا ہوگا کہ ان میں ناجی صرف ایک فرقہ ہے۔ معلوم ہوا کہ فرقۂ ناجیہ کو تو کبھی نہ کبھی نجات حاصل ہو جائے گی اور باقی بہتر فرقوں کو کبھی نجات حاصل نہ ہوگی تو یہ اہل بدعت نجات کیونکر پا سکتے ہیں اگر اسکا التزام کیا جاوے تو اہل بدعت کی عدم تکفیر کے کیا معنی جواب یہ ہے کہ مراد حدیث میں یہ ہے کہ وہ بہتر فرقے بوجہ فساد عقیدہ کے جہنم میں جائیں گے اور اہل حق جو کہ فرقہ ناجیہ ہے فساد عقیدہ کی وجہ سے جہنم میں نہ جائیں گے دونوں میں مابہ الفرق دخول لفساد العقائد ہے باقی دخول للعمل یہ دونوں میں مشترک ہے پس اس تقریر کے بعد اہل بدعت کا خلود ثابت نہ ہوا اور اس تقریر کی ضرورت اس وجہ سے ہے کہ نص قطعی فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ و من یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ سے معلوم ہے کہ جو کوئی ذرہ برابر نیکی کریگا اسکو کبھی دیکھے گا۔ اور جو کوئی ذرہ برابر برائی کریگا اس کو بھی دیکھ لیگا تو جس شخص میں کچھ ایمان ہے اگرچہ فساد عقیدہ ہی کے ساتھ ہے تو اگر وہ بھی ناجی نہ ہو تو وہ اسکی جزا کب پائیگا آیا قبل دخول نار۔ قبل دخول نار تو محال ہے ورنہ لازم آتا ہے کہ وہ اول جنت میں جاوے اور پھر وہاں سے خارج کر کے جہنم میں جاوے اور نصوص سے معلوم ہے کہ بعد دخول جنت کسی کو عذاب نہ ہوگا اور اگر جنت کے سوا اور کہیں ثواب پاوے تو جنت سے پہلے کوئی اور موقع ثواب کا نہیں۔ بس یہی ایک صورت ہے کہ وہ اپنے ایمان قلیل کی جزا بعد دخول نار پاوے کہ جہنم سے نکلکر جنت میں داخل ہو ورنہ اگر کہیں جزا نہ ملے تو لازم آئیگا کہ کوئی عمل صالح ایسا بھی ہوا جسکا کوئی صلہ کرنے والے کو نہ ملے اور یہ اس آیۃ کے خلاف ہے اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اہل بدعت کو خلود ہوگا کبھی نجات نہ ہوگی بلکہ کبھی نہ کبھی تو نجات ضرور ہو جائیگی گو اس سے پہلے عذاب بھی بھگتنا پڑے البتہ یہ ضرور ہے کہ جو عذاب فساد عقائد سے ہو وہ اشد ہے اس عذاب سے جو فساد عمل سے ہو چنانچہ احادیث اور بزرگوں کے اقوال سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ اہل بدعت کو دوسرے فساق سے زیادہ سخت عذاب ہوگا حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک جگہ میرا گذر ہوا تو کچھ ایسا معلوم ہوا کہ اہل قبور کو عذاب ہو رہا ہے ہمنے اُنکے

لئے دعا کی تو معلوم ہوا کہ اہل بدعت کے سوا سب کی اُسوقت مغفرت ہوگئی اسی لئے یوں تو سب
گناہوں سے مسلمان کو بچنا چاہئے کیونکہ مقصود اعلیٰ نجات اکمل ہی ہے اور وہ بدون گناہوں
سے بچے حاصل نہیں ہو سکتی مگر بدعت سے بہت زیادہ اجتناب ضروری ہے کیونکہ بدعت
حق تعالیٰ شانہٗ کو بہت مبغوض ہے اس لئے کہ دیگر اعمال تو لوگ حرام اور گناہ سمجھ کر
کرتے ہیں اور افعال بدعت کو نیکی سمجھ کر کرتے ہیں اس سے توبہ کی بھی توفیق نہیں ہوتی
ان ہی میں سے منکرات متعلقہ رسم مولد بھی ہیں یہاں تک تو پہلا مضمون تھا جسکا ہمیشہ سے
بیان کرنے کا معمول ہے یعنی رسم میلاد کا جو کہ ختم ہو چکا اس جزو کا نام الحبور لنور الصدور
ہونا چاہئے کیونکہ جو نور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صدور یعنی قلوب میں ہے اور وہ قیامت میں
معلوم ہوگا اور اس سے جنتیوں میں خوشی حاصل ہوگی یہ اُسکا تذکرہ تھا اب دوسرا مضمون
جو بعد میں منضم ہوا ہے یعنی بیان تبرکات نبویہ کا بھی جو کہ ربیع الاول کے متعلق ہے۔ اور
گیارھویں کا بیان بھی جو کہ ربیع الثانی کے متعلق ہے شروع کرتا ہوں لوگوں سے ان دونوں
میں زیادتی ہو رہی ہے میں ہر ایک کو الگ الگ بیان کروں گا تبرک نبوی میں ایک تو
وہ ہی زیادتی کی جا رہی ہے جو اور بدعات میں ہے کہ اس کو لوگوں نے عید بنا رکھا ہے
اس باب میں اکثر لوگ یہاں تک کہ بعض طلبہ بھی شک میں ہیں یوں سمجھتے ہیں کہ اس میں کیا
حرج ہے جبۂ نبوی کی زیارت باعث برکت ہے اگر کوئی صرف زیارت کی نیت سے چلا جائے
تو مضائقہ نہیں معلوم ہوتا۔ مجھ سے ایک طالب علم نے جنکا مکان جلال آباد میں ہے اور
جُبۂ شریف کے مکان کے پاس اُن کی دوکان ہے سوال کیا کہ میں دوکان پر بیٹھکر جبّہ کی
زیارت کر لوں گا مگر میں نے اُس کی اجازت نہیں دی کیونکہ وہ مجمع بالکل میلوں عُرسوں کی
طرح ہوتا ہے تاریخ کی تعیین ہوتی ہے۔ دعوت ہوتی ہے۔ دور سے آدمی آتے ہیں۔ عورتوں
کا اجتماع بھی ہوتا ہے ایسے لوگ جو نماز بھی نہیں پڑھتے زیارت کرنے آتے ہیں حالانکہ
زیارت جبۂ شریف نادرودہ کی برابر کبھی نہیں ہو سکتی حدیث لا تتخذوا قبری عیدا
سے اسکی نفی بھی ہوگئی کیونکہ جبۂ شریف کی فضیلت قبر شریف کی برابر نہیں ہو سکتی گو اسمیں
یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ مثل یوم ولادت وغیرہ کے اسمیں بھی تبدل ہو گیا اگرچہ عدم تبدل

الحبور لنور الصدور

کا یقین بھی نہیں مگر خیر جو بات دل میں نہیں اس کو زبان پر بھی نہ لانا چاہیئے مگر ایک دوسری بات مابہ الامتیاز یہاں بھی موجود ہے کہ اس وقت وہ ملبوس جسد اطہر سے مماس نہیں اور قبر شریف کو شرف تماس حاصل ہے اسی لیئے جُبّہ نبوی کو کسی نے عرش سے افضل نہیں کہا پس جب قبر کا عید بنانا حرام ہے تو ملبوس شریف کو عید بنانا کیسے جائز ہوگا۔ کہیں کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے موے مبارک اس وقت تک موجود ہیں عید بنانا اُن کی بھی جائز نہیں کیونکہ اگرچہ بظاہر یہ خیال کرے کہ موئے مبارک جزو بدن ہے قبر سے افضل معلوم ہوتا ہے مگر قبر میں اتصال اور تماس کی ایسی فضیلت موجود ہے جو موے مبارک کو بالفعل حاصل نہیں اس لئے دونوں خیر مساوی ہوئے۔ موے مبارک جزو ہے مگر اب مماس نہیں اور قبر شریف جزو نہیں مگر مماس ہے تو دونوں برابر ہوئے اور ایک مساوی سے دوسرے مساوی کا حکم معلوم ہو سکتا ہے پس حدیث لا تتخذوا قبری عیداً سے موے مبارک کو عید بنانا حرام ہو گیا یہ حضور کی غایت بلاغت ہے کہ آپ نے قبر کو ذکر میں اختیار فرمایا جس سے ملبوس وشعر وغیرہ سب کے احکام خود بخود معلوم ہو گئے علاوہ ازیں صحابہ اور سلف صالحین نے تعیید کو کبھی اختیار نہیں کیا حالانکہ اُن کے پاس ہم سے زیادہ تبرکات نبویہ موجود تھے اور انکو ہم سے زیادہ ثواب کے کاموں میں سبقت تھی اگر یہ کوئی خیر ہوتی تو سلف ہی اس کی کچھ تو قدر کرتے مگر ایک سوال رہ گیا کہ صحابہ میں عید کی طرح اجتماع نہ تھا تو آخر تبرکات کے ساتھ اُنکا برتاؤ کیا تھا۔ تو اس کے لئے میں نے چند احادیث ایک پرچہ پر لکھ لی ہیں کیونکہ اُن کا بلفظہ یاد رکھنا دشوار تھا اسوقت اُن کو نقل کیے دیتا ہوں عن عثمان بن عبداللہ بن وھب قال فارسلنی اھلی الی ام سلمۃ بقدح من ماء وکان اذا اصاب الانسان عین او شیئ بعث الیہا مخضبۃ لہا فاخرجت من شعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانت تمسکہ فی جلجل من فضۃ فخضخضۃ لہ فشرب منہ قال فاطلعت فی الجلجل فرأیت شعرات حمراء رواہ البخاری عثمان بن عبداللہ بن وہب سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے گھر والوں نے حضرت ام المومنین ام سلمۃ رضی اللہ تعالی عنہا کے پاس ایک پیالہ پانی کا دیکر بھیجا اور یہ قاعدہ تھا

صحابہ و سلف کا تبرکات کے ساتھ معاملہ

کہ جب کسی انسان کو نظر وغیرہ کی تکلیف ہوتی تو حضرت ام سلمہ کے پاس پانی کا پیالہ بھیجدیتا اُن کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ بال تھے جن کو اُنھوں نے چاندی کی نلکی میں رکھ رکھا تھا پانی میں اُن بالوں کو ہلا دیا کرتی تھیں اور وہ پانی بیمار کو پلا دیا جاتا تھا راوی کہتے ہیں کہ میں نے جو جھانک کر نلکی کو دیکھا تو اس میں چند سُرخ بال تھے اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ ایک صحابیہ کے پاس نلکی میں بال رکھے ہوئے تھے جنکے ساتھ یہ برتاؤ کیا جاتا تھا کہ بیماروں کی شفاء کے لئے اس کا غسالہ پلا دیا جاتا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خضاب کے بارہ میں اختلاف ہوا ہے صحیح یہ ہے کہ حضور کے بال پکنے لگے تھے جس سے دیکھنے والوں کو خضاب کا شبہہ ہوتا تھا ورنہ حضور نے کبھی خضاب نہیں کیا کیونکہ حضور کے کل سفید بال قریب بیس کے تھے یا کچھ زائد۔ نلکی پر مجھے ایک واقعہ یاد آ گیا کہ ایک تھانہ دار کے یہاں ایک شخص نے رپٹ لکھوائی کہ میری فاتحہ چوری ہو گئی داروغہ صاحب کو بڑی حیرت ہوئی کہ یا اللہ فاتحہ کیا اور اسکا چوری ہونا کیسا پوچھا تو قصہ بیان کیا کہ ہمارا ایک پیر ہے جب وہ آیا کرے ہے تو ہمارے کھانے کی فاتحہ دیا کرے ہے اور جب جاوے ہے ایک نلکی میں فاتحہ بند کر دے ہے کہ سال بھر تک اس سے کام لیتے رہیو پھر میں آ کر دوبارہ پڑھ دونگا تو وہ نلکی چوری ہو گئی۔ عن اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالی عنہما انہا اخرجت جبۃ طیالسیۃ کسروانیۃ بسنۃ دیباج وفرجیہا مکفوفین بالدیباج وقالت ھذہ جبۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانت عند عائشۃ فلما قبضت قبضتہا وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یلبسہا فنحن نغسلہا للمرضی نستشفی بہا رواہ مسلم حضرت اسما بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے ایک جُبہ طیلسانی کسروی نکالا جسکے گریبان اور دونوں چاک پر ریشم کی سنجاف لگی ہوئی تھی اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبّہ ہے جو حضرت عائشہ کے پاس تھا ان کی وفات کے بعد میں نے اسے لے لیا حضور اس کو پہنا کرتے تھے ہم اس کو پانی میں دھو کر وہ پانی بیماروں کو پلا دیتے ہیں شفا حاصل کرنے کے لئے اس حدیث پر شاید بادی النظر میں کسی کو یہ شبہہ ہو کہ یہ جبہ حضرت عائشہ اور حضرت اسماء کے پاس کیونکر

رہا اور جبتک ترکہ نبوی تقسیم نہ ہوجائے۔ ان کو اس کے استعمال کا کیا حق تھا تو بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مال میں میراث جاری نہیں ہوتی بلکہ آپ کے مال میں تمام مسلمانوں کا حق تھا تو آپ کا ترکہ وقف تھا اور یہ حضرات اس کے متولی تھے پھر انکے اذن سے سب مسلمانوں کو بطریق برکت اس کے استعمال کا حق حاصل ہے اور باذن متولی کی قید اس لئے بڑھادی کہ شاید کسی کو یہ سنکر کہ حضور کا مال وقف ہے اس جبہ متعارفہ کے لینے کی فکر ہوئی ہو سو یاد رکھنا چاہئے کہ اگرچہ حضور کا ترکہ وقف ہے مگر وقف میں بدون اذن متولی کسی کو تصرف کرنا جائز نہیں۔ پس جبہ شریف کو اس کے خدام سے چھیننا یا بلا اجازت استعمال کرنا کسی کو جائز نہیں اور اس قسم کی باتوں کی ضرورت ہی کیا پڑی وہ خدام تو بیچارے خود ہی اپنے سر پر رکھ کر ہر شخص کے گھر لیجا کر زیارت کرادیتے ہیں البتہ روٹی اُن لوگوں کو دینا پڑے گی اس سے زیادہ وہ تم سے کچھ نہیں مانگیں گے یہ بھی جبہ شریف کی برکت کھلی ہوئی ہے کہ اس کے خدام بے طمع ہیں۔

(خواب بابتہ جبہ شریف) احقر نے ایکبار یہ دیکھا کہ کوئی شخص اس کے چرانے کی فکر میں ہے میں نے خدام سے کہلا بھیجا کہ گو میرا خواب کوئی چیز نہیں مگر احتیاط کا مقتضا یہ ہے کہ جبہ شریف کی زیادہ حفاظت کیجاوے۔ وعن انس قال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتی منی فاتی الجمرۃ فرماھا ثم اتی منزلہ بمنیً ونحر نسکہ ثم دعا بالحلاق وناول الحالق شقہ الایمن فحلقہ ثم دعا ابا طلحۃ الانصاری فاعطاہ ایاہ ثم ناول الشق الایسر فقال احلق فحلقہ فاعطاہ ابا طلحۃ فقال اقسمہ بین الناس۔ ترجمہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں عرفات سے منیٰ میں تشریف لائے تو جمرہ عقبہ کے پاس پہونچے اور اس کی رمی کی پھر منیٰ میں جو مکان آپ کے لئے مقرر تھا اس میں تشریف لائے اور قربانی کے جانوروں کو ذبح کیا پھر حلاق کو بلایا اور اس کو سر کا داہنا حصہ اول دیا اس نے داہنے حصہ کو مونڈا پھر حضور نے ابوطلحہ انصاری کو بلایا اور وہ بال انکو عطا کئے پھر نائی کو سر کا بایاں حصہ دیا اور فرمایا مونڈو اُس نے بائیں حصہ کو بھی مونڈا آپ نے وہ

وہ بال بھی ابو طلحہ انصاری کو دیئے اور فرمایا کہ اس کو لوگوں میں تقسیم کر دو۔ یہاں سے ایک بات پر تنبیہ کر دینا مناسب ہے وہ یہ کہ نائی کو آجکل حجام کہتے ہیں یہ لفظاً غلط ہے حجام اصل میں پچھنے لگانے والے کو کہا جاتا ہے۔ نائی کو عربی میں حلاق کہتے ہیں مگر ممکن ہے کہ کسی زمانہ میں یہ قوم پچھنے لگانے کا پیشہ بھی کرتی ہو اس وجہ سے اُس وقت اس کام کی مناسبت سے حجام لقب پڑ گیا ہوگا۔ پھر اس پیشے کے چھوڑ دینے کے بعد بھی لقب باقی رہا۔ ایک شاعر نے حجام کو خوب دھمکایا ہے کہ تو بڑا بے ادب ہے خط پروردگار میں اصلاح دیتا ہے یعنی ڈاڑھی وغیرہ خدا کی پیدا کی ہوئی چیزیں ہیں تو اُن میں اصلاح دیتا ہے تو خط پروردگار کو درست کرتا ہے یہ شاعر بھی کسی کو نہیں چھوڑتے شعر یہ ہے ؎

حجام ہر دو دست تُرا قطع واجب است — اصلاح میدہی خطِ پروردگار را

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے بہت مقدار میں اپنے موئے مبارک صحابہ میں تقسیم فرمائے ہیں اور ظاہر ہے کہ صحابہ شرقاً وغرباً منتشر ہو گئے تھے تو اگر کہیں موئے مبارک پایا جائے تو جلدی سے اُس کا انکار نہ کر دیا جائے بلکہ اگر سند صحیح سے اُس کا پتہ معلوم ہو جائے تب تو اس کی تعظیم کیجاوے ورنہ اگر یقینی دلیل افتراء و اختراع کی نہ ہو تو سکوت کیا جائے یعنی نہ تصدیق کی جائے نہ تکذیب مشتبہ امر میں شریعت نے ہمیں یہی تعلیم دی ہے۔ قال علیہ السلام لا تصدقوا اهل الكتاب ولا تكذبوهم وقولوا امنا بالله وما انزل الينا رواه البخاری قال فی المرقاة وفيه اشارة الى التوقف فيما استشكل من الامور والعلوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب کرو بلکہ کہو کہ ہم اللہ پر اور اُس کی کتاب پر جو کہ ہماری طرف نازل ہوئی ایمان لاتے ہیں ملا علی قاری مرقاۃ میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس بات پر اشارہ ہے کہ جو امر اور جو مضمون علمی مشتبہ ہو اسمیں توقف کرنا چاہیئے جرأت کر کے ایک جانب کو بلا تیقن معین نہ کرنا چاہیئے اہل کتاب کے اقوال میں توقف اس لئے واجب ہے کہ قرآن سے توریۃ و انجیل کا کتاب اللہ ہونا بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب نے اُس میں تحریف بھی کی ہے اب جو مضمون وہ بیان کریں اُس میں یہ بھی شبہ ہے کہ کلام الٰہی ہو اور یہ بھی خدشہ ہے کہ اہل کتاب کے محرفات

میں سے ہو پس بلا دلیل مستقل کسی ایک جانب کی تعیین دشوار ہے اس لئے توقف واجب ہے یہی حال موے مبارک کا ہے کہ حضور نے بہت سے بال صحابہ کو تقسیم فرمائے ہیں اور ظاہر ہے کہ حضور کا بال جہاں بھی ہوگا اس کی حفاظت کی گئی ہے اس لئے عقل تقاضا کرتی ہے کہ اس میں سے کچھ بقایا ضرور موجود ہوگی مگر آجکل جھوٹ کا بھی بازار گرم ہے یہ بھی شبہہ ہے کہ طمع دنیا سے کہیں جھوٹ موٹ دعویٰ نہ کیا گیا ہو اس لئے اس کے بارہ میں بھی توقف واجب ہے نہ تصدیق کی جائے نہ تکذیب مگر سنا ہے مدینہ میں موے مبارک بسند معتبر موجود ہے شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ موے مبارک کے بارہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اگرچہ ہم نے موے مبارک پایا نہیں مگر اتنی خبر سنی ہے کہ دنیا میں موجود ہے سو تسلی کے لئے ہمیں اتنا بھی کافی ہے اُس پر یہ شعر تحریر فرماتے ہیں ؎

مرا از زلف تو موے پسند است ہوس را رہ مدہ بوے بسند است

شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ اشعار خوب موقع سے لاتے ہیں ایک مقام پر جہاں حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات کا حال آیا ہے کہ ایک دن حضور نے حُجرہ شریفہ کا پردہ اُٹھا کر صحابہ کو جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا اور آپ مسرور ہوئے صحابہ فرماتے ہیں کہ حضور کا چہرۂ مبارک دیکھ کر قریب تھا کہ ہم نمازیں توڑ دیں کہ حضور نے اشارہ سے سب کو سکون کا حکم فرمایا۔ اس جگہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شعر بہت اچھا لکھا ہے ؎

در نمازم خمِ ابروے تو چوں یاد آمد حالتے رفت کہ محراب بفریاد آمد

وعن ام عطية فى قصة غسل زينب بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم وتكفينها انها قال فالقى حقوه فقال اشعرنها اياه قال الشيخ فى اللمعات وهذا الحديث اصل فى البركة بآثار الصالحين ولباسهم حضرت ام عطیہ حضرت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل وکفن کے واقعہ میں روایت کرتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تہ بند ہمارے پاس ڈالدیا کہ اس کو مرحومہ کے بدن سے مماس کرکے پہناؤ یعنی سب سے نیچے اس کو رکھو تاکہ اس کی برکت بدن سے متصل رہے حضرت شیخ

عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ لمعات شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث آثار وملبوسات صالحین سے برکت لینے میں اصل ہے معلوم ہوا کہ تبرکات سے برکت حاصل کرنے کا ایک یہ بھی طریقہ ہے کہ بعد موت کے اس کو کفن میں رکھدیا جائے مگر اس سے قرآن اور دعاؤں کی کتابوں کا کفن میں رکھنا جائز نہ ہوگا کیونکہ اس میں اُن کا احترام باطل ہو جاتا ہے کیونکہ قرآن کے ساتھ ناپاکی کا اتصال حرام ہے اور بدن میت چندروز کے بعد پھولے پھٹے گا وہ نجاست قرآن کو بھی لگے گی اسی طرح وہ کتابیں جن میں دعائیں ہیں اور اللہ رسول کا نام جابجا ہے قابل احترام ہیں بلکہ الفاظ وحروف مطلقاً قابل احترام ہیں بلکہ سادہ کاغذ بھی بوجہ آلۂ علم ہونے کے قابل احترام ہے بعض لوگ فرعون وہامان کا نام لکھ کر اُس پر جوتے مارتے ہیں یہ بالکل لغو ومہمل حرکت ہے اُس پر تو بس نہ چلا الفاظ ہی کی بے حرمتی پر بہادری دکھلائی یہ لوگ تو وہ تھے جو فرعون کے لفظ کی بے حرمتی کرتے ہیں اور ان کے مقابل بعض وہ لوگ ہیں جو اس لفظ کی ایسی حرمت کرتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ کے احسان وانعام کے تذکرہ کا ایک صنعت سے اس کو عنوان بناتے ہیں چنانچہ مثنوی کے ایک محشی نے موسیٰ علیہ السلام کی فتح کے قصہ کو ان الفاظ سے بیان کیا ہے لفر عون الٰہی فرعون بدریائے نیل غرق شد بھلا کوئی انسے پوچھے کہ فرعون الٰہی یہ ترکیب کتنی فصیح ہے مگر مقصود تو یہ تھا کہ فرعون کے قصہ میں خدا کی مدد کا بیان بھی اسی کے نام سے ہو استغفر اللہ العظیم یہ سخت واہیات ہے اسی طرح آج کل یہ دستور شائع ہو گیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کے احسانات وانعامات کا عنوان پیر کے نام سے قرار دیا جاتا ہے مثلاً شاہ فضل الرحمٰن صاحب کے مریدین اپنے اوپر فضل واحسان خداوندی کے تذکرے کریں گے تو سارے الفاظ چھوڑ کر یہ لکھیں گے کہ "بفضل رحمان" اسی طرح ہمارے سلسلہ میں بعض لوگ خطوں میں "بامداد اللہ" لکھتے ہیں مجھے تو اس سے سخت نفرت ہے اور اسمیں شرک کی بو آتی ہے اب تو یہ صرف عادت ہے مگر یاد رکھو کہ چندروز کے بعد یہ عبادت ہو جائیگی غرض اس حدیث سے تبرکات وغیرہ کا قبر میں رکھنا جائز معلوم ہوا کیونکہ حضور نے اپنا ملبوس شریف تبرکاً کفن میں رکھنے کے لئے عطاء فرمایا ہے

مگر ہم کو تبرک کی نیت سے کسی کو کوئی چیز اپنا ملبوس وغیرہ دینا جائز نہیں کیونکہ حضور نبی تھے اور اپنی برکت کو آپ وحی سے جانتے تھے۔ ہمارے اوپر کونسی وحی اتری ہے کہ ہم بھی بزرگ اور صاحب برکت ہیں خاتمہ ایمان پر ہو جائے تو بسا غنیمت ہے میں نے ایک بار ایسی نادانی کی کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ اپنے کچھ حالات بطور سوانح کے لکھوا دیجئے آپ نے جواب دیا کہ کیا خوب اپنے ہی مُنھ میاں مٹھو بنوں۔ واقعی اپنے کو بزرگ سمجھنا کیسے ہو سکتا ہے اور تبرک ہوتا ہے بزرگوں کا پس اپنا تبرک کیسے دیا جائے۔ یہاں پر یہ اشکال نہ کیا جائے کہ مشایخ سے ثابت ہے کہ انھوں نے بعض دفعہ خود بخود بدون درخواست کے اپنے متعلقین کو اپنے تبرکات دئے ہیں اسکا جواب یہ ہے کہ وہ حضرات تبرکاً نہیں دیتے تھے بلکہ مرید کا جی خوش کرنے کے لئے دیتے تھے کہ مرید کو یہ معلوم ہو جائے کہ شیخ کو میرے حال پر توجہ بہت ہے یا اس خیال سے دیتے ہیں کہ لینے والے کو اس میں برکت کا گمان ہوگا تو اس کو اس خیال سے نفع ہوگا چنانچہ واقعی نفع ہوتا ہے ایک نفع تو میں نے خود محسوس کیا ہے کیرانہ میں ایک گوجر تھے۔ حاجی عبداللہ بڑے بزرگ آدمی تھے اُنھوں نے مجھے ایک چھینٹ کا جُبّہ دیا تھا جسکا یہ اثر تھا کہ جبتک میں اُسے پہنے رہتا تھا معاصی کا خیال نہ آتا تھا بلکہ معاصی سے نفرت رہتی تھی شاید پیروں کے کوئی معتقد یہ سوال کریں کہ شیخ کے تبرک کو پہنکر پاخانہ میں جانا جائز ہے یا نہیں۔ جواب یہ ہے کہ جائز ہے البتہ اگر غلبۂ ادب ہو تو واجب بھی نہیں اور ہر جائز کام کا کرنا ضروری کیا ہے خود میری یہ حالت ہے کہ جب جبہ شریف تھانہ بھون میں آتا ہے تو اگرچہ اُس مکان کی طرف جہاں وہ رکھا جاتا ہے پیر کرنا جائز ہے مگر غلبۂ ادب کی وجہ سے مجھ سے اس طرف پیر نہیں کیا جا سکتا یہ سب کچھ ہے مگر اس سے احکام نہیں بدل سکتے حکم شرعی وہی ہے کہ پیر کرنا اس کی طرف جائز ہے اور تبرکات کو پہنکر پاخانہ میں بھی جانا جائز ہے اور یوں کسی کو غلبۂ ادب ہو وہ ایسا نہ کرے مگر حکم یہی ہے۔ شرعی حکم کے سامنے نہ الہام کوئی چیز ہے نہ خواب و کشف کچھ ہے۔ شاہ نظام الدین اولیاء و قاضی ضیاء الدین سنامی رحمۃ اللہ علیہما کا قصہ ہے کہ حضرت سلطان جی سماع سنا کرتے تھے اور

حضرت نظام الدین و قاضی ضیاء الدین سنامی کی حکایت

قاضی صاحب ان کو رد کئے تھے حضرت سلطان جی نے فرمایا کہ اچھا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماویں کہ میں حق پر ہوں جب بھی مانو گے انھوں نے کہا اچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرادو حضرت سلطان جی نے اپنی چادر اُتار کر اُن کو اُڑھادی دیکھتے کیا ہیں کہ دربار رسالت قائم ہے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا مجمع ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن میں تشریف فرما ہیں اور ارشاد فرمارہے ہیں کہ فقیر کو کیوں تنگ کرتے ہو قاضی صاحب نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس وقت مجھے معلوم نہیں کہ میں کس حال میں ہوں ہوش میں ہوں یا بیہوش ہوں ایسی حالت کا سنا ہوا حکم معتبر نہیں ہو سکتا حکم وہی ہوگا جو کہ حضور سے ہوش و حواس کیحالت میں صحابہ نے نقل فرمایا ہے اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا حضرت سلطان جی نے چادر اتار لی اور کہا دیکھا بھی حضور نے کیا فرمایا قاضی صاحب نے جواب دیا کہ سنا بھی ہم نے کیا عرض کیا۔ تو صاحبو شریعت کے احکام کے سامنے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت منامیہ کے وقت کی سُنی ہوئی باتیں بھی حجۃ نہ ہوں گی کیونکہ احکام شرعیہ حضور سے اس طرح منقول ہیں جن میں ذرا شبہ کو گنجائش نہیں اور خواب یا کشف کی زیارت میں غلطی کا احتمال باقی ہے عن کبشۃ قالت دخل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فشرب من ماء فی قربۃ معلقۃ قائما فقمت الی فیہا فقطعتہا حضرت کبشہ صحابیہ فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے اور ایک لٹکے ہوئے مشکیزہ سے مُنھ لگا کر کھڑے کھڑے پانی پیا میں کھڑی ہوئی اور دہانہ مشک کو کاٹ کر تبرکاً اپنے پاس رکھ لیا۔ قال القاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فی الشفاء ومن اعظامہ صلی اللہ علیہ وسلم اعظام جمیع اسبابہ واکرام مشاھدہ وامکنتہ من مکۃ والمدینۃ ومعاھدہ وما لمسہ علیہ الصلوۃ والسلام وایضا قال کانت فی قلنسوۃ خالد بن الولید شعرات من شعرہ صلی اللہ علیہ وسلم فسقطت قلنسوتہ فی بعض حروبہ فشد علیہا شدۃ انکر علیہ اصحابہ لکثرۃ من قتل فقال لم افعلہا بسبب القلنسوۃ بل لما تضمنت من شعر النبی صلی اللہ علیہ وسلم لئلا اسلب برکتہا وتقع فی

تعظیم متعلقات نبوی کے ساتھ معاملہ

ایذای المشرکین الخ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ شفاء میں لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم میں سے یہ بھی ہے کہ حضور کے تمام متعلقات کی تعظیم کی جائے اور جس جگہ آپ تشریف لے گئے ہیں اُس کا اکرام کیا جائے اور مکہ مدینہ میں جن مکانات کو حضور سے کسی قسم کا انتساب ہے۔ ان کا احترام کیا جاوے ویسی ہی جن چیزوں کو آپنے لمس کیا ہے نیز شفاء میں حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کا واقعہ لکھا ہے کہ بعض لڑائیوں میں ان کی کلاہ سر پر سے گر پڑی تو اس کے لئے انھوں نے ایسا سخت حملہ کیا جو اُن کے ساتھیوں کو غیر معمولی معلوم ہوا کیونکہ اس حملہ میں بہت آدمی قتل ہوئے حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے یہ حملہ ٹوپی کی وجہ سے نہیں کیا تھا بلکہ اس میں حضور کے موئے مبارک تھے ان کی وجہ سے کیا تھا کہ مبادا کہیں میں اُن کی برکت سے محروم نہ ہو جاؤں اور یہ مبارک بال کفار کے ہاتھ میں پہونچ جائیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے۔ کہ چند کھجوریں حضور نے اُن کو دم کر دی تھیں جس کو انھوں نے ایک توشہ میں رکھ لیا تھا۔ اور اُن میں ایسی برکت ہوئی کہ ہمیشہ اُن میں سے کھاتے رہے یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعہ شہادت میں وہ اُنکے پاس سے کھوئی گئیں جسکا اُن کو بہت صدمہ ہوا چنانچہ اُنکا شعر بھی اس بارہ میں مشہور ہے ؎

للناس ھمٌّ ولی فی الیوم ھمّان   فقد الجراب وقتل الشیخ عثمان

کہ لوگوں کو ایک ہی غم ہے اور مجھے آج دو غم ہیں توشہ دان کے کھوئے جانیکا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کا حضرت ابو ہریرہ کو اُس برکت نبوی کے فوت ہو جانیکا غم تھا جو اُن چھواروں میں تھی عشاق کی یہی حالت ہوتی ہے کہ محبوب کی ذرا ذرا سی چیز پر جان دیتے ہیں ؎

در منزلے کہ جاناں روزے رسیدہ باشد   با خاک آستانش داریم مرحبائے

عشاق کو تو اُسی حب منزل محبوب کی بناء پر جنت کی بھی تمنا اسی طمع و اشتیاق میں ہوگی کہ وہاں جنت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوں گے جنت

میں گو راحت تو انشاء اللہ ملے ہی گی مگر عشاق کو جنت کی اصل تمنا اور آرزو زیادہ اسی لئے ہوتی ہے کہ وہاں حضور کی زیارت ہوگی تو گویا جنت بھی آپ ہی کی ذات بابرکات سے مقصود ہوگئی اور جنت تو جنت آپ کی تو یہ شان ہے کہ دنیا میں بھی جس حصۂ زمین پر آپ ہوں وہ مقصود ہوجاتا ہے حتی کہ حق تعالیٰ کی قسم تک میں وہ مقصود ہوجاتا ہے چنانچہ ارشاد ہے لا اقسم بھذا البلد وانت حل بھذا البلد اس کی تفسیر میں بعض مفسرین نے واؤ حالیہ قرار دیا ہے پس معنی یہ ہوں گے کہ میں اُس شہر کی قسم کھاتا ہوں اس حال میں کہ آپ اُس میں مقیم ہیں یعنی آپ کی اقامت کی وجہ سے یہ شہر اس درجہ مکرم ہوگیا کہ خدا تعالیٰ اُس کی قسم کھاتے ہیں۔ پس اس بناء پر کہ جب جنت میں ہو جاؤگے تو ایک خوشی تو ہوگی راحت ملنے کی اور غم کے زائل ہونے کی کہ اللہ کا شکر ہے دنیا کے مصائب سے نجات ہوگئی چنانچہ حق تعالیٰ نے جنتیوں کا قول نقل فرماتے ہیں کہ اہل جنت کہیں گے الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن ان ربنا لغفور شکور الذی احلنا دار المقامۃ من فضلہ لا یمسنا فیھا نصب ولا یمسنا فیھا لغوب یعنی حمد و شکر کرتے ہیں ہم اللہ کا جس نے ہم سے غم دور کردیا بیشک خدائے تعالیٰ بڑے بخشنے والے بہت قدردان ہیں جس نے اپنے فضل سے ہمیں اقامت کی جگہ میں پہونچا دیا (یعنی جنت مثل دنیا کے دار الارتحال نہیں بلکہ دار الاقامۃ ہے) نہ ہمیں اُس میں مشقت پہونچتی ہے نہ تھکن یہ خوشی تو طبعی ہوگی دوسری خوشی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہوگی اور یہ خوشی عشقی ہوگی مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ ایک قصہ کے ضمن میں تبریز کا ذکر فرماتے ہوئے مولانا شمس تبریز کو یاد کرکے تبریز کے حق میں کہتے ہیں ؎

ابر کی یا ناقتی طاب الامور — ان تبریزا مناجات الصدور
اسرجی یا ناقتی حول الریاض — ان تبریز النا نعم المفاض
ساربانا بار بکشا زاشتراں — شہر تبریز است وکوی گلستاں

یہ اشعار زبان حال سے جنت میں جانے کے وقت پڑھنے کے قابل ہوں گے پس ابر کی اور اسرجی یا ناقتی جب جنت میں پڑھیں گے تو وہاں ناقہ سے مراد جسم ہوگا یعنی اے

بدن ٹھہر جا اور خوب کھا پی اب تعب نہیں رہا مشقت کے دن گئے اب تبریز حقیقی آ گیا تو یہ جسم اوٹنی ہے جو روح کا مرکب ہے اور اس پر سوار ہو کر ہم اعمال کرتے ہیں اور اس مرکب ہونے کے لحاظ سے یہ اعضاء بھی قابل قدر ہیں کہ اعمال صالحہ کا ذریعہ ہیں عارفین کو اپنے بدن کے ساتھ جو محبت ہوتی ہے وہ اسی وجہ سے ہوتی ہے کہ ایک عارف کہتے ہیں ؎

نازم بچشم خود کہ جمالِ تو دیدہ است — اُفتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

ہر دم ہزار بوسہ زنم دستِ خویش را — کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

یعنی محبوب تک رسائی ہونے میں چونکہ ان کو دخل ہے اس وجہ سے یہ رتبہ ان اعضاء کا ہو گیا کہ یہ قابل بوسہ کے ہیں اور باعث ناز ہیں اور جب اس تعلق سے قطع نظر کیجائے تو اس حالت میں یہ اُس کے مصداق ہیں جو دوسرے صاحب حال کہتے ہیں ؎

بخدا کہ رشکم آید ز دو چشم روشنِ خود — کہ نظر دریغ باشد بچنیں لطیف روئے

یا جیسے حضرت قلندر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم — گوش را نیز حدیثِ تو شنیدن ندہم

یعنی میری نظر ہونے کے لحاظ سے یہ بھی غیر ہے اور قابل غیرت ہے اور اس حیثیت سے کہ آپ کا عطیہ ہے قابل قدر و باعث فخر ہے چنانچہ اُس کے بعد ہی بینم کا مقصود ہونا اسی اعتبار سے فرماتے ہیں ؎

گر بیاید ملک الموت کہ جانم ببرد — تا نہ بینم رُخِ تو روح رمیدن ندہم

پس ناقۂ بدن کو من حیث آلۃ الوصول گویا جنّتی بلسان حال خطاب کرتا ہے ابرکی یا ناقتی اور اسرحی یا ناقتی اور عجیب بات ہے کہ ان اشعار میں بھی حول الریاض آیا ہے اور جس آیۃ کا بیان ہو رہا ہے اُس میں بھی فی روضۃ وہی مادہ واقع ہے پس یہ عجیب تطابق ہے لفظاً بھی معنیً بھی اور فی روضۃ کے بعد جو یحبرون آیا ہے مضمون مقصود کا نام المجبور بھی اسی لئے رکھا گیا ہے بہرحال جنت میں جانا حبور ہے تو جنت میں جانے کا سبب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدوم و اتباع کی برکت ہے اصل الحبور ہے پھر بقیہ مضمون تبرکات کا

معروض ہے وایضاً قال القاضی وحکی عن عبد الرحمٰن السلمی عن احمد بن فضلویہ الزاہد وکان من الغزاۃ الرماۃ انہ قال ما مسست القوس بیدی الا علی طہارۃ منذ بلغنی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخذ القوس بیدہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تابعی کی حکایت بیان فرمائی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ جب سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کمان کو اپنے دست مبارک میں لیا ہے اُسوقت سے بے وضو کمان کو میں نے کبھی ہاتھ میں نہیں لیا۔ اللہ اکبر کیا ٹھکانا ہے ادب کا کہ جس چیز کا ہاتھ میں لینا حضور سے ثابت ہو گیا اُس کی مثل کو بھی بے وضو کبھی نہ چھُوا یہ تو سب کر سکتے ہیں کہ جس چیز کو حضور نے خود مَس فرمایا ہے اُس کو بے وضو ہاتھ میں نہ لیا جائے مگر یہ بات کہ اُس کی نوع میں سے بھی کسی کو بے وضو نہ چھُوا جائے یہ غایت ادب ہے وایضاً قال القاضی عیاض رأی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ واضعا یدہ علی مقعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم من المنبر ثم وضعہا علی جبہتہ قاضی عیاض حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اپنا ہاتھ منبر نبوی پر نشستگاہ نبوی سے مس کر کے اپنی پیشانی کو ملتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز ملبوس نبوی سے مس کی گئی ہو اس میں بھی برکت ہوتی ہے مگر اس سب کے ساتھ اُن کو عید نہ بنانا چاہئے کیونکہ سمجھنے کی بات ہے کہ ان چیزوں کی قدر کس لئے ہے اسی لئے نا کہ یہ حضور کی چیزیں ہیں۔ پھر احکام بھی تو حضور ہی کے ہیں اُن کی بھی تو قدر کرنی چاہیے اُن میں بھی تو برکت ہے اُس برکت کو بھی تو لینا چاہیے غرض وہ جو سوال کیا گیا تھا کہ سلف صالحین کا تبرکات کے ساتھ کیا برتاؤ تھا ان روایتوں سے اُس کا جواب معلوم ہو گیا ان ہی کے موافق ہم کو بھی عمل کرنا چاہیے اس سے زیادہ تعدی نہ کرنی چاہیے بعض لوگ یہاں تک غلو کرتے ہیں کہ جبہ شریفہ کے لئے نذریں مانتے ہیں فقہائے اس کو حرام لکھا ہے کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت مخلوق کے لئے نہیں ہوسکتی عبادت خالق جل وعلیٰ شانہ کے لئے خاص ہے۔ بحر الرائق میں اسبات پر اجماع نقل کیا ہے کہ نذر ماننا مخلوق کے لئے سب کے نزدیک اتفاقاً حرام ہے

بعض محبین کی حکایت

بدعات کے لئے وقف ناجائز اور باطل ہے

نہ وہ نذر منعقد ہوگی اور نہ اس کا پورا کرنا ذمہ میں واجب ہوگا اور وہ حرام بلکہ سخت حرام ہے۔ مجاوروں کو اُس کا لینا۔ کھانا اور اُس میں کسی قسم کا تصرف کرنا جائز نہیں۔ اصل عبارت یہ ہے فی البحر النذر للمخلوق لایجوز لانہ عبادۃ والعبادۃ لا یکون للمخلوق وفیہ الاجماع علی حرمۃ النذر للمخلوق ولا ینعقد ولا تشتغل الذمۃ منہ وانہ حرام بل سحت ولا یجوز لخادم الشیخ اخذہ ولا اکلہ ولا التصرف فیہ بوجہ من الوجود بعض لوگ جُبّہ شریف کے عرس وغیرہ کے لئے زمینیں وقف کرتے ہیں تو یاد رکھئے اگر وقف کرنے والے کی نیت اس وقف سے یہی ہے کہ ان بدعات وخرافات میں اُس کا روپیہ صرف کیا جائے تب تو یہ وقف باطل ہے جائز نہیں اور وقف کرنے والا گنہگار ہے وفی العالمگیریہ ومنہا ان من شرائط صحتہ ان یکون قربۃ من ذاتہ وعند التصرف الخ یعنی صحت وقف کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ جس کام کے لئے وقف کیا گیا ہے وہ فی نفسہ بھی قربت ہو اور وقت تصرف کی بھی قربت ہو اور ظاہر ہے کہ عرس وغیرہ کا دلائل شرعیہ سے حرام ہونا معلوم تو اُسکی نیت سے وقف بھی صحیح نہ ہوگا اور نہ اس کے لئے چندہ دینا درست ہوگا البتہ اگر اس نیت سے وقف کیا جائے کہ جو فقراء ومساکین اسکی زیارت کو حاضر ہوں اُنپر صرف کیا جائے اور جو لوگ اس کے متولّی ہوں وہ بھی بقدر حاجت اسمیں سے لیا کریں تو یہ وقف صحیح ہے اور اس نیت سے خدام جبّہ کو کچھ دینا بھی جائز ہے

جبہ شریف کے لئے نذریں ماننا حرام ہیں

غرض جُبّہ شریف کے لئے نذریں ماننا بالکل حرام ہے اس سے مسلمانوں کو احتراز لازم ہے بعض لوگ نذر کے پیسے جبّہ شریف کے اوپر لاکر رکھتے ہیں اور یہ اعتقاد کرتے ہیں کہ معاذ اللہ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو دست مبارک میں لیتے ہیں۔ استغفر اللہ العظیم کیا یہ ناپاک چیز یں اسی قابل ہیں کہ جبہ شریف پر اُن کو رکھا جائے اور یہ اعتقاد کیا جائے کہ حضور ان کو دست مبارک میں لیتے ہیں واقعی جب ادب میں غلو ہوتا ہے تو بے ادبی ہونے لگتی ہے اور کرنے والوں کی آنکھوں پر ایسے پردے پڑجاتے ہیں کہ اُن کو ذرا بھی عقل نہیں آتی بھلا یہ گندے پیسے جو چمار اور بھنگیوں کے ہاتھوں میں بھی جاتے

ہیں جبہ شریفہ پر رکھنے کے قابل ہیں سچ کہا کسی نے توقع زوالا اذا قیل تم کہ جب کوئی چیز کمال کو پہنچ جاتی ہے اب اس کے زوال کی توقع کرو کیونکہ کمال کے بعد آگے کوئی مرتبہ رہا نہیں لامحالہ اب پیچھے کو لوٹیں گے بالکل یہی حال ہو رہا ہے کہ ادب میں غلو کرتے کرتے اب بے ادبی کی طرف لوٹنے لگے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اعتدال سے ہر کام کرنا چاہئے اس مضمون کا پہلا جزو جوکہ تبرکات کے متعلق تھا ختم ہوا اب دوسرا جزو کہ وہ بھی اسی مضمون کے متعلق ہے اور پھر دونوں جزو ملکر ایک ہیں وہ بیان کرتا ہوں اور وہ دوسرا جزو گیارھویں کے متعلق ہے۔ اس روز لوگ حضرت غوث الاعظم سیدنا عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی گیارھویں مناتے ہیں اول تو لاتتخذو قبری عیدا سے اسکا بھی رد ہو گیا کیونکہ مثل یوم المیلاد وغیرہ کے یہ دن بھی مبتدل ہو گیا جب غیر مبتدل یعنی قبر نبوی کا عید بنانا حرام ہے تو مبتدل یعنی بڑے پیر صاحب کی گیارھویں کا عید بنانا کیسے جائز ہو گا دوسرے یہ تاریخ حضرت کی وفات کی کسی مورخ نے نہیں لکھی نہ معلوم عوام نے گیارھویں تاریخ کس کشف والہام سے معلوم کر لی۔ بعض لوگ ایک روایت نقل کرتے ہیں۔ کہ حضرت غوث الاعظم خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارھویں کیا کرتے تھے تو اول تو یہ روایت ثابت نہیں اسکا ثبوت دینا چاہئے دوسرے اگر ہو بھی تو کیا تم حضرت غوث اعظم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کرتے ہو کہ رسول کی گیارھویں چھوڑ کر بڑے پیر صاحب کی گیارھویں کرتے ہو یہ تو اُن کے بھی خلاف ہے کیونکہ اگر بالفرض وہ گیارھویں رسول کی کیا کرتے تھے تو اس کو ہرگز وہ گوارا نہ کر سکتے تھے کہ میرے بعد بجائے رسول کے میری گیارھویں کی جاوے۔ تیسرے اسمیں عقیدہ بھی فاسد ہے کہ لوگ حضرت غوث اعظم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر سمجھتے ہیں کہ حضور کا میلاد کرتے ہیں تو بڑے پیر کی گیارھویں بلکہ بعض جگہ حضرت غوث اعظم کا میلاد بھی ہونے لگا۔ گویا بالکل ہی رسول کے مساوات ہو گئے اور غضب ہے کہ کرنے والوں کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ اگر گیارھویں نہ کریں گے تو بلا نازل ہو گی بڑے پیر صاحب ناخوش ہو جائیں گے اور پھر نہ معلوم کیا سے کیا کر دیں گے گویا نعوذ باللہ

گیارھویں کرنے والوں کی تاریخ غلط

وہ مخلوق کو تکلیف دیتے پھرتے ہیں نیز گیارھویں کرنے والوں کو مال واولاد کی ترقی کا باعث سمجھتے ہیں اسمیں حضرت غوث اعظم سے دنیا کے لئے تعلق رکھنا ہوا یہ کیسی بیحیائی ہے کہ جس مردار کو وہ چھوڑ کر الگ ہوگئے تھے اسی کے لئے انسے تعلق کیا جائے۔ غرض گیارھویں کے اندر بھی عملی اور اعتقادی بہت سی خرابیاں ہیں اس کو چھوڑنا چاہئے اگر کسی کو حضرت غوث اعظم کے ساتھ محبت کا دعوی ہو تو کچھ قرآن پڑھکر اُن کی روح کو ثواب بخشدے یا بلا تعیین تاریخ وغیرہ غربا کو کھانا کھلادے۔ اب میں وعظ کو ختم کرتا ہوں اور اس دوسرے حصہ وعظ کا نام **الحضور لامور الصدور** رکھتا ہوں اسمیں صدور جمع ہے صدر کی جسکے معنی ہیں عظیم الشان چونکہ اسمیں تبرکات کی زیارت وغیرہ کا ذکر ہے اس لئے یہ نام مناسب ہے یہ تو ہر حصہ کا الگ الگ نام ہے۔ پھر جی چاہتا ہے کہ مجموعہ کا نام بھی رکھدیا جائے تو مجموعہ کا نام **رأس الربیعین** ہے وجہ اس نام کی یہ ہے کہ جزو اول اس نام کا یعنی لفظ رأس بمعنی طرف ہے جسکا اطلاق کبھی طرف اول پر کبھی طرف اخیر پر آتا ہے اور آج کا دن ایک ماہ کا محتمل ختم اور دوسرے ماہ کا محتمل آغاز ہے اور جزو ثانی کے معنی ظاہر ہیں اور لطیفہ اسمیں یہ بھی ہے کہ یہ نام اس سے پہلے والے وعظ کے نام کے بھی یعنی اساس الربیعین کے مناسب[ع] ہے اگر کوئی صاحب شایع کریں تو دونوں کو الگ الگ شایع نہ کریں کیونکہ میرا لطیفہ ربیعین کا ضایع ہوجائیگا اس کے متعلق میں نے ایک خواب کانپور میں سُنا تھا جب جامع مسجد کانپور کے وسیع کرنے کا خیال ہوا تو ایک مینار کو توڑنے کی رائے ہوئی تاکہ بیچ میں مینار واقع نہ ہو بلکہ مسجد کو بڑھاکر کنارہ میں نیا مینار تعمیر کیا جاوے تو ایک شخص نے رات کو خواب میں دیکھا کہ دونوں مینار گلے مل کر رو رہے ہیں اللہ اکبر جمادات میں بھی اُنس کا مادہ ہے کہ ایک کو دوسرے کی جدائی کا صدمہ ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ دونوں وعظ باہم متناسب اور ہموزن ہیں اور قریب قریب مضمون کے بھی ہیں اور ایک ہی وقت میں بیان ہوئے ہیں اس لئے ان میں بھی جدائی نہ کی جائے۔ اگرچہ شرعاً جائز ہے۔

ع وجہ مناسبت ظاہر ہے کہ دونوں ناموں کے جزو اول باہم اور دونوں جزو ثانی باہم ہم قافیہ ہیں۔ ۱۲ منہ

سب مضمون کا خلاصہ یہ ہوا کہ بڑی خوشی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے اس بات پر ہونی چاہیئے کہ آپ کی برکت سے ہمیں ایمان اور اعمال کی توفیق ہوئی اور یہ خوشی جنت میں جا کر پوری طرح محسوس ہوگی جس کی آیتہ میں بشارۃ ہے فاما الذین امنوا و عملوا الصلحت فھم فی روضۃ یحبرون ۝ اب دعا کیجیئے کہ حق تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائیں آمین ۔

اس سال یہ مضمون ربیع الاول کے بالکل اخیر میں ہوا جسمیں منجانب اللہ یہ لطیفہ ہوگیا کہ وقت کا التزام نہ رہا اور انشاء اللہ کبھی ایسا بھی ہوگا کہ اسکے متعلق بالکل ہی بیان نہ ہوگا تاکہ التزام کا بالکل وہم بھی نہ رہے فقط والحمد للہ رب العالمین ۔

الشذور

فی حقوق بدر البدور

انقلابات امت کی اصلاح متعلق بحضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم

بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

آپ کے جو احسانات و عنایات امت کے حال پر متوجہ و مبذول ہیں اُن کی کمیت و کیفیت پر نظر کرکے یہ حکم یقینی ہے کہ آپ کے حقوق امت کی گردن پر اسقدر کثیر ہیں کہ قیامت تک اُن سے سبکدوشی قریب بہ محال ہے لیکن باوجود کثرت کے وہ سب حقوق تین کلّی کے احاطہ میں آئے ہوئے ہیں۔ ایک محبت۔ دوسرے متابعت۔ تیسرے عظمت۔ اور ہر چند کہ ان تینوں میں اپنی اصل حقیقت کے اعتبار سے باہم ایسا تعلق اور تلازم ہے کہ ایک کا وجود بغیر دوسرے کے ممکن ہی نہیں۔ لیکن بلا خیال معنی اگر صرف صورت کے درجہ کا لحاظ کیا جاوے تو یہ تینوں کہیں کہیں علیحدہ علیحدہ بھی خیال میں آسکتے ہیں۔ اور اسوقت چونکہ اکثر طبیعتیں محض صورت پر قناعت کئے ہوئے ہیں اس لئے اُن امور کا جُدا جدا موجود ہونا بکثرت واقع ہو رہا ہے اور اس معاملہ میں بھی بڑا جدید انقلاب ہے جس سے سلف صالح مبرا تھے۔ چنانچہ اُن حضرات کے تاریخی واقعات کو جو کہ مشہور اور کتب احادیث و سیر میں مذکور ہیں اسوقت کے اکثر مسلمانوں کے معاملات کے ساتھ (جنمیں سے کچھ بطور نمونہ ذیل میں بعنوان کوتاہی مرقوم ہوتا ہے) موازنہ کرنے سے اس حکم کی صحت بداہتہً معلوم ہوسکتی ہے اور اسی مضمون سے اسی انقلاب پر تنبیہ اور اس کی اصلاح کی طرف ترغیب توجہ مقصود ہے حاصل اس کا اختصار کے ساتھ یہ ہے کہ جو طبائع زمانہ کے جدید رنگ میں رنگے گئے ہیں اُنہیں تو یہ کوتاہی مشاہد ہے کہ وہ

جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس قدر دلچسپی رکھتے ہیں کہ دوسرے اقوام یا مذاہب سے مقابلہ کی گفتگو کے موقع پر آپ کی سوانح عمری میں یا آپ کے بعض اقوال وافعال کی حکمتوں میں سے (خواہ اُن کی حقیقت تک اُن کے ذہن کی رسائی ہو یا نہ ہوئی ہو) صرف وہ حصہ جس کو تمدن سے تعلق ہے محض اس غرض سے بیان کر دیتے ہیں کہ آپ کی عظمت اور آپ کے قانون کی عزت ظاہر ہو جاوے اور اسی کو اسلام کی خدمت اور آپ کے ادائے حقوق کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ باقی نہ اتباع کو ضروری سمجھتے ہیں نہ محبت کا کوئی اثر پایا جاتا ہے۔ بلکہ اتباع کو تعصب اور محبت کو وحشت سمجھتے ہیں۔ اور سبب خفی اسکا یہ ہے کہ اس زمانہ میں سب سے بڑا مقصد جاہ وعزت کو قرار دیا گیا ہے جسکے مطلوب ہونے کا ہم کو بھی انکار نہیں مگر کلام اسمیں ہے کہ آیا وہ مطلوب بالعرض ہے یا خود مطلوب بالذات ہے۔ بہر حال چونکہ اس کو کمال بالذات سمجھا جاتا ہے اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لاتعد ولاتحصی کمالات حقیقۃ عظیمۃ الشان میں سے اُنکی نظر اسی کا انتخاب کرتی ہے اور دوسرے کمالات کا مثل محبت الٰہی وخشیت وزہد وصبر وتربیت روحانی ومجاہدہ وشغل بحق ودیگر فضائل علمیہ وعملیہ کا کبھی ان کی زبان پر نام بھی نہیں آتا جسکا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ گویا آپ خاص اسی غرض کے لئے مبعوث فرمائے گئے تھے کہ ایک جماعت کو قوم بنا کر اُس کو دنیوی ترقی کے وسائل کی تعلیم فرماویں۔ تاکہ وہ دوسری قوموں پر سابق وفائق رہکر دنیا میں شوکت کے ساتھ زندگی بسر کرسکیں۔ کیا قرآن مجید وحدیث میں گہری نظر کرنے والا آپ کی تعلیم کا یہ خلاصہ نکال سکتا ہے۔ ان صاحبوں کو اپنی اصلاح کے لئے اس کی سخت ضرورت ہے کہ علماء محققین وعرفاء متحققین کی طول صحبت وملازمت کا التزام کریں اور ان کی خدمت میں کچھ عرصہ تک بالکل سکوت اختیار کرکے رہیں۔ خود ان کے اقوال متفرقہ وارشادات مختلفہ سے انشاءاللہ تعالیٰ ایک بڑی فہرست خیالات کی درست ہو جاویگی اس کے بعد جو شبہات رہجاویں اُن کو ادب کے ساتھ اُنکے حضور میں پیش کریں اور توجہ وانصاف کے ساتھ جواب سُنیں۔ ان کو اس زمانہ سکوت میں جو اصول وقواعد سُننے اور ذہن نشین کرنے کا اتفاق ہوا ہے وہ اصول ان جوابوں کے

سمجھنے میں نہایت معین ہوں گے۔ اور اطمینان و شفائے کلی میسر ہوگی اس طریق اصلاح کو جو حکمی مجرب ہے سرسری خیال نہ فرماویں اور نیز حدیث میں کتاب الرقاق و ابواب الزہد کا بار بار مطالعہ فرماویں۔ یہ کلام تو اُن لوگوں کے مذاق پر تھا جو نئی روشنی کے تابع ہو رہے ہیں۔ اب باقی دوسرے حضرات کی کیفیت معروض ہے کہ اُنہیں سے بعض میں محبت کے ظاہری آثار بھی پائے جاتے ہیں مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اشعار مدحیہ پڑھنا یا شوق سے سُننا اُن سے متاثر ہونا کیفیت طاری ہو جانا۔ کبھی رو پڑنا۔ کبھی نعرہ لگانا۔ کثرت سے آپ کے ذکر مبارک کی مجالس منعقد کرنا و مثل ذلک۔ لیکن اُنہیں یہ کوتاہی دیکھی جاتی ہے کہ اسکو کافی سمجھکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمودہ احکام کی بجا آوری اور متابعت کے اہتمام کو ضروری نہیں جانتے اول تو خود ان اعمال مذکورہ میں بھی جن کو وہ محبت کے عنوان سے اختیار کرتے ہیں بسا اوقات حدود شرعیہ کو محفوظ نہیں رکھتے پھر دیگر اعمال و معاملات میں تو نہ عنوان محبت رہتا ہے نہ اعمال محبت۔ کسی کو نماز کا یا جماعت کا اہتمام نہیں کسی کو رشوت و ظلم سے باک نہیں۔ کوئی مسکرات اور حرام لذات میں مُبتلا ہے۔ کوئی شرکیات و بدعیات کو دین سمجھکر کر رہا ہے۔ سبب اسکا بے علمی یا کم علمی ہے یا غلط علمی۔ اس کی اصلاح یہ ہے کہ کتب حدیث میں سے ابواب الایمان و ابواب العلم و باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ و ابواب الفتن و ابواب صفۃ جہنم و اہوال القیامۃ کو مدت تک مطالعہ میں رکھیں اور ان ابواب کے مطالعہ سے علماء متبعین سنت سے محبت اور اُن کی شناخت ہو جاوے گی۔ اُس وقت ایسے حضرات کی صحبت اختیار کرنا اس اصلاح اور علاج کی تکمیل اور پختگی ہو گی۔

اب صرف ایک جماعت اور رہ گئی کہ جنکو احکام کی متابعت کا ضروری ہونا پیش نظر ہے اور کم و بیش امکا اہتمام بھی ہے۔ مگر کوتاہی اتنی ہے کہ اُن ... کیفیت اور لیں[ع] کی نہیں آئی جو غلبۂ محبت کو لازم ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ ابھی ان میں اتباع کی حلاوت جو کہ محبت خاصہ کا اثر ہے پیدا نہیں ہوئی۔ پس انکا طرز عمل بالکل ایسا ہے جیسے کسی نوکر

ع ۵ لوا منع اور تری ۱۲ منہ

کو اپنے آقا سے صرف ضابطہ کا تعلق ہو کہ خدمات مفوضہ میں تو فروگذاشت نہیں کرتا مگر وقت پورا کر دینے کے بعد نہ ایک منٹ ٹھہرتا ہے نہ کبھی کوئی زائد خدمت کرتا ہے نہ آقا کا کبھی ذکر خیر کرتے ہوئے دیکھا گیا نہ آقا کے اہل و عیال کا ادب و احترام کرتا ہے نہ اپنے خواجہ تاش لوگوں سے کوئی واسطہ سلام کلام کا رکھتا ہے یہ تو خشکی ہی تھی اس سے بڑھکر یہ کرتا ہے کہ بجز اپنے سب خواجہ تاشوں کو نافرمان اور حقیر سمجھکر اُن سے لڑتا بھڑتا ہے اور اپنی بجاآوری خدمت پر ہمیشہ ناز اور فخر کرتا ہے اور اسوجہ سے سب سے اُلجھنا اور جنکی فہمایش کرنے کا آقا نے نرمی کے ساتھ حکم دیا ہے اُنسے یہ سختی کرتا ہے اور جن کوتاہیوں سے آقا درگزر کر دیتا ہے یہ اُن میں بھی مدعی بنکر کسی کو مارتا ہے کسی کو گالی دیتا ہے ظاہر ہے کہ اس صورت میں یہ نوکر آقا کی نظر سے گر جاویگا اور ان بداخلاقیوں کی بدولت جو کہ آقا کی مرضی کے بھی خلاف ہیں اسکی خدمت کا اثر اور ثمرہ بھی نہایت ضعیف ہوجاویگا بعینہٖ یہی حالت اُن لوگوں کی ہے جو کسی قدر نماز روزہ اور بعض معاملات بھی درست کر کے اپنے کو مقدس اور متبع اور تمام دنیا کو فاسق بدعتی کافر جہنمی سمجھ بیٹھتے ہیں اور خفیف امور میں اُنسے اُلجھتے ہیں اور ہر شخص سے فساد و فتنہ کرتے ہیں۔ اور بعضے ان میں عوام سے گزر کر علماء اور بعض ائمہ اعلام یا حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں بدگمانی کر کے بدزبانی کرنے لگتے ہیں۔ اسی کو دین کی بڑی حمایت اور خدمت سمجھتے ہیں۔ اور جس ذات مقدسہ کے اتباع کا دعویٰ ہے خود آپ کے ساتھ یہ برتاؤ ہے کہ نہ آپ کا نام مبارک ادب سے لیتے ہیں نہ کبھی آپ کا ذکر مبارک شوق سے کرتے ہیں نہ کبھی ذکر مبارک سنکر گداختہ ہوتے ہیں نہ درود شریف کا کوئی معمول انھوں نے ٹھہرایا ہے نہ آپکے محبوبوں (یعنی علماء و صحابہ و اہل بیت) سے اُن کو کوئی تعلق محبت و احترام کا معلوم ہوتا ہے۔ ان امور میں بعض تو موجب خسران و عصیان ہے اور بعض سبب حرمان[۱] ہیں کیونکہ اخلاق ظاہرہ و باطنہ کی اصلاح فرائض میں سے ہے جسمیں خلل اندازی عصیان ہے اسی طرح آپ کے وارثان علوم سے عظمت و احترام کا تعلق اور آپ کی امت سے شفقت و رحمت کا تعلق رکھنا بھی

[۱] یعنی بہت بڑے مراتب اور ثواب سے محرومی کا باعث ہیں ۱۲ منہ

واجب ہے جسکا ترک یقینی خسران ہے۔ باقی جو آداب خاصہ وحقوق محض عبادت نافلہ کے درجہ میں ہیں اُن کی کمی میں بھی خاص برکات سے محرومی تو ضرور ہے۔ اس کوتاہی کی اصلاح کاملین اہل اللہ کی صحبت اور کتب سیر نبویہ وحقوق مصطفویہ مثل شفاء قاضی عیاض رحمۃ اللہ وغیرہ اور کتب اخلاق وسلوک کا مطالعہ اور اُن پر عمل کرنے کا اہتمام ہے۔ ہر امتی کو یہ سمجھنا چاہیے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمارے چند تعلقات ہیں۔ ایک تعلق یہ کہ آپ نبی ہم امتی۔ دوسرا یہ کہ آپ حاکم ہم محکوم۔ تیسرا تعلق یہ کہ آپ دارین میں محسن ہم زیربار احسان۔ چوتھا تعلق یہ ہے کہ آپ محبوب ہم محب اور انہیں سے ہر تعلق جب کسی کے ساتھ ہوتا ہے تو اس پر خاص حقوق و آداب کا مرتب ہونا معلوم اور مسلم اور معمول ہے پس جب آپ کی ذات بابرکات میں سب تعلقات مجتمع ہوں اور پھر سب اعلیٰ اور اکمل درجہ کے تو آپ کے حقوق بھی ظاہر ہے کہ کس قدر اور کس درجہ کے ہوں گے۔ اُن سب کے ادا کرنیکا دل سے اور التزام سے ایسا اہتمام کرنا چاہیئے کہ وہ کثرت عادت اور استحضار الفت سے شدہ شدہ طبعی ہو جاویں اور پھر بھی آپ کے حقوق کے مقابلہ میں اپنی اس خدمت کو کہ درحقیقت اسکا نفع اپنی ہی طرف عاید ہے ناتمام سمجھے۔ یہ مختصر مضمون ختم ہوا اور اس کے ختم ہونے کے وقت یاد آیا کہ احقر نے ایک رسالہ نشر الطیب متوسط حجم کا سیر نبویہ میں لکھا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ وہ اس مختصر کی شرح کے لئے کافی اور بقصد اعتقاد و عمل اُسکا مطالعہ میں رکھنا ان سب اصلاحات کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ کافل ہو سکتا ہے۔ دعائے اشاعت فرمائیے۔

والسلام

تتمہ مضمون سابق

یہ تتمہ پہلے مضمون سے الگ کوئی مضمون نہیں ہے بلکہ ایک درجہ میں گویا اُسی کی تفصیل اور شرح ہے۔ مضمون سابق میں زمانہ کا رنگ قبول کرنے والی طبائع کی نسبت جس کوتاہی کا بیان ہوا ہے اسکا تتمہ یہ ہے کہ ایسے لوگ درحقیقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تینوں

؎ اس کے بعد بفضلہ تعالیٰ وہ رسالہ شایع ہو گیا ۱۲ منہ

حقوق میں تقصیر کئے ہوئے ہیں۔ متابعت ومحبت کا موجود نہ ہونا تو ظاہر ہے اور پہلے مضمون میں اسکو صراحت سے بیان کر دیا گیا ہے۔ البتہ اُن کے اس عمل سے کہ اُن کی زبان یا قلم سے بعض ایسے مضامین صادر ہوتے ہیں کہ اُن سے آپ کی عظمت یا آپ کے قانون کی عزت ظاہر ہوتی ہے یہ شبہہ ہو سکتا ہے کہ شاید وہ آپکا حق عظمت ادا کرتے ہیں۔ لیکن اگر ذرا نظر کو عمیق کیا جاوے تو ثابت ہو جاوے کہ یہ احتمال بھی واقعیت نہیں رکھتا حقیقت یہ ہے کہ آپ کی جس عظمت میں گفتگو ہو رہی ہے وہ عظمت ہے جسکے ساتھ آپ حامل وحی ہونے کی حیثیت سے متصف ہیں اور ان لوگوں کی تحریر و تقریر میں نظر کرنے سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ انکے قلوب میں آپ کی جو عظمت ہے وہ اس حیثیت سے نہیں بلکہ ایک حکیم تمدن ہونے کی حیثیت سے ہے کیونکہ ان دونوں عظمتوں کے آثار کا موجود نہ ہونا ہمارے دعوے کی دلیل ہے۔ چنانچہ اعتقاد عظمت نبوی کے آثار یہ ہیں کہ آپ کے احکام سنتے ہی یہ معلوم ہو کہ گو یا حق تعالیٰ نے ہم سے خود فرما دیا ہے اور یہ کہ اُس حکم کے قبول کرنے میں حکمت و مصلحت سمجھنے کا ہرگز انتظار نہ ہو بلکہ اگر بادی النظر میں کسی حکمت کے خلاف بھی معلوم ہو تب بھی اسی خوشی سے قبول کرے جیسا حکمت معلوم ہونے کے وقت کرتا اور نہ بدون حکمت سمجھے ہی اس حکم کی وقعت میں کچھ کمی ہو بلکہ جس طرح ادنیٰ خدمتگار شاہی حکم سنکر مغلوب و والہ ہو کر دیوانہ وار اُس کی بجاآوری کے لئے دوڑتا ہے اسی طرح اس کی کیفیت ہو جاوے۔ اور یہ کہ اُس حکم کے خلاف کا مستحسن ہونا خیال میں بھی نہ آوے۔ بلکہ اجمالاً یوں سمجھے کہ بس تمام خیر و برکت اور حکمت و مصلحت اور فلاح وصلاح اسی میں منحصر ہے۔ خواہ ہمارا ذہن کوتاہ اُس کی تفصیل تک پہونچے یا نہ پہونچے بقول حضرت عارف گنجوی رحمہ اللہ۔ ؎

زباں تازہ کردن باقرار تو نینگیختن علت از کار تو

اور صرف حکیم تمدن ہونے کے لحاظ سے جو اعتقاد عظمت ہوتا ہے اُس کے آثار یہ ہیں کہ حکم سنکر انتہاہی اثر ہو جو ایک مخلوق ذی رائے کی رائے کو سنکر ہوتا ہے اور یہ کہ اُس کے قبول کرنے میں یا اُس کو بنظر وقعت دیکھنے میں اسکا بھی انتظار ہو کہ اسمیں عقلی (اور عقلی میں بھی دنیوی) مصلحت کیا ہے جبتک مصلحت نہ معلوم ہو اُس میں سخت تردد و خلجان رہے اور ہرگز اُسپر

عمل کرنے میں شرح صدور نہ ہو۔ خود بھی ایک قسم کی تنگی اور جبر و تحکم کا سا اثر رہے اور دوسروں کے سامنے بھی اُسکا دعوٰی کرتے ہوئے ایک گونہ خجلت اور بے وقعتی کی سی کیفیت طاری رہے اور بار بار اُس حکم کی جانب مخالف کی ترجیح کا ہجوم اور اسکی تمنا کا قلب پر غلبہ رہے اور ہرگز اسکے صحیح ہونیکا دل کھولکر حکم نہ کرسکے بلکہ اس فکر میں رہے کہ کسی طرح اسکا شرعی ہونا ثابت نہ ہو اور جب اور کچھ نہ ہوسکے تو بعض تاویلات سے اس حکم کے شرعی ہونیکا انکار کردے کبھی اُس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونے میں شبہات پیدا کرے بلکہ اس کو راویوں کی نقل کی غلطی یا اُن کی رائے کی آمیزش کا اثر بتلاوے اور کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونے کو تسلیم کرکے خود آپ کی نسبت کسی ضرورت و مصلحت وقت کے اتباع کا دعوی کرے اور چونکہ وہ مصلحت باقی نہیں رہی لہذا اُس حکم کو بھی موجود نہ سمجھے غرض ہزاروں حیلے نکالے مگر اُس حکم کو نہ مانے یا اگر مانے تو اعتقاد سے نہ مانے بلکہ بدنامی سے بچنے کو یا قومی شیرازہ کے منتشر ہونے کی ضرورت سے مانے۔ یا اعتقاد ہی سے مانے مگر انشراح خاطر کے ساتھ نہ مانے بلکہ مذہبی مجبوری سمجھ کر مانے۔ (اور یہ اُن میں سب سے زیادہ سلیم و صالح طبایع کا حال ہے) اور یہ وہ مراتب ہیں جو کم و بیش کفر سے سب ملے ہوئے ہیں کوئی صریح کفر ہے کوئی خفی کفر ہے کوئی کفر مینے کو ہے کما لا[1] یخفی علی المتفطن السلیم۔

جب دونوں اعتقادوں کے آثار جدا جدا معلوم ہو گئے آگے ہر شخص کو مشاہدہ سے اپنے اندر بھی اور غیر کے اندر بھی ان آثار کا وجود و عدم معلوم ہوسکتا ہے اور اس سے ہمارے دعوے سابقہ کا صدق بخوبی واضح ہو جاویگا (اس مضمون کی شرح زیادہ تحقیق کے ساتھ مطلوب ہو تو مضمون عظمت وحی رقمزدہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب دامت فیوضہم جو القاسم کے نمونہ میں شائع ہوا ہے ملاحظہ فرما لیا جاوے) ہماری اس تقریر کے یہ معنی نہ سمجھے جاویں کہ احکام شرعیہ حکمت سے خالی اور عاری ہیں۔ حاشا وکلا بلکہ مقصود یہ ہے کہ ان کا اتباع اور اُن کی خاص عظمت کا اعتقاد فہم حکمت پر موقوف نہ ہونا چاہئے۔

[1] چنانچہ سمجھدار سلیم الطبع پر پوشیدہ نہیں۔

ہاں وہ خود ایک مستقل علم ہے کہ اسکو اسرار شریعت کا لقب دیا جاتا ہے مگر اُس کے اہل خواص عارفین ہیں عوام الناس کو اُس سے بجائے نفع کے ضرر کا احتمال غالب ہے کئی وجہ سے۔

ایک اُس لئے کہ ان میں سب تو منصوص ہیں نہیں اجتہادی بکثرت ہیں جن میں احتمال خطا کا بھی ہے سو اگر کبھی اُسکا غیر صحیح ہونا ظاہر ہوگیا اور عامی کے خیال میں اس حکم کی وہی حکمت یقینی تھی تو اس کے صحیح نہ ہونے سے اس حکم کو غیر صحیح سمجھ بیٹھے گا بخلاف خواص کے کہ وہ اس کو یقینی علت اور مبنی حکم کا نہ سمجھیں گے۔ اس لئے حکم میں انکو کبھی کوئی خدشہ نہو گا۔

دوم اس لئے کہ کبھی کوئی مبنی اور حکمت صحیح معلوم ہو گی لیکن بعض اوقات وہ وجہ اور حکمت اس عامی کی نظر میں باوقعت نہیں ہوگی تو اس حکم کو بھی بے وقعت سمجھنے لگے گا۔

سوم اس لئے کہ ہر حکمت علت نہیں ہوتی بعض اوقات عامی اُس کو علت اور اصلی سبب سمجھکر کسی موقع میں اس کے موجود نہ ہونے سے حکم ہی کے غیر موجود ہونیکا حکم لگا دیگا۔

چہارم یہ کہ ہر حکمت مقصود بالذات نہیں ہوتی بعض اوقات عامی اُس کو مقصود بالذات سمجھکر کسی محل و مواقع میں حکمت کے حاصل ہو جانے کو کافی سمجھکر تحصیل حکم کی ضرورت نہ سمجھیگا اور ان دونوں صورتوں (سوم و چہارم) میں اجتہاد باطل کا باب وسیع ہو جاوے گا مثلاً سفر میں مشقت پر نظر کر کے قصر کا حکم لگا دیا گیا ہے۔ لیکن یہ علت نہیں حتی کہ اگر سفر میں مشقت بھی نہ ہو تب بھی قصر ہے اور اسی طرح وضو مشروع ہوا ہے حکمت نظافت وطہارت سے لیکن اگر طہارت و نظافت حاصل ہو تب بھی وضو سے استغناء نہ ہوگا۔ پنجم یہ کہ عامی مخالف دین کے مناظرہ میں اس کو بیان کریگا۔ اور اگر وہ یقینی نہیں تو اُس میں مخالف نے اگر خدشہ نکالدیا تو یہ مغلوب ہو جاویگا اور اسمیں اسلام کو اور حق کو صدمہ پہنچیگا۔ مثلاً کسی نے کتا پالنے کی ممانعت کی یہ حکمت بیان کی کہ اسمیں صفت سبعیت کی ہوتی ہے تو اگر کسی نے اس میں یہ خدشہ پیدا کیا کہ تعلیم کے بعد سبعیت نہیں رہتی پھر کیوں ممنوع ہے تو یہ شخص بزبان حال اس حکم کو بے بنیاد کہیگا۔ بخلاف راسخ فی العلم کے کہ وہ بجائے اس حکمت کے یہ کہیگا کہ ہمارے آقائے عظیم الشان کا یہ حکم ہے ہم نہیں جانتے کیا مصلحت ہے تو اُس شخص پر کوئی خدشہ ہی

نہیں ہوسکتا۔

یہ شرح تھی مضمون متعلق حضرات محکوم المحبّت کی۔ اس کے بعد اس مضمون سابق میں ان لوگوں کی کوتاہی کا بیان ہے جن میں ظاہراً بعض آثار محبت کے بھی پائے جاتے ہیں اسمیں یہ بھی مذکور ہے کہ خود ان اعمال مذکورہ میں بھی جنکو عنوان محبت سے وہ اختیار کرتے ہیں عیاں اوقات حدود شرعیہ کو محفوظ نہیں رکھتے اسکا تتمہ یہ ہے کہ۔

یہ لوگ بھی درحقیقت تینوں حقوق کو ضایع کرتے ہیں متابعت کی نفی تو ظاہر ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو انکے قلب میں حقیقی عظمت و محبت بھی نہیں گو زبان سے تعظیم و محبت کا دعوی کرتے ہیں کیونکہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ اعتقاد عظمت کے لئے یہ لازم ہے کہ اپنے ارادے اس معظم و مکرم کے ارادوں کے سامنے فنا ہوجائیں چنانچہ کسی رئیس کے پاس کسی عظیم الشان با اختیار افسر کا حکم ضابطہ کا یا نج کا فوری حاضری کے لئے آوے اور فوری بھی ایسا کہ وہ حاکم دروازے پر ٹھہر کر جلدی طلب کرے تو اسوقت ہم اس کی حالت کا اندازہ اس کی حرکات سے کرتے ہیں کہ اُنمیں اختیاریت کی شان پر اضطراریت کی حالت کو غلبہ ہوتا ہے حتیٰ کہ اکثر امور اُسوقت معمول کے خلاف اس سے سرزد ہونے لگتے ہیں اور وقار و متانت سب مرتفع ہوجاتا ہے اور یہ سب علامت ہے فناء ارادہ کی اور منشا اسکا وہی اعتقاد عظمت ہے اور فناء ارادہ کے لئے یہ لازم ہے کہ متابعت تعمیل ارشاد میں مبادرت و سبقت ہو۔ جب متابعت نہ ہوئی تو ظاہر ہے کہ حقیقی عظمت بھی دل میں نہ ہوئی اور جس طرح غلبۂ عظمت سے ارادہ فنا ہوتا ہے اسی طرح غلبۂ محبت سے بھی فنائے ارادہ پیدا ہوتا ہے گو دونوں کیفیتیں جدا جدا قسم کی ہیں مگر فنائے ارادہ دونوں کے لئے لازم اعم ہے جیسے حرارت کہ نار کو بھی لازم ہے اور دھوپ کو بھی۔ پس جس طرح حرارت کے نہ ہونے سے دھوپ اور آگ کا معدوم ہونا لازم آتا ہے اسی طرح جب متابعت نہ ہوگی محبت و عظمت دونوں کے معدوم ہونے کا حکم کیا جاویگا۔ اسی معنی میں حضرت عبداللہ بن المبارک کا ارشاد ہے ؎

لو کان حبك صادقا لاطعته ۔۔۔ ان المحب لمن یحب مطیع

البتہ ادنی درجہ کی محبت و اعتقادِ عظمت کا انکار نہیں کیا جاتا۔ لیکن شرعاً مطلوب ہے

ان دونوں کا غلبہ اور قوت جیسا کہ اس ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوتا ہے۔
لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ ووالدہ والناس اجمعین۔[ا]
اور ان لوگوں کا دیگر امور شرعیہ میں متابعت نہ کرنا تو ظاہر ہے۔ چنانچہ مضمون مذکور[۲] میں کچھ اسکی تفصیل بھی ہے لیکن خاص اُن امور میں جنکو وہ عنوان محبت سے اختیار کرتے ہیں اس متابعت کا معدوم ہونا اُس مضمون میں مجملاً بیان کیا گیا ہے کہ اُن میں بھی بسا اوقات حدود شرعیہ کو محفوظ نہیں رکھتے۔ اس کی تفصیل اُن لوگوں کے ان طریقوں کے دیکھنے سے ہو سکتی ہے۔ مثلاً یہ کہ آپ کی مدائح میں اس قدر غلو اور مبالغہ کرتے ہیں کہ اس میں دوسرے حضرات انبیاء اور ملائکہ علیہم السلام کی شان میں گستاخی ہو جاتی ہے۔ مثلاً ؎

تبسم تو برای علاج درکار است — بر آسمان چہارم مسیح بیمار است

اور مثلاً ؎

عجب ڈھب یاد تھا روح الامیں کو بھی خوشامد کا — شب ورد اُن کے صاحبزادوں کا گہوارہ جنبان تھا

نصوص قرآنیہ وحدیثیہ میں ان حضرات مقدسین کے تعظیم وادب کا حکم وارد ہے پس ایسے طریقہ میں ترک متابعت ہویدا ہے۔ اور یہ کہ بعض اوقات خود حضرت حق جل وعلی شانہ کی حضور میں گستاخی ہو جاتی ہے مثلاً ؎

محمد کو جو بھیجا حق نے سایہ رکھ لیا قد کا — پئے تسکین خاطر صورت پیراہن یوسف

اور مثلاً ؎

کوئی ڈھب چاہئے آخر رقیبوں کی خوشامد کا — طواف کعبہ مشتاق زیارت کو بہانہ ہے

نعوذ باللہ منہ اس کو ترک متابعت کی سب سے بُری مثال سمجھنے میں کس کو کلام ہو سکتا ہے اور[۳] یہ کہ بعض اوقات خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک میں گستاخی ہو جاتی ہے مثلاً اس مصرعے حضور پُرنور کو مخاطب بنانا ع اے نرگس شہلائے تو آوردہ رسم کافری الٰہی توبہ۔ اسکو ترک متابعت کہکر ترک عظیم کی دلیل بتانے کی کچھ ضرورت نہیں اسکا ترک تعظیم ہونا خود ظاہر ہے۔ منجملہ[۴] یہ کہ روایات موضوعہ فضائل میں بیان کرتے ہیں جسپر حدیث

[ا] کسی شخص کو ایمان کامل نصیب نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں (یعنی حضور سرور عالم) اس کے نزدیک اولاد اور ماں باپ اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں [۲] جو جمادی الاولیٰ میں شائع ہوا ہے۔

نبوی میں سخت وعید وارد ہے۔ ظاہر ہے کہ حدیث کے خلاف کرنا ترک متابعت ہے۔ اور
یہ کہ ان مدائح و فضائل کے بیان میں بہت سے منکرات اعتقادیہ و عملیہ کو منضم کر لیا ہے
ایک ممنوع شرعی تو خود ان چیزوں کو ضم کر لینا اور ملا لینا ہے۔ پھر اُن ناپسند چیزوں کو
مستحسن اور پسندیدہ سمجھنا اور ان پر اصرار کرنا دوسری خرابی ہے پھر جو شخص ان منکرات
کی اصلاح کرے اس سے عناد و بغض رکھنا یہ تیسری خرابی ہے۔ غرض ان کے یہ طریقے
ہمارے اس دعوے کی پوری دلیل ہیں۔ کہ اُن میں متابعت نہیں ہے۔ یہ شرح تھی مضمون
متعلق حضرات مدعیان محبت کی۔ اس کے بعد اُس مضمون سابق کے اخیر میں اُن لوگوں
کی کوتاہی کا بیان ہے۔ جو متابعت ظاہری کا اوروں سے زیادہ اہتمام کرتے ہیں مگر انہیں
تعظیم و ادب اور شوق و محبت کی شان کم ہے۔

اس بیان کی شرح یہ ہے کہ ان میں غلبۂ ادب اور غلبۂ محبت کی کمی تو ظاہر ہے لیکن
نظر غائر سے دیکھا جاوے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں متابعت ہی کامل نہیں کیونکہ حضور
پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات قولیہ و عادات فعلیہ کو دیکھنے سے بداہتہً بلکہ نصاً
ثابت ہوتا ہے کہ یہ طرز خاص خشونت[1]۔ تقشف تعسیر و تنفیر کا آپ کو سخت ناپسند ہے اور
جب یہ امور حضور کو پسند نہیں اور برخلاف اس کے قرآن و حدیث میں خود حضور کی توقیر
و ادب اور محبت میں اپنی جان پر بھی آپ کی ترجیح اور امت کے ساتھ تبشیر و تیسیر کے
احکام وارد ہیں۔ تو ان میں خلل اندازی کرنا متابعت کے ساتھ کیسے جمع ہو سکتا ہے
اور اس میں مراتب مختلف ہیں۔ بعض تو حد خسران تک پہنچ گئے ہیں۔ ادب یا محبت کے
حقوق واجبہ اعتقادیہ یا عملیہ کو بیٹھے ہیں مثلاً معتزلہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے
جبرئیل علیہ السلام کو اور اسی طرح جمیع انبیا علیہم السلام سے تمام ملائکہ علیہم السلام کو افضل
بتلاتے ہیں جس کا جواب کتب کلامیہ میں مفصل و مدلل مذکور ہے یہاں صرف جناب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت جبرئیل علیہ السلام پر مختصر طور پر سمجھ لینا چاہیے۔

[1] خشونت سختی اور کھردرا پن۔ تقشف خشکی اور پوست ہی پوست ہونا کہ مغز ندارد یعنی زاہد خشک۔ تعسیر تنگی اور دشواری کرنا۔ تنفیر نفرت دلانا۔ تبشیر خوش خبری دینا۔ تیسیر نرمی اور آسانی کرنا۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت جبرئیل علیہ السلام پر

اُن لوگوں کو شبہہ ہوگیا ہے کہ قرآن مجید سے جبرئیل علیہ السلام کا آپ کے لئے معلم ہونا منصوص ہے اور ظاہر ہے کہ استاد بحیثیت استادی شاگرد سے افضل ہوتا ہے۔ اور اگر معلم کے افضل ہونے کو تسلیم نہ کیجے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امت سے باعتبار علم کے افضل ہونا ثابت نہ ہوگا حالانکہ آپ اس حیثیت سے بھی بالاتفاق افضل ہیں۔

جواب اس شبہہ کا یہ ہے کہ معلم کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں۔ ایک محض مبلغ وسفیر ہوتا ہے جسکے متعلق محض بات کا پہنچا دینا ہے۔ اسمیں معلم کا افضل ہونا ضروری نہیں اگر بادشاہ اپنے وزیر کے پاس خاص قاصد کے ہاتھ کوئی پیام بھیجے تو یہ قاصد وزیر سے افضل نہ ہو جاویگا دوسری حیثیت استاد و اتالیق ہونا جسکے متعلق متعلم و شاگرد کی تربیت بھی ہے۔ اسمیں معلم کا افضل ہونا ضروری ہے سو جبرئیل علیہ السلام آپ کے معلم بالمعنی الاول ہیں نہ بالمعنی الثانی کیونکہ مربی بمعنی ثانی اتالیق و تربیت دہندہ حسب تصریح حدیث علمنی ربی فاحسن تعلیمی وادبنی ربی فاحسن تادیبی خود حضرت حق جل و علیٰ شانہ بلا واسطہ ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت کے لئے معلم بمعنی ثانی ہیں۔ پس آپ کی اور جبرئیل کی معلمیت میں بڑا فرق ہے۔ پس معتزلہ کی یہ بہت بڑی گمراہی ہے عقیدہ واجبہ میں۔

اور مثلاً میں نے ایک مقام پر بچشم خود دیکھا ہے کہ ایک صاحب نے ایک حدیث ڈھونڈھنے کے لئے موطا امام مالک کا نسخہ الماری میں سے نکالا اور اس کو کھڑے کھڑے فرش پر زور سے پٹک کر مارا اہل مجلس میں سے ایک شخص نے کہا کہ میاں حدیث کی یہ بے ادبی تو وہ جواب میں فرماتے ہیں۔ میں نے بے ادبی کیا کی ہے اسکی گرد جھاڑی ہے۔ جب قیامت میں انکی گرد جھڑے گی تب حقیقت معلوم ہوگی۔ سو یہ اس خشک دماغی کا اضلال ہے عمل واجب میں اللّٰھم احفظنا و نعم ما قیل۔

از خدا جوئیم توفیق ادب | بے ادب محروم ماند از فضل رب
بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد | بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

سلہ مجھکو میرے پروردگار نے تعلیم دی پس بہت خوب تعلیم دی اور مجھکو میرے پروردگار نے ادب سکھلایا پس خوب ہی سکھلایا۔

از ادب پر نور گشت است ایں فلک　　　　از ادب معصوم و پاک آمد ملک

بُد ز گستاخی کسوفِ[1] آفتاب　　　　شد عزازیلے ز جرأت ردِّ باب

حدیث میں ایک گستاخ کا قصہ آیا ہے کہ وہ بائیں ہاتھ سے کھاتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں ہاتھ سے کھانے کو فرمایا۔ اُس نے براہ بے ادبی کہا کہ میں دائیں ہاتھ سے کھا نہیں سکتا آپ نے فرمایا کہ (خدا کرے) تو اس سے کھا ہی نہ سکے۔ بس وہ فوراً شل ہو گیا۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا آپ کی طرف بیدھڑک ہو کر نہ دیکھنا اور ایک بزرگ کا اس سوال کے جواب میں کہ تم بڑے ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہنا کہ بڑے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں مگر عمر میری زیادہ ہے۔ کیا قولی ادب کا کافی نمونہ نہیں ایک بزرگ کا اس سننے کے بعد کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کمان ہاتھ میں لی تھی تمام عمر بلا وضو کمان کو مس نہ کرنا کیا قابل التفات و تقلید نہیں ہے۔

اسی طرح حضرات صحابہ کی عادت تھی کہ جب بیٹھتے ایک دوسرے سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیۂ مبارک اور شمائل و طرزِ عمل پوچھتے۔ چنانچہ شمائل ترمذی کی روایتیں اسمیں صریح ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خاص آستانۂ مبارک پر سلام پہنچانے کے لئے قاصدوں کی ڈاک کا انتظام کرتے تھے۔ جو زمانہ مدینہ طیبہ کی حاضری کا اہتمام کرتے رہتے اکثر سلف درود شریف کی کثرت رکھا کرتے تھے۔ خود حدیث میں ہے کہ جس مجلس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر اور درود شریف نہ ہو وہ مجلس اہل مجلس کے حق میں موجب حسرت ہے اس سے معلوم ہوا کہ گو یہ امور موکد نہ ہوں مگر ان کی کمی موجب حسرت و حرمان ہے اور جیسے کمی سے حرمان ہوتا ہے اسی طرح ان کے اہتمام و التزام سے گوناگوں برکت و فیضان ہوتا ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی پھر دنیا میں دنیوی بھی اور اُخروی بھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک صحابی کو جبکہ انھوں نے کئی بار سوال و جواب کے بعد یہ عرض کیا کہ بس اب میں تمام وظائف کی جگہ درود ہی ٹھہرا لونگا۔ یہ ارشاد فرمانا کہ تو پھر

[1] گستاخی مردم کہ مقتضی شد تخویف او شاں را و حکمت کسوف ہمیں تخویف است کہ در حدیث آمدہ ۱۲ منہ مدظلہ اصلی الفاظ یہ ہیں انت اکبر ام رسول اللہ۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکبر و انا اسن۔

تمہارے سب گناہ معاف ہوتے رہیں گے۔ اور سب فکروں کی کفایت ہوتی رہیگی اسکی کافی دلیل ہے۔ اسوقت ایک عجیب الشان عظیم المکان فیضان کی حکایت یاد آتی ہے اسی پر اپنے مضمون کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ جس سے ثابت ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق بڑھانے سے خود آپ کی عنایتیں کیسی مبذول ہوتی ہیں۔

اس حکایت کو امام جلال الدین سیوطیؒ نے اپنے رسالہ شرف محتم میں سلسلہ وار سند سے لکھا ہے کہ وہ روایت[۱] کرتے ہیں شیخ کمال الدینؒ سے اور وہ شیخ شمس الدین جزری سے اور وہ شیخ زین الدین مراغی سے اور وہ شیخ عزالدین احمد فاروقی کے واسطے سے اور وہ اپنے والد شیخ ابو اسحٰق ابراہیم سے اور وہ اپنے باپ شیخ عزالدین عمر سے رحمہم اللہ تعالیٰ کہ میں ۵۵۵ھ ہجری میں سید احمد رفاعیؒ کے ساتھ سفر حج میں تھا جب وہ مدینہ طیبہ پہنچے اور روضہ شریف پر حاضر ہوئے تو انھوں نے ان الفاظ سے سلام عرض کیا۔ السلام علیکم یا جدی وہاں سے جواب عطا ہوا وعلیک السلام یا ولدی کہ اس کو تمام اہل مسجد نے سنا حضرت سید احمد رفاعی پر وجد شدید نے غلبہ کیا اور بڑی دیر تک رو یا کئے اور شدت شوق میں عرض کیا یا جداہ ۔

فی حالۃ البعد روحی کنت ارسلہا تقبل الارض عنی وھی نائبتی
وھذہ دولۃ الاشباح قد حضرت فامدد یمینک لی تحظی بھا شفتی

یعنی اے نانا جان حالت بُعد میں اپنی روح کو حضور میں بھیجدیا کرتا تھا وہ نائب بنکر زمیں بوس ہوجاتی تھی۔ اب جسم کی حاضری کی نوبت آئی ہے سو ذرا اپنا دایاں دست مبارک دیجئے تاکہ میرا لب اُس کے بوسہ سے مشرف ہوجائے۔ پس فوراً آپ کا دست مبارک چمک اور مہک کے ساتھ قبر شریف سے ظاہر ہوا۔ اور ہزاروں آدمیوں نے زیارت کی اور سید رفاعیؒ نے اُسکا بوسہ لیا۔

اور اس کے بعد بلا سند دوسرا قصہ ان ہی کا لکھا ہے کہ جب سال آئندہ پھر حاضر ہوئے تو نہایت انکسار و مسکنت کے ساتھ عرض کیا ۔

[۱] یعنی امام جلال الدین نے اسکو شیخ کمال الدین سے سُنا ہے ۱۲ [۲] ای نانا جان آپ پر سلام [۳] تم پر سلام اے میرے بیٹے۔

ان قیل زرتم بما رجعتم یا اکرم الرسل ما نقول

یعنی اگر لوگ ہم سے پوچھیں کہ تم زیارت کرکے آئے تو کیا لیکر آئے تو ہم جواب میں کیا کہیں قبر شریف سے آواز آئی جسکو تمام حاضرین مسجد نے سُنا سے

قولوا رجعنا بکل خیر واجتمع الفروع[1] والاصول

یعنی تم یوں کہنا کہ ہم ہر طرح کی خیر لیکر آئے اور فروع و اصول جمع ہو گئے کیا یہ فضائل قابل رشک نہیں۔ سو یہ بھی تو سوچنا چاہئے کہ بجز کمال اتباع و کمال محبت و کمال اعظام و اجلال کے اس دولت کا سبب اور بھی کوئی امر ہے وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون و لمثل ھذا فلیعمل العاملون یہ معاملات تو براہ راست آپ کے ساتھ عمل میں لانے کے ہیں باقی آپ کے اہل تعلق اہل صحبت اہل قرابت اہل طیت (یعنی خاص و عوام امت) کے ساتھ بھی ادب و محبت شفقت و رحمت و خدمت کرنا علی حسب تفاوت مراتبہم یہ سب بھی متمم ہیں۔ آپ کے ساتھ معاملہ رکھنے کے جنمیں سے بعض واجب ہیں کہ انمیں خلل اندازی سے خسران و معصیت ہوتی ہے۔ اور بعض مستحب ہیں۔ جن سے اعراض کرنا مفلسی اور بحرومی کا باعث ہے۔

یہ بیان تھا اُن لوگوں کا جو شوق میں کمی اور ادب میں خلل کرنے والے ہیں پس محقق وہ ہے کہ سب مراتب حسیہ و معنویہ واجبہ و مستحبہ کا جامع ہو کما قیل سے

بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق ہر ہوسنا کے ندانند جام و سنداں باختن

گاہ در دل ساز و گہ در دیدہ جا ہر دو جائے تست یا بدر الدجےٰ

مگر بمقتضائے آیت لا تغلوا فی دینکم و آیت تلک حدود اللہ فلا تعتدوھا یہ سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ ان میں جو لوگ مندوبات (مستحبات) میں کمی کرنے والے ہیں اُن پر ملامت یا اُن کی تحقیر یا ان پر تشدد یا اُن سے نفرت رکھنا یہ خود بوجہ تجاوز عن الشرع النبوی کے احداث فی الدین اور موجب ناخوشی سرکار نبوی و ملامت ترک اتباع و خلاف ادب و منافی تعظیم دربار مصطفوی ہے۔ مسند احمد میں ایک حدیث اس باب میں صریح ہے کہ

[1] چونکہ سید رفاعی سادات میں سے ہیں لہذا یہ فرع ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اصل ۱۲

کہ ایک صحابی نوافل کو چھوڑے ہوئے تھے نماز میں بھی روزے میں بھی صدقہ خیرات میں۔ دوسرے صحابی اُن سے نفرت رکھتے تھے۔ حضور پُر نور میں یہ مقدمہ پیش ہوا آپ نے ان نفرت کرنے والے صحابی کے انکار کو ناپسند فرمایا۔ احقر نے اپنے رسالہ حقیقۃ الطریقۃ میں یہ حدیث پوری نقل کی ہے۔ ولنعم ما قیل ؎

بزہد و ورع کوش و صدق و صفا ولیکن میفزاے بر مصطفےٰ

البتہ ایسے لوگوں کو اگر نرمی و ترغیب سے تکمیل مراتب مستحبہ کی طرف متوجہ کیا جاوے عین خیر خواہی و مطلوب فی الدین ہے۔ اور ایک ضروری امر قابل تنبیہ یہ ہے کہ بعض اوقات شوق و محبت نبویہ کی کمی کا غلط شبہہ ہو جاتا ہے اور یہ شبہہ توقیر و توجہ الی الذات کے غلبہ کے محل میں غیر عارف کو ہو جاتا ہے لیکن فی الواقع وہ بھی محبت نبویہ ہی کا ایک لون ہے۔ شرح اس کی رسالہ نشر الطیب میں بضمن حکمت درود شریف کی ہے۔ بس شرح ضروری سب جماعت کی حالت کی ختم ہوئی اور طریق اصلاح سب کا بقدر کافی اصل مضمون میں مذکور ہو چکا ہے اسمیں شرح کی حاجت نہ سمجھی اصل مضمون کو دیکھکر سب اپنی اصلاح کر سکتے ہیں ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب و ان ربی قریب مجیب۔

از نشر الطیب

فصل چھتیسویں آپ کے حقوق میں جو امت کے ذمہ ہیں جنمیں اہم الحقوق محبت و متابعت فی الاصول والفروع ہے جاننا چاہیئے کہ کسی سے محبت ہونا اور اس محبت کا مقتضا متابعت ہونا تین سبب سے ہوتا ہے ایک کمال محبوب کا جیسے عالم سے محبت ہوتی ہے شجاع سے محبت ہوتی ہے اور دوسرا جمال جیسے کسی حسین سے محبت ہوتی ہے۔ تیسرا نوال یعنی عطاء و احسان جیسے اپنے منعم و مربی سے محبت ہوتی ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ میں تینوں وصف علی سبیل الکمال مجتمع ہیں۔ وصف اول سے یہ تمام رسالہ مشحون ہے۔ دوسرا وصف فصل اکیسویں میں مخزون ہے اور چونتیسویں فصل لانے سے مقصود خاص تیسرے وصف کا مضمون ہے جب تینوں وصف جو علت محبت ہیں آپ میں جمع ہیں تو خود اسکا طبعی مقتضا ہے

کہ آپ کے ساتھ امت کو اعلیٰ درجہ کی محبت ہونا چاہیئے۔ اگر نص شرعی بھی نہ ہوتی اور جبکہ نصوص شرعیہ بھی اس کے ایجاب میں موجود ہیں تو داعی عقل و طبع کے ساتھ داعی شرع بھی ملکر آپ کے وجوب محبت کو مؤکد کرتا ہے۔ اور درحقیقت اعظم غایت اس رسالہ کی اسی امر کی طرف اہل ایمان کو متوجہ کرنا ہے اور یقینی امر ہے کہ ان اسباب و دواعی کے ہوتے ہوئے محبت سے اتباع کا انفکاک عادۃً محال ہے جس درجہ کی محبت ہوگی اسی درجہ کا اتباع ہوگا اور ظاہر ہے کہ محبت علی السبیل الکمال واجب ہے پس متابعت بھی علی السبیل الکمال واجب ہوگی اور اسمیں گو کسی کو بھی کلام نہیں ہو سکتا محض تجدید استحضار کے لئے مختصر طور پہ تنبیہ کردی گئی اور اسی کی تقویت کے لئے چند روایات بھی ذکر کی جاتی ہیں۔

پہلی روایت حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں کا کوئی شخص مومن نہ ہوگا جب تک کہ میں اُسکے نزدیک اُس کے والد اور اولاد اور تمام آدمیوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں روایت کیا اسکو بخاری و مسلم نے کذا فی المشکوٰۃ ف یعنی اگر میری مرضیات میں تزاحم ہو تو جسکو ترجیح دی جاوے اسی کے محبوب تر ہونے کی یہ علامت ہوگی۔

دوسری روایت امام بخاری نے ایمان و نذور میں عبداللہ بن ہشام سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ میرے نزدیک ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں بجز میرے نفس کے جو میرے پہلو میں ہے (یعنی وہ تو بہت ہی محبوب ہے) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک خود اسکے نفس سے بھی زیادہ اسکو میں محبوب نہوں حضرت عمرؓ نے کہا کہ قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی کہ آپ میرے نزدیک میرے اُس نفس سے بھی زیادہ محبوب ہیں جو میرے پہلو میں ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بس اب بات ٹھیک ہوئی کذا فی المواہب ف حضرت عمرؓ نے اول محبت بلا اسباب کو محبت بالاسباب سے اقوی سمجھکر نفس کو مستثنیٰ کیا پھر آپ کے اس ارشاد سے کہ اپنے نفس سے بھی زیادہ محبوب رکھنا ضرور ہے۔ یہ سمجھ گئے کہ اقوی ہونے کا مدار کوئی ایسا امر ہے کہ اُس کے اعتبار سے

کوئی چیز نفس سے بھی زیادہ محبوب ہوسکتی ہے مثلاً یہ کہ آپ کی خوشی کو نفس کی خوشی پر طبعاً مقدم وراجح پایا سو اس حقیقت کے انکشاف کے بعد آپ کی احبیت من النفس کا مشاہدہ کیا اور خبر دی اور مواہب کے مقصد سابع میں دوسرے صحابہ کی بھی حکایتیں محبت کی عجیب غریب ذکر کی ہیں۔

تیسری روایت حضرت ابوہریرہ رضہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری تمام اُمت جنت میں داخل ہوگی مگر جس نے میرا کہنا قبول نہ کیا عرض کیا گیا کہ قبول کس نے نہیں کیا فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اُس نے قبول نہیں کیا روایت کیا اس کو بخاری نے کذا فی المشکوٰۃ ف صحابہ رضہ کے اس سوال سے معلوم ہوا کہ یہ اباء مخصوص بہ کفر نہیں ہے ورنہ اُس میں کونسا خفا تھا پس آپ کے اتباع نہ کرنے کو اباء سے تعبیر فرمایا گیا اس سے متابعت کا وجوب ثابت ہوا۔

چوتھی روایت حضرت انس رضہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری سنت سے محبت کی اُس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا روایت کیا اسکو ترمذی نے کذا فی المشکوٰۃ ف اس حدیث سے معلوم ہوا کہ علامت آپ کی محبت کی آپکی سنت کی محبت ہے اور آپ کی محبت کی فضیلت بھی ثابت ہوئی کہ مفتاح جنت ہے اور جنت کے ساتھ حضور کی معیت کا بھی موجب ہے۔

پانچویں روایت حضرت عمر رضہ سے روایت ہے کہ ایک شخص کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب پینے کے جرم میں سزا دی پھر وہ ایک دن حاضر کیا گیا پھر آپ نے حکم سزا کا دیا ایک شخص نے مجمع میں سے کہا کہ اے اللہ اس پر لعنت کر کس قدر کثرت سے اسکو (اس مقدمہ میں) لایا جاتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر لعنت مت کرو واللہ میرے علم میں یہ اللہ اور اُس کے رسول سے محبت رکھتا ہے روایت کیا اسکو بخاری نے ف اس حدیث سے چند امور ثابت ہوئے ایک بشارت مذنبین کو کہ اُن سے اللہ و رسول کی محبت کی نفی نہیں کی گئی دوسرے تنبیہ مذنبین کو کہ نری محبت سزا سے بچنے میں کام نہ آئی تو کوئی اس ناز میں نہ رہے کہ بس خالی محبت بدون اطاعت کے سزائے جہنم سے بچالیگی البتہ بُعد بعید من الرحمۃ سے بچا سکتی

ہے جیسا کہ نہی عن اللعنۃ سے معلوم ہوا پس جو سزا آخرت کی اس ملعونیت پر مرتب ہے یعنی خلود اُس سے یہ محمت بچا لیگی بعد سزا کے مغفرت ہو جاویگی تیسؔری فضیلت محبت کی جیسا کہ ظاہر ہے چوؔتھے تفاوت مراتب محبت کا کہ باوجود ایک عصیان کے اثبات محبت کا حکم فرمایا اس سے ثابت ہوا کہ متابعت کامل نہ ہونے سے گو کمال محبت کا حکم نہ ہوگا مگر نفس متابعت سے کہ ادنیٰ درجہ اُس کا کفر سے نکلنا ہے کوئی درجہ محبت کا ثابت کیا جاویگا پانچوؔیں مؤمن خواہ کتنا ہی گنہگار ہو مگر اُس پر لعنت نہ کرنا چاہئے اس سے عظمت ثابت ہوتی ہے اللہ و رسول کی محبت کی کہ اُس کا ایک شمہ بھی گو مقرون بالمعاصی ہو مانع عن اللعنۃ ہے تو اُسکا کامل اور خالص درجہ کیسا کچھ مؤثر ہوگا

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند صاف گر باشد ندانم چوں کند

ہیجا نوری سرہ

للشیخ عبد العزیز الدہلوی

۱ یا سائراً نحو الحمی باللہ قف فی بانہ
۲ واقرأ طوامیر الجوی منی علی سکانہ
۳ ان تسئلوا عن حالتی فی السقم مثل فقدہ
فالقلب فی خفقانہ والراس فی دورانہ
۴ ان فتشوا عن دمع عینی بعدہم قل حاکیا
کالغیث فی تہتانہ والبحر فی ہیجانہ
۵ لکنہ مع ما جری مشغوف حب المصطفیٰ
فخیالہ فی قلبہ وحدیثہ بلسانہ
۶ ولطالما یدعو لہا فی الدعا ومبالغا
لیطوف فی بستانہ ویشم من ریحانہ
۷ یا من تفوق امرہ فوق الخلائق فی العلا
حتیٰ لقد اثنی علیک اللہ فی قرآنہ
۸ صلی علیک اللہ آخر دہرہ متفضلا
مترحما وحباک الموعود من احسانہ

۱ اے جانیوالے بجانب گیاہ زار کے اللہ کے لئے اُس کے باغ درخت بان میں ذرا ٹھیرنا اور میری طرف سے دفاتر غم اُس کے رہنے والوں کو پڑھکر سنانا ۲ اگر وہ میری حالت بیماری کے بارہ میں دریافت کریں جب سے میں اُن سے غائب ہوا ہوں تو ۳ پس قلب اپنے خفقان میں ہے اور سر اپنے دوران میں ہے ۴ اگر وہ میرے اشک چشم کے متعلق اپنے بعد کے زمانہ میں تحقیق کریں تو تو بطور حکایت کے کہنا کہ مثل ابر کے ہے اُس کے برسنے میں اور مثل بحر کے ہے اُس کے جوش میں ۵ لیکن وہ محب باوجود اس تمام ترماجرا کے فریفتہ ہے عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا پس آپ کا خیال اُس کے قلب میں ہے اور آپ کا تذکرہ اُس کی زبان پر ہے ۶ اور بہت زمانہ طویل سے دعا کر رہا ہے اور دعا میں الحاح اور مبالغہ کر رہا ہے تاکہ وہ آپکے باغ میں طواف کرے اور آپ کے ریحان سے خوشبو سونگھے ۷ اے وہ ذات پاک جن کا رتبہ تمام خلائق پر بلندی میں فائق ہو گیا یہاں تک کہ آپ پر اللہ تعالیٰ نے اپنے قرآن میں ثنا فرمائی ۸ اللہ تعالیٰ آپ پر درود نازل فرماوے زمانہ کے اخیر تک تفضل کرتا ہوا اور ترحم فرماتا ہوا اور آپ کو اپنے احسانات موعودہ عطا فرماوے ۱۲ منہ

بعض حکم درود شریف

(از فصل ۳۷)

بعد بیان فضیلت کے بمقتضائے وارد قلبی اسکی بعض حکمتیں لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

حکمت اوّل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات اُمّت پر بیشمار ہیں کہ صرف تبلیغ ماموربہ ہی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اُنکی اصلاح کے لئے تدبیریں سوچیں اُن کے لئے رات رات بھر کھڑے ہوکر دعائیں کیں، اُن کے احتمال مضرت سے دلگیر ہوئے اور تبلیغ گو ماموربہ تھی لیکن تاہم اس میں واسطہ نعمت تو ہوئے بہرحال آپ محسن بھی ہیں اور واسطہ احسان بھی پس اس حالت میں مقتضا فطرۃ سلیمہ کا یہ ہوتا ہے کہ ایسی ذات کے واسطے دعائیں نکلتی ہیں خصوصًا جبکہ مکافاۃ بالمثل نہ ہوسکے اور ہمارا عاجز ہونا اس مکافات سے ظاہر ہے کیونکہ ان نعماء کا اقتضا غیر ہی سے نبی پر محالات سے ہے اور دعائے رحمت سے بڑھکر کوئی دعا نہیں اور اس میں بھی رحمت خاصہ کاملہ کی دعا جوکہ مفہوم ہے درود کا اس لئے شریعت نے اسی فطرۃ سلیمہ کے مطابق درود شریف کا امر کہیں وجوبًا کہیں استحبابًا فرمایا و نحوہ فی المواہب **حکمت دوم** چونکہ آپ حق تعالیٰ کے محبوب ہیں اور محبوب کے لئے کسی خیر کی درخواست کرنا گو محبوب کو بوجہ اسکے کہ جس سے درخواست کی جاوے وہ خود بوجہ محبت کے وہ خیر اس محبوب کو پہنچاویگا اُس خیر کے ملنے میں اُس درخواست کی حاجت ہی نہ ہو لیکن ایسی درخواست کرنا خود سبب ہوتا ہے اس درخواست کرنیوالے کے تقرب کا پس درود شریف میں چونکہ درخواست رحمت ہے محبوب حق کے لئے اس لئے یہ ذریعہ ہوجاویگا خود اس شخص کو حق تعالےٰ کی رضاء و قرب میسّر ہونے کا و نحوہ فی المواہب **حکمت سوم** نیز اس درخواست میں اظہار ہے آپ کے شرف خاص عبدیت کاملہ کا کہ رحمت الٰہی کی آپ کو بھی ضرورت ہے و ہٰذا من سوانح الوقت۔

حکمتِ چہارم چونکہ آپ بھی بشریت میں مادیت میں عنصریت میں اُمت کے ساتھ شریک ہیں اور بعض اُمور زائدہ مثل کثرۃ مال وغیرہ میں اوروں کے ساتھ مساوی بھی نہیں اور یہ اشتراک اور عدم مساواۃ بسا اوقات منجر ہوجاتا ہے استنکاف کی طرف اعتقاد عظمت و اتباع

ملت سے جیسا امم ضالہ کو پیش آیا کہ بعض نے یوں کہا انؤمن بشرین مثلنا وقومهما لنا عابدون
اور بعض نے کہا ابشرا منا واحدا نتبعہ انا اذا لفی ضلال وسعر کسی نے کہا لولا نزل هذا
القرآن علی رجل من القریتین عظیم اس لئے درود شریف میں اس کا پورا علاج ہے کیونکہ
اُس میں دعا ہے رحمتِ خاصہ کی تو اس سے استحضار ہوا اس کا کہ آپ رحمتِ خاصہ کے مستحق
ہونے میں سب سے ممتاز ہیں تو اُس اشتراک کے ساتھ اس امتیاز کو بھی تو دیکھو جس کے
سامنے دوسروں کا امتیاز مالی وغیرہ گرد ہے اور نیز اس میں حکمت اول کے لحاظ سے استحضار
ہے اس کا کہ ہم لوگ آپ کے ممنون ہیں اور عظمت و منت کا استحضار رافع ہوتا ہے استنکاف
کا بالخصوص جب نام مبارک کے قبل لفظ سیدنا و مولانا وغیرہ بھی بڑھایا جاوے اور نام مبارک
کے بعد ایسے صفات بڑھائے جاویں جن میں تصریح ہو آپ کے جد و جہد کی اشاعت دین
کے لئے جو اعظم احسانات ہے ہم پر اور اس رفع استنکاف سے افتقار و انکسار حادث ہوگا
جو کہ اعظم مقامات مقصودہ سے ہے خصوص اُس محل میں جس کے معظم ہونے کا نصوص میں
اہتمام کیا گیا ہو جیسے مقبولان الٰہی بالخصوص حضرات انبیا علیہم السلام پھر خصوصاً سرور
انبیا صلی اللہ علیہ وسلم کہ آپ کی طرف افتقار کا استحضار عین مرضی حق اور آپ سے
اباء و استغنا بغایت نامرضی ہے کما قال اللہ تعالےٰ هو الذی بعث فی الامیین رسولاً
منہم یتلو علیہم آیاتہ ویزکیہم ویعلمہم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی
ضلال مبین وقال اللہ تعالیٰ لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیہم رسولاً من
انفسہم یتلو علیہم آیاتہ ویزکیہم ویعلمہم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل
لفی ضلال مبین

حکمت پنجم بعض طبایع میں غلبہ مذاق توحید کے وسائط کے ساتھ کہ اُن وسائط میں انبیا
بھی ہیں دل زیادہ آویختہ نہیں ہوتا گو بعد حصول قدر واجب اعتقاد و انقیاد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی اس زیادہ کا انتفا مضر نہیں جیسا کہ مواہب کے مقصد سابع میں
امام قشیری سے ابوسعید خراز کی حکایت نقل کی ہے کہ اُنھوں نے خواب میں جناب رسول اللہ

عہ یعنی خصوص ایسے بزرگ کے مقابلہ میں افتقار جو کہ نصوص میں معظم کئے گئے ہوں اور خصوص اسلئے کہا کہ افتقار فی نفسہ بھی محمود ہے ۱۲

صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجکو معذور رکھئے کہ خدا تعالےٰ کی محبت مجکو
آپ کی محبت میں مشغول نہیں ہونے دیتی آپ نے فرمایا اے مبارک جو شخص حق تعالیٰ سے محبت
کرتا ہے وہ مجھی سے محبت کرتا ہے (کیونکہ یہ تو وہ جانتا ہی ہے کہ میرے توسط سے تو یہ
بات نصیب ہوئی اور اس جاننے کے بعد ممکن نہیں کہ واسطہ سے محبت نہ ہو گو التفات نہو
سو امر ضروری محبت ہے نہ کہ التفات دائم) اور بعض نے کہا ہے کہ یہ واقعہ ایک انصاری
عورت کو سرکار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جاگتے میں پیش آیا تھا اھ لیکن کمال حال
یہ ہے کہ جس واسطہ کی طرف اُسی واحد حقیقی نے التفات کرنے کو اپنی رضاء کا ذریعہ فرمایا
ہے اُس کی طرف التفات کرنے کو ذوقاً بھی شاغل عن التوحید نہ سمجھے بلکہ مکمل توحید جانے
جیسا کوئی اپنے معشوق کے پاس جانا چاہے اور وہ معشوق اپنا ایک مقرب خاص اُسکے
پاس بھیجدے کہ اس کو اپنے ہمراہ لے آوے تو مقتضا عقل یہ ہے کہ جس قدر اپنے محبوب
کی مقصودیۃ حقیقیہ اس کے دل میں بسی ہوگی اُسی قدر ہر قدم پر اُس موصل الی المقصود
کے قدم اور زبان پر اُسکی توجہ ہوگی کیونکہ اس میں کمی ہونے سے خود وصول الی المقصود
ہی مشکوک ہو جاویگا جسکو یہ ناگوار اور محبوب بالذات کی مقصودیۃ حقیقیہ کے خلاف
سمجھے گا اسی طرح جب اس عاشق کو معلوم ہوگا کہ میں جس قدر اس کا اکرام و مدارات
و خدمت کرونگا میرا محبوب اُسی قدر زیادہ خوش ہوگا تو وہ اور بھی اس میں مشغول
رہیگا اور یہ شغل مانع عن الاشتغال بالمحبوب نہ ہوگا بلکہ اس اشتغال میں اور زیادہ معین
ہوگا پس جس طرح اس مثال میں جس درجہ کی مقصودیت محبوب بالذات کی اس محب کی نظر
میں ہوگی اُسی درجہ کا التفات موصل کی حرکۃ و سکون پر ہوگا اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کی طرف جس قدر التفات ہو وہ عین علامت ہوگی واحد تعالیٰ کے مطلوب و ملتفت الیہ
ہونے کی پس دونوں التفاتوں میں تزاحم نہ ہوا بلکہ تلازم ہوا پس اس ذوقی نقص کے رفع کرنے
کے لئے درود شریف شروع ہوا گویا صلوا علیہ وسلموا تسلیما میں حکم ہوا کہ اس واسطہ
کی طرف توجہ بالاحترام کرنے سے ہم خوش ہوتے ہیں پس اگر کوئی ہما را اور ہماری رضا کا
طالب ہے تو اس واسطہ کی طرف توجہ بالاحترام کرے اور اسکو اشتغال بالغیر نہ سمجھے کیونکہ

اشتغال بالغیر بالمعنی الاعم منافی توحید نہیں بلکہ اشتغال بالغیر بایں معنی کہ وہ غیر حاجب ہو مقصود سے منافی توحید ہے اور جو غیر کہ خود موصل ہو اُس کی طرف توجہ کرنا تو لوازم توحید سے ہے کہ بدون اُس کے توحید ہی تک وصول نہیں ہوتا وھا فان الحکمتانعہ من سوانح سالف الوقت ۔

لبعض العشاق

صَلِّ یا ربّ علیٰ راس فریق الناس
منہ للخلق امان بزمان الباس
صَلِّ یا ربّ علیٰ من ھُوَ فی حر غد
کل من یظماء یسقیہ رحیق الکاس
صَلِّ یا رب علی من برجاء الکرم
خص من جاء الیہ لعموم الناس
صَلِّ یا رب علی مونس کل البشر
مبدِ اوسنۃ فی القبر باستیناس
صَلِّ یا رب علی روح رئیس الرسل
نقتدی نحن علی ارجلہ بالراس

له رحمت بھیج اے پروردگار آدمیوں کے گروہ کے سردار پر جن سے خلقت کو امن ہے زمانہ شدت میں له رحمت بھیج اے پروردگار اُس ذات پر کہ قیامت کی گرمی میں جو پیاسا ہوگا وہ اُسکو شراب طہور پیالہ کی پلادینگے ته رحمت بھیج اے پروردگار اُس ذات پر جنہوں نے اُمید کرم کے ساتھ خاص فرمایا ہر شخص کو جو آپکے پاس حاضر ہوا عام لوگوں کے لئے ته رحمت بھیج اے پروردگار تمام لوگوں کے مونس پر جو وحشت کو قبر میں مبدل بہ اُنس کرنیوالے ہیں ه رحمت بھیج اے پروردگار رئیس الرسل کی رُوح پر جنکے قدموں پر ہم چلتے ہیں سر کے بل ۱۲ منہ

والی ھنا انتھے المرام

فی ہذا المقام

عہ وہو الذی عبرت عنہ فی الخطبۃ بالعلم العظیم وقد ضاق اللفظ عن اداہ و ذاک المعنی والذی فی القلب اوسع واوقع وللہ الحمد ولا فخر ۱۲ منہ

ضمیمہ الشذور

یعنی

مکتوب محبوب القلوب

بعد الحمد والصلوٰۃ الشذور کے صفحہ (۴) کے آخر اور صفحہ (۵) کے اول میں یہ عبارت واقع ہے۔ بعض میں محبت کے ظاہری آثار بھی پائے جاتے ہیں الیٰ قولہ اول تو ان اعمال مذکورہ میں بھی (جن میں اُوپر کی عبارت میں آپ کے ذکر مبارک کی مجالس منعقد کرنا بھی مذکور ہے) بسا اوقات حدود شرعیہ کو محفوظ نہیں رکھتے اور صفحہ (۶) کے شروع کے قریب (خشک مزاج لوگوں کی شکایت میں) یہ عبارت ہے نہ کبھی ذکر مبارک سُنکر گداختہ ہوتے ہیں اور صفحہ (۱۴) کے شروع کے قریب یہ عبارت ہے اسی طرح حضرات صحابہ کی عادت تھی کہ جب بیٹھتے ایک دوسرے سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک و شمائل و طرز عمل پوچھتے ان عبارات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکرِ مبارک کے متعلق افراط یا تفریط کرنیوالوں کی شکایت مجملاً مذکور ہے چونکہ صاحب رسالہ الشذور کی ایک تحریر مسمی بہ مکتوب محبوب القلوب میں اس مجمل مضمون کی قدر ضروری تفصیل مذکور ہے اور مذکور بھی ایسے بے نظیر عنوان سے کہ اگر طبیعت میں ذرا بھی سلامتی ہو تو پھر انشاء اللہ تعالیٰ افراط و تفریط کا نام و نشان تک نہ رہے چنانچہ بڑے بڑے اختلافات اُس مضمون کی برکت سے بفضلہ تعالیٰ رفع ہو گئے۔ خصوص جن بزرگ کی خدمت میں خط اُنکے بعض شبہات پیش کرنے پر ا جبکہ اُن میں اور اُنکے ایک عالم فرزند میں اس مسئلہ کے متعلق سخت اختلاف واقع ہو رہا تھا جسکی نوبت قطع تعلقات تک پہنچ گئی تھی، لکھا گیا تھا وہاں تو اس قدر عظیم فوری نفع ہوا جس سے سب متحیر رہ گئے اور باپ بیٹے میں کوئی کشیدگی باقی نہ رہی اس لئے مستحسن معلوم ہوا کہ اس مضمون کو رسالہ الشذور کا ضمیمہ بنا دیا جاوے۔ وھو ھذا۔

کتبہ خادم دربار اشرفی محمد فضل اللہ عفا اللہ عنہ

مکتوب محبوب القلوب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

از اشرف علی عفی عنہ بگرامی خدمت مخدومی معظمی دامت برکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ کل الطاف نامہ نے معزز فرمایا برابر جواب کے لئے تیار رہا مگر ہجوم آئندگان وروندگان سے اسوقت تک اپنے ارادے میں کامیاب نہوسکا اسوقت بیٹھا ہوں مگر ڈاک کے وقت تک اُمید نہیں کہ فراغت کرسکوں کل ہی کی ڈاک میں غالباً جاویگا۔

جناب عالی کو ہر طرح اللہ تعالیٰ نے بزرگی عطا فرمائی ہے زیادہ عرض معروض کرنا خلاف ادب سمجھتا ہوں مگر معاملہ ایسا آپڑا ہے جسمیں مصلحت کے علاوہ مسئلہ کا بھی شمول ہے اسلئے محبت وخیر خواہی جو آپ ہی کے عنایات کا اثر ہے اس عاجز کو برعکس اسکے مجبور کرتی ہے کہ کچھ عرض کروں اور ایسے معروضات میں بدون اسکے کہ دل کھولکر کہے جاویں علی وجہ الکمال ظاہر نہیں ہوسکتے اس لئے قبل عرض مقصود استدعا کرتا ہوں کہ میری قلم درازی معاف فرمائی جاوے اور چونکہ معاملہ تحقیق دین کا ہے اسلئے بے تکلف جو خیال مبارک میں آوے ارشاد فرمایا جاوے اور مجھکو بھی عرض کی اجازت دیجاوے انشاء اللہ تعالیٰ تمام پیچیدگیاں رفع ہوجاوینگی اصول شرعیہ میں سے اور نیز قواعد عقلیہ میں سے یہ امر مسلم ہے کہ جو فعل نہ ماموربہ ہو نہ منہی عنہ یعنی نصوص شرعیہ میں نہ اُسکے کرنے کی ترغیب ہو اور نہ اُسکے کرنے کی ممانعت ایسا امر مباح ہوتا ہے اور ہرچند کہ مباح اپنی ذات میں نہ طاعت ہے نہ معصیت مگر عوارض خارجیہ کے اعتبار سے ممکن ہے کہ کبھی وہ طاعت ہوجاوے کبھی معصیت ہوجاوے مثلاً چلنا کہ ایک فعل مباح ہے نہ اس پر ثواب نہ عقاب مگر ممکن ہے کہ اس میں کوئی ایسی مصلحت ومنفعت ہو جس سے یہ عبادت ہوجاوے مثلاً مسجد یا مجلس وعظ کی طرف چلنا یا کسی کی عیادت یا تعزیت کے لئے چلنا اور ممکن ہے کہ اس میں کوئی ایسی مضرت مفسدہ ہو جس سے یہ معصیت ہوجاوے مثلاً ناچ دیکھنے کو چلنا یا شراب خوری کے لئے چلنا اور یہ بھی جاننے کی بات ہے کہ مضرت ومفسدہ دو قسم کا ہے لازمی ومتعدی لازمی وہ جس سے خود فاعل کو ضرر پہنچے متعدی وہ جس سے دوسروں کو ضرر پہنچے سو جس طرح فعل مباح بوجہ لزوم ضرر لازمی کے واجب المنع ہوجاتا ہے اسی طرح بوجہ ترتب ضرر متعدی کے بھی ممنوع ہوتا ہے مثلاً کوئی ایسا مریض جسکا مرض محسوس نہیں اور طبیب نے اُسکو افطار صوم کی اجازت دیدی گو اُسکو کھانا پینا علی الاعلان فی نفسہ جائز ہے مگر جس مقام پر یہ احتمال ہو کہ کوئی دوسرا شخص یہ حالت دیکھکر روزہ کی بے وقعتی کرکے اپنا روزہ تباہ کردیگا

اُس مقام پر یہ امر جائز بھی ناجائز ہوجاویگا بلکہ اسکا اخفا ضروری ہوگا اور یہ امر بہت ہی ظاہر ہے اب دوسرا قاعدہ سمجھنے کے قابل یہ ہے کہ بعض افعال مباحہ تو ایسے ہوتے ہیں جنمیں سرتاسر مصلحت ہی مصلحت ہے اُسکے تو مستحسن ہونے میں سب کا اتفاق ہوتا ہے بعض ایسے ہوتے ہیں کہ اُن میں سرتاپا مفسدہ ہی مفسدہ ہے اسلئے ممنوع ہو نیمیں کسی کو کلام نہیں ہوتا بعض ایسے افعال ہیں جنمیں کچھ مصلحت اور کچھ مفسدہ ہوتا ہے کسی کی نظر مصلحت پر ہوتی ہے اور مفسدہ کی طرف یا تو التفات نہیں ہوتا یا اسکو قابل اعتبار نہیں سمجھتے یا اُس میں کچھ تاویل کی گنجائش سمجھ لیتے ہیں ایسا شخص اُسکو جائز بلکہ مستحسن کہتا ہے اور کسی کی نظر مفسدہ پر بھی ہوتی ہے خواہ مفسدہ لازم ہو یا متعدی ایسا شخص اُسکو ممنوع ٹھیراتا ہے خواہ مصلحت پر نظر ہی نہو یا اُس پر بھی نظر ہو کیونکہ قاعدہ مقررہ ہے کہ جب حلّت و حرمت کے اسباب کسی شے میں جمع ہوجاتے ہیں تو وہاں حرمت ہی کو ترجیح ہوتی ہے ایسے اُمور ہمیشہ محل کلام و اختلاف رہا کرتے ہیں مگر اسمیں اختلاف رفع کرنا اگر اہل اختلاف میں قدرے طالب حق و انصاف ہو بہت ہی سہل ہوتا ہے اسلئے کہ صرف یہ بات دیکھ لینی کافی ہوتی ہے کہ اسمیں کوئی مفسدہ تو نہیں اگر کوئی مفسدہ نکلے تو مانعین اپنے فتوی ممانعت کو چھوڑدیں اور اگر مفسدہ نکل آوے تو مجوزین اپنے دعوی جواز سے رجوع کریں گو اس میں مصلحتیں بھی ہوں اسلئے کہ اُوپر مذکور ہوچکا کہ تعارض کے وقت منع کو ترجیح ہوتی ہے البتہ اگر کسی مامور بہ میں کوئی مفسدہ ہو تو وہاں مفسدہ کی اصلاح کردیجاتی ہے مگر مباح میں جب اصلاح دشوار ہو نفس فعل کو ترک کردینا لازم ہوتا ہے بلکہ مباح تو کیا چیز ہے اگر سنت زائدہ میں ایسے مفاسد کا احتمال قوی ہو اُس کا ترک مطلوب ہوجاتا ہے یہ سب قواعد کتب شرعیہ اصولیہ فرعیہ میں موجود و مذکور ہیں اب خیال فرمانا چاہئے کہ عمل مولد شریف بہیئت و قیود مخصوصہ ظاہر ہے کہ نہ کسی دلیل شرعی سے مامور بہ ہے اور نہ کسی دلیل سے ممنوع ہے تو فی حد ذاتہٖ مباح ٹھیرا اب اسی قاعدہ اولی کے موافق ضرور ہوگا کہ اگر اسمیں کوئی مفسدہ اعتقادی یا عملی مرتب نہو نہ لازمی نہ متعدی تو اُسکے جواز یا استحسان میں کوئی کلام نہیں کرسکتا اور اگر اُسمیں کوئی مفسدہ مرتب ہوتا ہو خواہ لازمی خواہ متعدی تو اُسکے رد کرنے میں کوئی مضایقہ نہیں ہوسکتا اس پر تو سب کا اتفاق ہے اب اتنی سی بات میں اختلاف رہگیا کہ آیا اسمیں کوئی مفسدہ ہے یا نہیں اور اسی بات میں اختلاف ہونے سے اسکے جواز و ناجواز میں اختلاف طویل و عریض ہوگیا سو مفسدہ کا ہونا نہونا یہ کوئی دقیق بات نہیں جسمیں بہت غور و نظر و مباحثہ کی حاجت ہو مشاہدہ و تجربہ و تتبع حالت عاملین سے بسہولت معلوم ہوسکتا ہے سو جہانتک اِن مجالس میں شرکت کا اتفاق ہوا اکثر عاملین کے عقاید یا اعمال میں غلو و افراط پایا گیا جسکی تفصیل محتاج بیان نہیں سو بنا بر قاعدہ مذکورہ سابق اُن عاملین کے حق میں تو اس عمل کو ممنوع کہنے میں کسی قسم کا شبہہ ہی نہیں البتہ یہ شبہہ شاید ہوسکے کہ جسکو غلو ہو اُسکو روکنا چاہئے اور محتاط خوش عقیدے کو کیوں روکا جاوے تو اُسکا جواب اوپر کی تقریر سے

معلوم ہوچکا ہے کہ جس طرح ضرر لازمی سے بچنا واجب ہے اسی طرح ضرر متعدی سے بھی جس حالت میں کسی شخص نے گو احتیاط کے
ساتھ یہ عمل کیا مگر دوسرے دیکھنے والے اُس سے سند پکڑ کر بے احتیاطی کرتے رہے تو ضرر متعدی ظاہر ہے اب اس قاعدے
وحکم کی تائید کے لئے ایک آدھ نظیر پیش کرتا ہوں۔ کسی نعمت جدیدہ کی خبر سنکر سجدہ شکر کرنا حدیث صحیح سے ثابت
ہے اور پھر بھی ہمارے امام ہمام ابوحنیفہ رح اسکو مکروہ فرماتے ہیں چنانچہ کتب فقہ میں مذکور ہے اُسکی وجہ بقول
علامہ شامی صرف یہی ہے کہ اسمیں احتمال ہے کہ عوام اسکو سنت مقصودہ نہ سمجھ جاویں۔ اب ملاحظہ فرمائیے کہ عوام کے
غلط اعتقادی کے احتمال پر خواص کے لئے بھی وہ فعل مکروہ قرار دیا گیا حالانکہ جواز اُسکا نص سے ثابت ہے اور مسنون
ہونا بھی اُسکا مسلم ہے مگر سنت زائدہ ہے سنت مقصودہ نہیں۔ جب عقیدے میں اتنے فرق سے حکم کراہت کا کردیا جاتا ہے تو جو
چیز سنت بھی نہو صرف مباح یا مستحسن ہو اور اباحت و استحسان بھی اسکا محض قیاسی ہو منصوص نہو اور افراط بھی عقیدہ میں اس درجہ عوام
نے کرلیا ہو کہ فرض و واجب سے زیادہ موکد قرار دیدیا ہو تو اس حالت میں خواص کے لئے بھی حکم بالکراہت کیوں نہ کیا جاویگا۔ دوسری
نظیر یہ ہے کہ درمیان اذان و اقامت مغرب کے دو رکعت نفل پڑھنا حدیث سے ثابت اور امام ابوحنیفہ اسکو مکروہ فرماتے
ہیں اُسکی وجہ بھی یہی احتمال اعتقاد سنیت مقصودہ ہے اس احتمال کا موجب کراہت ہونا خود حدیث سے ثابت ہے چنانچہ
اسی حدیث صلوا بین الاذان و الاقامت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری بار میں ارشاد فرمایا لمن شاء اُسکی وجہ راوی فرماتے
ہیں کراھۃ ان یتخذھا الناس سنۃ۔ تیسری نظیر یہ ہے کہ صلوٰۃ جنازہ میں فاتحہ پڑھنا احادیث سے ثابت اور امام ابوحنیفہ رح
اُسکو منع فرماتے ہیں یہاں بھی یہی وجہ ہے کہ نماز جنازہ اصل میں دعا ہے اور حضور سے فاتحہ جو ثابت ہے وہ بھی بطریق دعا ہے سو اگر
کوئی علی وجہ التلاوۃ پڑھے مکروہ ہے صرف اتنی تفاوت ہے کہ جو چیز علی وجہ الدعا پڑھی جاوے اُسکو علی وجہ التلاوۃ کسی نے پڑھدیا
تو کراہۃ آجاتی ہے پھر صرف اُسی شخص کو منع نہیں کیا بلکہ مطلقاً منع کردیا تاکہ یہ عادت شایع نہو اور بھی بیشمار اسکے نظائر فقہیہ موجود
ہیں ان سب نظائر سے یہ امر کالشمس فی نصف النہار واضح ہوگیا کہ جسطرح اپنے عقیدہ و دین کی حفاظت ضروری ہے عوام کے عقیدے
و دین کی حفاظت بھی ضروری ہے اب ممکن ہے کہ بعض کرنیوالے احتیاط کرلیں مگر عوام جو اُنکے معتقد و مقلد ہیں اُنکو نہ اُن خرابیوں پر نظر ہے
نہ اُن سے بچنے کی احتیاط نہ اُنکو یہ خبر کہ ہمارے بزرگوں کے اور ہمارے عمل میں کیا فرق ہے صرف اُنھوں نے یہ دیکھ لیا کہ ہمارے فلاں بزرگ
یہ عمل کرتے ہیں پس خود بھی جسطرح چاہا کرنے لگے اسکی احتیاط اہل طریقت نے یہانتک فرمائی ہے کہ جس شخص کو سماع بشرائط جائز اور مباح ہو وہ ایسے شخص کے
روبرو بھی سُننے کہ جسکو مباح نہیں تاکہ وہ تقلید بے بصیرت کرکے خراب نہو۔ اب خیال مبارک میں آگیا ہوگا کہ جو لوگ ان اعمال کو منع کرتے ہیں اُنکی غرض اور علت
کیا ہے یعنی وہ ان اعمال کو فی حد ذاتہا مکروہ و ممنوع نہیں سمجھتے بلکہ اُنکو مباح باباحۃ اصلیہ و مستحسن بحسن عقیدہ و نیت جانتے ہیں مگر ان عوارض خارجیہ کی وجہ
سے کراہۃ کا حکم کرتے ہیں مرتکب عوارض کیلئے تو بوجہ ضرر لازم کے۔ اور محتاط کے لئے بوجہ ضرر متعدی کے اس طور پر منع کرنیوالوں پر کسی قسم کی ملامت نہیں

ہو سکتی بلکہ بوجہ اہتمام حفظ نظام دین کے مستحق اجر ہوتے ہیں ہاں شبہ ہو سکتا ہے کہ بعض مانعین تو اس تفصیل کے ساتھ منع نہیں کہتے اور کوئی قید لگاتے ہیں
علی الاطلاق کہدیتے ہیں کہ مجلس مولد شریف ممنوع و بدعت ہے سو بات یہ ہے کہ مانعین میں بعض تو متشدد ہیں انکے قول کی تو تاویل ضرور کا نہیں اور بہت سے
بندگان الٰہی منصف و محقق ہیں انکا اطلاق حکم بالکراہۃ محض لفظاً ہے مراد انکی عمل مقید و متعارف ہے اسکی مثال ایسی ہے کہ کوئی مفتی محقق کہے کہ رہن رکھنا
حرام ہے ہر چند کہ لفظ رہن اسکے کلام میں مطلق ہے جس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ غضب ہے اللہ تعالیٰ نے تو رہن کو حلال فرمایا ہے اور یہ حرام کہتا ہے مگر ہر عاقل سمجھ سکتا ہے
کہ مراد اسکی مطلق رہن نہیں ہے بلکہ وہی رہن جسمیں حقیقتاً یا حکماً انتفاع مشروط ہوتا ہے اور اس زمانہ میں متعارف ہے اسی کو حرام کہتا ہے سو وہ یقیناً حرام ہے
اسی طرح مانع مولد گو نفس مولد کو منع کر رہا ہے مگر مراد اسکی وہی مولد ہے جسمیں افراط و تفریط ہے ممنوع تو اصل میں اسی کو کہہ رہا ہے مگر جو مجلس افراط و تفریط
سے خالی ہو وہ گو خود ممنوع نہیں مگر اسوجہ سے کہ دوسرے لوگوں کے لئے ذریعہ افراط و تفریط کا ہے دائرہ منع میں اسکو داخل کر دیا ہے اس اطلاق لفظی و تقیید
مرادی کی نظیر حدیث میں آئی ہے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک مسافر روزہ دار کو ملاحظہ فرمایا کہ غلبہ حرارت و تشنگی سے بیہوش ہو گیا ہے ارشاد فرمایا
لیس من البر الصیام فی السفر یعنی سفر میں روزہ رکھنا اچھا نہیں ظاہر ہے کہ روزہ رکھنا سفر میں جائز ہے پھر بھی آپ نے مطلق لفظ سے ممانعت
فرمائی وجہ اسکی یہی ہے کہ گو لفظ مطلق ہے مگر مراد اس سے یہی ہے کہ ایسی حالت میں روزہ رکھنا اچھا نہیں خلاصہ یہ کہ لفظ کا مقید ہونا کبھی لفظ سے
ہوتا ہے اور کبھی قرینہ سے اس تفصیل سے یہ شبہ بھی دفع ہو گیا کہ ان اعمال کو ہزاروں بزرگ کرتے چلے آئے ہیں اب کیوں منع کرتے ہیں وجہ رفع
ہونیکی یہ ہے کہ وہ بزرگ خلوص و احتیاط و صحت عقیدہ کے ساتھ کرتے تھے اور ان کے زمانہ میں عوام نے یا تو غلو نہ کیا ہوگا یا
اس غلو کی انکو اطلاع نہ ہوئی ہوگی یا یہ گمان نہ ہوگا کہ کوئی شخص ہمارا اقتدا کریگا یا یوں سمجھے ہونگے اگر کسی نے اقتدا کیا تو وہ بھی
احتیاط کریگا اسوجہ سے اُن بزرگوں پر نہ اعتراض کرنا ممکن ہے اور نہ سند پکڑنا صحیح ہے کیونکہ انکی اور ہماری حالتوں یا زمانوں میں بہت فرق
ہے اور نہ مانعین پر شبہ ہو سکتا ہے اسلئے کہ وہ اصل فعل کو منع نہیں کرتے بلکہ ان مفاسد کا انسداد کرنا چاہتے ہیں اور خود اسلئے شریک نہیں ہوتے کہ عوام
ہماری سند نہ پکڑیں خلاصہ یہ ہے کہ جنہوں نے یہ فعل کیا تھا انکی نیت بھی اچھی تھی اور اسوقت مفاسد نہ تھے یا وہ متعدی نہوتے تھے اور جو
نہیں کرتے اور احتیاط رکھتے ہیں انکی نیت بھی درست ہے البتہ جو شخص یوں کہے کہ خود یہ عمل ہی اپنی ذات میں ممنوع ہے خواہ کوئی
ضرر لازم یا متعدی ہو یا نہو وہ متشدد ہے یا جس شخص کو اطلاع ہو جاوے کہ واقعی عوام کی حالت عقیدہ اور عمل کی اچھی نہیں
اور یہ بھی سمجھ گیا ہو کہ واقعی خواص کے عمل کا اثر عوام پر پڑتا ہے اور عوام سند پکڑ کے بے احتیاطیوں میں مبتلا ہوتے ہیں اور یہ بھی اسکو
تجربہ ہو گیا ہو کہ اب عوام کے افراط تفریط کی اصلاح بدون اسکے نہایت دشوار ہے کہ اصل عمل ہی کو احتیاطاً و انتظاماً ترک
کر دیں ان سب امور پر مطلع ہو کر پھر بھی اسکو معمول رکھے وہ مداہن و متہاون فی الدین ہے امید ہے کہ تقریر و تفصیل ہذا سے
تمام تر پیچیدگیاں حل ہو گئی ہونگی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب عندہ علم الکتاب فقط حضرت من تحقیق مسئلہ سے اپنی فہم ناقص کے موافق
فارغ ہوا میری دلی خوشی یہ ہے کہ جو مجھ سے غلطی ہو گئی ہو بے تکلف اُس پر متنبہ فرماویں انشاء اللہ تعالیٰ اعتراف و تسلیم کر لونگا۔ زیادہ بجز

نیاز [illegible] فقط والسلام [illegible] -